حق تصنیف محفوظ ہے

اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

بفضل ایزد منان ایں نسخۂ تازہ مثل گلستان و ایں حدیقۂ بہار جاودان و ایں درج گہرہائے تابان یعنی
مجموعۂ حالات و ملفوظات غوث دوران محبوب رحمان خواجۂ خواجگان شاہ محمد سلیمان تونسوی و مشتمل سوانح
ایام قدوۃ الصالحین زبدۃ العارفین خطاپوش عطابخش خواجہ اللہ بخش صاحب تونسوی و مخزن حالات ستودہ
صفات مخزن انوار رحمانی منبع فیوض سبحانی دوحہ گلشن سلیمانی سرچشمہ الطاف یزدانی محبوب رب الودود
متوکل علی المعبود فیض رسان خلائق حضرت خواجہ محمد محمود صاحب چراغ تونسوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

آئینہ نورانی جلد ثانی کتاب خاتم سلیمانی المشہور بہ

سیرۃ المحمود رض

۱۳۵۱ھ ۱۹۳۱

از تالیف لطیف خاکپائے چشت اہل بہشت خانصاحب اللہ بخش خان بلوچ منشی
فاضل متوطن سوکڑ تحصیل سنگھڑ ضلع ڈیرہ غازیخان ہیڈ ماسٹر کروڑ۔ و مؤلف کتب
سیر و تواریخ اعنی خاتم سلیمانی۔ کشف الصدود۔ و ملفوظات اولیائے کرام شہر ملتان وغیرہ
و مالک کتب خانہ "بلوچ منزل" کروڑ

مطبوعہ اقبال برقی پریس شہر ملتان

قیمت کاغذ درجہ اول عہ کاغذ درجہ دوم عہ

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون

بفضل ایزد منان ایں نسخہ تازہ مثل گلستان و ایں حدیقہ بہار جاودان و ایں درج گہرہائے تابان یعنی مجموعہ حالات ملفوظات غوث دوران محبوب رحمان خواجہ خواجگان شاہ محمد سلیمان تونسوی و مشتمل سوانح ایام قدوۃ الصالحین زبدۃ العارفین خطاپوش عطا بخش خواجہ الہ بخش صاحب تونسوی و مخزن حالات ستودہ صفات مخزن انوار رحمانی منبع فیوض سبحانی زیب دوحہ گلشن سلیمانی سرچشمہ الطاف یزدانی محبوب رب الودود متوکل علی المعبود فیض رسان خلائق حضرت خواجہ محمد محمود صاحب چراغ تونسوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم یعنی

آئینہ نورانی جلد ثانی کتاب خاتم سلیمانی المشہور بہ

سیرۃ المحمود

از تالیف لطیف خاکپائے چشت اہل بہشت خانصاحب الہ بخش خان بلوچ منشی فاضل متوطن سوکڑ تحصیل سنگھڑ ضلع ڈیرہ غازیخان ہیڈ ماسٹر کروڑ و مؤلف کتب سیر و تواریخ یعنی خاتم سلیمانی، کشف الصدور، و ملفوظات اولیائے کرام، شہر ملتان وغیرہ و مالک کتب خانہ "بلوچ منزل" کروڑ

مطبوعہ اقبال برقی پریس ملتان

"پیشکش"

یہ کتاب آئینہ نورانی جلد ثانی خاتم سلیمانی مسمیٰ بہ سیرۃ المحمود نہایت خلوص اور محبت سے عالی جناب معلے القاب نواب حبیب اللہ خان صاحب علی زئی رئیس اعظم المعظم و جاگیردار ڈیرہ اسماعیل خان اور انکے بلند اقبال صاحبزادگان کے نام نامی اور اسمائے گرامی سے معنون اور نامزد کی جاتی ہے۔

"گر قبول افتد زہے عز و شرف"

الملتمس

الٰہ بخش خان تکیچ ملغانی مؤلف خاتم سلیمانی

و مہتمم کتاب صابر ملتانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تواریخی حالات شہر تونسہ شریف

ڈیرہ غازی خان کے ضلع میں تونسہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ جو رود سنگھڑ کے کنارے سنسان ریگستان پر آباد ہوا۔ نہ سبزی نہ ترکاری۔ نہ بازار۔ نہ کوئی دلفریب نظارہ۔ محض کاشتکاروں کے جھونپڑے تھے۔ جب حضرت سلطان التارکین فخر الاولیا شاہ سلیمان صاحبؒ کوہ سلیمان سے تشریف لائے۔ اور علوم ظاہری و باطنی میں یکتائے زمانہ ہوئے۔ ان کے زہد و اتقا۔ تزکیہ نفس اور فیض رسانی کا شہرہ تمام عالم میں پھیلا تو پنجاب۔ ہندوستان۔ کشمیر لنکا۔ بلوچستان۔ افغانستان ایران اور عرب سے ہزارہا مخلوق بغرض حصول تعلیم و فیض روحانی آنا شروع ہوئی۔ اس گاؤں کو چار چاند لگ گئے دیار و امصار میں اس کا آوازہ بلند ہوا۔ منگروٹھ سے تحصیل کا صدر مقام اسی گاؤں میں منتقل کیا گیا۔ علما۔ فضلا اور مشائخ کا ایک مجمع نظر آیا۔ اب تونسہ خالی تونسہ نہ رہا۔ بلکہ تونسہ شریف ہو گیا۔ امیر و غریب۔ قوی و ضعیف۔ ادنیٰ و اعلیٰ ایک کشش مقناطیسی سے خود بخود کھنچ کر آنے لگے۔ اور بالکل یہ شعر صادق آیا۔ ؎

مردم و مرغ و مور گرد آیند	ہر کجا چشمۂ بود شیریں

محل وقوع۔ تونسہ شریف دریائے سندھ کے مغربی کنارہ سے چھ میل دور ہے

اس کا عرض شمالی ۳۱ درجہ اور طول مشرقی ۷۰ درجہ ۱۷ دقیقہ ہے۔ اس وقت تحصیل سنگھڑ کا صدر مقام ہے۔ مگر اس کی شہرت و وقعت محض اس عالی شان خاندان کے قیام کی وجہ سے ہے۔ جس کا پہلا فرد فخر الاولیا کے لقب سے ملقب ہے یعنے حضرت خواجہ سلیمان غوث الزمان ہے۔

آبادی و حکومت.... تواریخ سے ثابت ہے۔ کہ پہلے پہل اس گاؤں میں قوم چھچھ وبھٹہ سکونت پذیر ہوئی اور عرصہ دراز تک اس علاقہ میں ان کا عمل دخل رہا۔ اسوقت ہمکو اس پرانی روایت کے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کہ اسلام سے پہلے یہہ علاقہ بالکل کفرستان تھا۔ سنگھڑ منگھیر دو بھائی یہاں برسر اقتدار رہے۔ سنگھڑ کے نام سے رود کا نام مشہور ہوا۔ اور منگھیر سے منگروٹھ کا شہر موسوم ہوا۔ جو تونسہ مقدسہ سے بہت پرانا۔ اور عرصہ دراز تک اس علاقہ کا دارالریاست رہا ہے۔ جب بلوچ لودھیوں کی عہد حکومت میں کوہ سلیمان کے دروں سے اس تمام علاقہ میں پھیل گئے۔ جو شکارپور سے ڈیرہ اسماعیل کی شمالی سرحد تک داماں کے نام سے موسوم ہے۔ تو قوم چھچھ اور بھٹہ کا اقتدار کم ہونے لگا۔

اتنا یاد رکھنا ضروری ہے۔ کہ بلوچ لوگ محض مویشی چرانے کے لئے اس علاقہ میں وارد ہوئے۔ اور جب اُن کے ایک سرگردہ نے جو قوم مرانی سے تعلق رکھتا تھا۔ اُس علاقہ میں اپنا تسلط جمایا۔ جہاں چوٹہ اور قدیم شہر ڈیرہ غازیخاں واقع تھا۔ تو ان کی دیکھا دیکھی دیگر بلوچ سردار بھی ضلع کے طول و عرض میں آہستہ آہستہ اپنا قدم جمانے لگے۔

حاجی خان نے جو غازی خان کا والد تھا۔ حاجی غازی کی بستی بنائی۔ جو بعدہ ڈیرہ غازیخان کا عظیم الشان شہر بنا جس کی آبادی اپنے عروج کے زمانہ میں ۲۵ ہزار تھی۔ اور مغربی پنجاب میں شہر ملتان چھوڑ کر سب سے بڑا شہر تسلیم کیا جاتا تھا۔ شہر ڈیرہ غازیخان کی بنیاد ۱۴۷۶ء مطابق ۸۸۱ھ رکھی گئی۔

جنوبی داماں کے علاقہ میں جب حاجی خان مرانی نے اپنا تسلط جمایا۔ تو اس سے چند سال پہلے سہراب خان ہوت بلوچ شمالی داماں میں اپنا قبضہ کر چکا تھا۔ سہراب خاں کی اولاد میں اسماعیل خاں ہوت بلوچ نے شہر ڈیرہ اسماعیل خاں کی بنیاد رکھی۔ جس کا سال بنیاد

۲۳ مانگھ ۱۹۱۰ بکرمی بیان کیا جاتا ہے۔ افسوس کہ پہلے ڈیرہ اسماعیل خان دریائے سندھ سے غرقاب ہوا۔ اور ۱۹۱۰ء میں ڈیرہ غازیخان بھی غرقاب ہوگیا۔ اسماعیل خان کے بھائی فتح خان نے ڈیرہ فتح خان ایک شہر آباد کیا تھا۔ یہ شہر بھی دو دفعہ دریا کی نذر رہوا۔
اور اب تیسری جگہ آباد ہے۔ مگر اس کی حیثیت ایک گاؤں سے زیادہ نہیں ہے۔ موجودہ شہر ڈیرہ اسماعیل خان ۱۸۹۱ بکرمی مطابق ۱۸۲۳ء میں نواب سدوزئی کا آباد کردہ ہے۔
جس کی اولاد اب تک نوابان ڈیرہ کے معزز خطاب سے مشہور ہے۔
سنگھڑ کے علاقہ میں پہلے غازیخان اور اس کی اولاد کی حکومت رہی۔ جو بھاول خان کی طرح سب غازی خان کہلاتے ہیں۔ آخری غازیخان اپنے وزیر محمود گوجر کی سازش کا شکار ہوا۔ اور ۱۶۹۹ء میں بلوچوں کے اس مایۂ ناز خاندان کا خاتمہ ہوا۔ اگرچہ یہ بلوچ سردار بابر کے زمانہ سے لیکر بہادر شاہ پسر محی الدین اورنگزیب عالمگیر کے زمانہ تک سلطنت مغلیہ کے باجگذار رہے۔ مگر حقیقت میں یہ مطلق العنان والئے ریاست تھے۔ جب ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ ایران سے چل کر دہلی تک تمام ملک کو روندتا ہوا چلا گیا۔ تو فتح دہلی کے بعد یہ علاقہ بھی شاہان خراسان کے زیر نگین آیا۔ نادر شاہ کے مقتول ہونے پر اکتوبر ۱۷۴۷ء سے احمد شاہ ابدالی جو قوم سدوزی افغان کا درخشندہ گوہر تھا۔ افغانستان کا بادشاہ ہوا۔ تو یہ علاقہ اس کے قبضہ میں آیا۔ اس کی وفات پر تیمور شاہ سریرآرائے سلطنت ہوا۔ اسوقت سنگھڑ میں سردار مستو خان نتکانی شاہان خراسان کی طرف سے حاکم تھا چنانچہ مولوی محمد عمر صاحب ملتانی کی ایک نظم اس زمانہ کی لکھی ہوئی موجود ہے۔

قضائے کہ ایں باغ را آفرید
عجب لالہ خان مستو و سید

بود ہر زماں چوں گل افروختہ
بداندیش مثل سپند سوختہ

ریاضت کشی را حسن ثانیئے
بدانش فلاطون یونانیئے

بحشمت او سالار جمشید است
چو جمشید خورشید تاباں ترست

بہنگام تیغ است چوں کوہ قاف
بدر دسر دشمناں تاب صاف

رود گرگ خونی بدر بار میش
خدایا مراکن زسرکار خویش

چو دریائے نیل ست موجش گران	چہ وصفش کند وصف ناتوان		
خدایا نگہدارشس از لغزش پا	بود نازمیں آسماں را بقا		

سال تحریر ۱۲.. ہجری

جب شاہان خراسان یعنی احمد شاہ ابدالی کے پوتوں میں نزاع ہوا اور محمود شاہ ۔ شاہ زمان شجاع الملک ایک دوسرے سے جنگ و جدال میں مصروف ہوئے ۔ اور سلطنت کابل کو کمال ضُعف پہنچا ۔ اس وقت سکھوں نے یہ علاقہ بزور شمشیر لے لیا ۔ اب ہم اس زمانہ میں پہنچ گئے ہیں ۔ جبکہ حضرت فیض رساں سراج چشتیاں **خواجہ محمد سلیمان** علیہ الرحمۃ والغفران کوہ سلیمان سے تونسہ میں رہائش فرماتے ہوئے آپ کے اس علاقہ غیر آباد میں تشریف لانیکے متعلق مندرجہ ذیل امور پر غور کرنا چاہیئے ۔

(۱) سکھوں کا پر آشوب زمانہ تھا ۔

(۲) جہالت کا زور تھا ۔ آفتاب اسلام جہالت کی کالی گھٹا میں نظر تک نہ آتا تھا ۔

(۳) علاقہ ایسا تھا ۔ جہاں ذرائع آمد و رفت بہت دشوار اور ناقابل گذر تھے

(۴) مشرق کی طرف دریائے ذخار جو ہندوستان کا سب سے بڑا دریا ہے ۔ مائل تھا ۔

(۵) مغرب میں کوہ سلیمان پھیلا ہوا تھا ۔

اسواسطے یہاں قدرتی طور پر ایک مصلح اور ریفارمر کی ضرورت تھی ۔ جو اپنے فیوض ظاہری و باطنی سے لوگوں کا تزکیہ نفس کرے ۔ اُنکے وساوس شیطانی اور عقائد باطلہ کا استیصال ہو ۔ اسلام کا نورانی چہرہ جو ظلمت میں چھپ رہا ہے ۔ اُسے روشن صورت میں دکھائے قوم کچھی ۔ بھٹہ ۔ شیرانی ۔ بلوچ اور افغان جیسی متمرد اقوام کو حلقہ اسلام سے نہ نکلنے دے اُن کے آئینہ دل کو کدورت ضلالت اور غبار جہالت سے پاک کرے ۔ اور تمام دامان کی علاقہ کو اپنے دامن رحمت میں جگہ دے ۔ پس قدرتی طور پر حضرت اقدس خواجہ غریب نواز حضرت اعلےٰ کا قیام اس علاقہ میں ضروری اور نہایت ضروری تھا ۔ جہاں عرصہ دراز سے کوئی مصلح اور کوئی ہادی رونق افروز نہ ہوا تھا ۔ اور جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ حضرت فیض رسان قبلہ عالم **(خواجہ نور محمد صاحب** قدس سرہ العزیز) کا ارشاد بھی اسی علاقہ کے قیام کے متعلق ہے ۔ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہہ تمام فیضان الہی ہے ۔ جو سنگھر جیسے گمنام اور غیر آباد

علاقہ کو عطا ہوا۔ یہہ وہ علاقہ ہے۔ جہاں کوسوں تک پینے کا پانی نہیں ملتا۔ اور تونسہ مقدسہ کے شمال میں محض ریگستان اور سنسان علاقہ ہے۔ پس اُس قادر ذوالجلال نے اپنی رحمت کاملہ اور حکمت بالغہ سے اِس بے آب و گیاہ علاقہ میں ایک آب حیات کا چشمہ پیدا کیا۔ اور گمراہان صراط مستقیم کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے خضر بھیجا۔ اور نہایت برمحل بھیجا جس نے ہم گناہگاروں کو جو قعر جہالت و ضلالت میں پڑے تھے۔ ساحل مقصود پر پہنچایا۔ اور خوب پہنچایا۔ ؎

نصیب ماست بہشت اے خدا شناس برو	کہ مستحق کرامت گناہگارانند

الحمدللہ۔ اس چشمہ آب حیات سے کسقدر پیاسوں نے اپنی پیاس بجھائی۔ صاحب ہمت وصاحب استعداد منزلیں طے کر کے آئے۔ اور ہندوستان کا کون سا شہر ہے۔ جہاں اس چشمہ کا فیض نہ پہنچا ہو۔ پنجاب دوڑا۔ صوبہ سرحد بھاگا۔ سندھ جاگا۔ الغرض پشاور کلاچی۔ گکھڑ۔ راولپنڈی۔ سیال۔ ابوہر۔ جھجھر۔ گلبرگہ۔ اجمیر شریف۔ کلکتہ۔ اور برما تک لوگ اپنے اپنے جام صراحیاں اور جھجھر بھر بھر کر لے گئے۔ اور سچ تو یہ ہے۔ کہ اس خزینہ رحمت کو جسقدر ہندوستان نے لوٹا۔ اہل وطن کے حصہ میں کم آیا۔ ہاں چشمۂ رحمت بدستور یہاں موجود ہے۔ ؎

مے بھی ہے مینا بھی ہے ساغر بھی ہے	اے ساقی! تیرا میخانہ آباد رہے
سے کھلا ہے آج میخانہ چلو خواجہ سلیمان کا	ہمارے حامئ دیں کا ہمارے نور ایماں کا
نشہ میں چور بیٹھے ہیں یہاں کے ساقی گلرو	کلام اللہ کی صورت ہے نقشہ اس بستاں کا
تمہارے در پہ آئے ہیں تمہارے ہی کہاتے ہیں	پلادو ایک قطرہ اب تو للہ جام عرفاں کا

وجہ تسمیہ تونسہ شریف.... بیان کیا جاتا ہے۔ کہ خراسان کا ایک بادشاہ جس کا نام کسی کو معلوم نہیں۔ ایک دفعہ اس مقام پر گذرا۔ جہاں موجودہ شہر تونسہ آباد ہے۔ وہاں اِس کا ایک مرغ طاؤس مرگیا۔ چونکہ اس بادشاہ کو یہہ طاؤس بہت عزیز تھا۔ اور سفر میں ساتھ رکھنے کی وجہ بھی غیر معمولی الفت و محبت معلوم ہوتی ہے۔ بادشاہ کو بہت افسوس ہوا۔ اور اس کی قبر بنانے کا حکم دیا۔ جو امتداد زمانہ سے ناپید ہوگئی۔ اور گاؤں کا نام طاؤسہ ہوگیا۔ جو بدل کر تونسہ ہوگیا۔

حقیقت میں یہ روایت کچھ قابلِ اعتبار نہیں۔ کیونکہ کسی تاریخ یا گزیٹیر میں اس کا ذکر نہیں۔ مگر زبان زدِ خلائق ہے۔ اس واسطے درج کی گئی۔

حضرت اعلیٰ کی پاک زندگی

اس مختصر کتاب میں کہاں گنجائش ہے۔ کہ شہنشاہ عالیان۔ غوث زمان حضرت خواجہ محمد سلیمان علیہ الرحمۃ والغفران کے حالات و ملفوظات و کمالات قلمبند ہوسکیں۔ محض تبرکاً اختصار کے طور پر چند واقعات تحریر کئے جائینگے۔ حضرت اعلیٰ کے والد بزرگوار کا نام محمد زکریا بن عبدالوہاب ہے۔ قوم جعفر افغان۔ آپ ۱۱۸۴ھ میں اس دارِ ناپائیدار کی زینت بڑھانے اور خلق اللہ کو اخلاقِ محمدی سکھانے کے واسطے عالم ظہور میں آئے آپکا مولد موضع گرگوجی تحصیل بازار موسیٰ خیل ضلع لورالائی ملک بلوچستان ہے۔ جو تونسہ شریف سے جانب اندرون کوہ دو منزل کے فاصلہ پر ہے۔ محمد زکریا خان ایک نیک اور صالح افغان تھے۔ اور اپنی نیک نیتی اور پرہیز گاری سے ابنائے جنس میں خاص عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ مگر کوئی ایسا مالی اقتدار حاصل نہ تھا۔ کہ حضرت اقدس کے تولد ہونیسے پہلے اُن کی ناموری یا شہرت کا باعث ہوتا۔ مگر مبارک اور ہزار مبارک ہے۔ وہ گھرانہ جس میں ایسا غوث الزمان پیدا ہوا۔ والدہ ماجدہ کا اسم گرامی اور نام نامی مائی زلیخا ہے حضرت کا نام بچپن میں مانہ خاں مشہور تھا۔ مگر اصلی نام جو درحقیقت والدین نے تجویز کیا تھا محمد سلیمان تھا۔ چنانچہ اب بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا۔ کہ عہد شباب سے پہلے آپ پیار کی وجہ سے مانہ خان کے نام سے بھی موسوم ہوئے۔ حضرت قبلہ عالم صاحب نے اصلی نام کی تجدید فرمائی۔ چنانچہ اس بارہ میں چراغ تونسوی خواجہ محمد محمود صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے ایک دن زبانِ فیض ترجمان سے فرمایا۔ کہ باپ زکریا۔ برادر یوسف ماں زلیخا۔ بھائی الیاس تو آپ کا نام حقیقی محمد سلیمان ہی ہوگا۔" اور جیسا کہ ضلع ڈیرہ غازی خان میں اصلی نام کے ساتھ ایک عُرف بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح بچپن میں یہ عُرف پیار کی وجہ سے مشہور ہوا۔ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ العزیز نے نیا نام تجویز نہیں فرمایا بلکہ حقیقت سے پردہ اُٹھا دیا۔ گویا وہ مجازی نام تھا۔ حقیقی محمد سلیمان تھا۔

آپ کی پیدائش کے وقت کسی قسم کی خاص خوشی کا اظہار نہ ہوا۔ کیونکہ آپ تین ہمشیرگان کے بعد تولد ہوئے تھے۔ اور یہ وہم باطل افغانی اور میدانی علاقہ میں عوام الناس میں چلا آتا ہے۔ کہ ایسا مولود اچھا نہیں ہوتا۔ مگر آپ تو شریعت محمدی کے علم بردار اور ایسی عقائد باطلہ اور توہمات فاسدہ کو مٹانے کیلئے اس دنیا میں وارد ہوئے تھے۔ پس آپ کی ولادت باسعادت کا پہلا کرشمہ تو یہی سمجھنا چاہیئے۔ کہ اس جاہلانہ خیال اور وہم ناقص کو ایسا ملیامیٹ کر دیا۔ کہ اب اس علاقہ میں شاید ہی کوئی عقل کا دشمن ہو۔ جو پھر اس وہم میں مبتلا ہو۔

حضرت اعلیٰ کی پیدائش کے متعلق دو تین بزرگوں کی پیشین گوئیاں مختلف کتابوں میں دیکھی گئی ہیں۔ کہ آپ ابھی بطن مادر میں تھے۔ کہ ایک درویش گوشہ نشین دور سے آپکی والدہ ماجدہ کے سامنے آکر تعظیم کرتا۔ دریافت پر فرمایا۔ کہ اس مائی صاحب کے بطن سے وہ فرزند ارجمند تولد ہوگا۔ کہ غرب سے تا شرق اس کے نور سے منور ہوگا۔

خدا کی قدرت جیسا اس درویش نے کہا تھا۔ تمام وکمال پورا ہوا۔

اسی طرح سے ایک درویش صفا کیش قوم کا افغان مگر پیشہ حجام کا کرتا تھا۔ بچپن سے آپکی خاطر و مدارات اور کمال تعظیم کرتا۔ کبھی گھر سے اچھا کھانا تیار کرا کے حضور انور کی تلاش میں پھرتا۔ اپنے ہاتھوں سے وہ طعام لذید کھلاتا۔ اور خود ہی آپ کے بال سنوارتا۔ اور حجامت بناتا۔ درحالیکہ خواجہ صاحب بچپن میں اُس سے چنداں التفات نہ کرتے۔ اور بھاگ جاتے مگر وہ حجامت بنانے کیواسطے منت وخوشامد کرتا۔ اور دو تین تین دن اسی مقصد کیواسطے مارا مارا پھرتا۔ ایک دن کسی نے پوچھا۔ کہ بھلے آدمی۔ اس افغان زادہ سے تجھے کیا حاصل ہے۔ اس نے بیان کیا۔ میاں! تجھے کیا خبر۔ کہ یہہ کون ہے یہہ زکریّا کا بیٹا مقبول حق اور برگزیدہ خلائق ہے۔ ایک وقت آئیگا۔ کہ ایک عالم اس کے فیض سے مستفیض ہوگا۔ اور یہہ فخر الاولین والاٰخرین ہوگا۔ اور یہی میرا جنازہ پڑھیگا۔" خدا کی قدرت۔ جیسا اس حجام نیک انجام نے کہا تھا۔ من وعن پورا ہوا۔ حضرت اعلیٰ اپنے پیرو مرشد حضرت قبلہ عالم مہاروی سے رخصت لے کر اپنی والدہ کی قدم بوسی کو وطن آرہے تھے۔ جب کوہ درگ سے گذرے۔ تو ایک پہاڑی کے

نیچے چند آدمیوں کی آواز سنائی دی اُن دنوں پہاڑ کے اندر امن نہ تھا۔ خیال گذرا کہ شاید ڈاکو ہوں۔ آگے چل کر معلوم ہوا۔ کہ اپنی ہی قوم کے آدمی ہیں۔ اور ایک جنازہ رکھا ہے۔ اور اس وقت کوئی جنازہ خواں نہیں ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ وہی حجام نیکنام فوت ہو گیا ہے۔ جو بچپن میں آپ کی حجامت کیا کرتا تھا۔ الغرض آپنے جنازہ پڑھا۔ اور بہت دیر تک اس کے واسطے دعائے مغفرت کرتے رہے۔ القصہ یہ پیشین گوئی بھی حرف بحرف پوری ہوئی۔ شاید حکیم انوری نے یہ قصیدہ بے نقطہ آپ کی شان میں لکھا تھا۔

که کرد کارکرم مرد وار دہ عالم | که کرد اساس مکارم ممهد و محکم
عماد عالم و عادل۔ سوار ساعد ملک | اساس طارم اسلام و سرور عالم
ملک علو و عطارد علوم و مہر عطا | سماک رمح و اسد حملہ و ہلال علم
سر و راہل محامد۔ ہلاک عمر عدو | سر ملوک و دلارام ملک و اصل حکم
کلام او ہمہ سحر حلال در ہمہ حال | مراد او ہمہ اعطائے مال در ہمہ دم

مدرسہ تعلیم القرآن سلیمانی رحؒ

(نیلا گنبد۔ انار کلی لاہور)

حضرت غریب نواز خواجہ محمد سلیمان رح کے اسم گرامی پر حافظ حبیب اللہ مرحوم تونسوی نے ایک یتیم خانہ و مدرسہ عرصہ ۴۰ سال سے جاری کیا ہوا ہے۔ قرآن کریم کی تعلیم نہایت توجہ سے دی جاتی ہے اور غربا و مساکین و یتیموں کی خاص نگرانی کی جاتی ہے۔ حافظ صاحب مرحوم کی وفات کے بعد ان کے لائق فرزند میاں رحمت اللہ صاحب انصاری اس مدرسہ کے مہتمم ہیں۔ حضرت خواجہ صاحب اس مدرسہ کی سرپرستی اور امداد فرمایا کرتے تھے۔ اور نوابان غاکوانی اور دیگر مخلص مریدان ہمیشہ سے اس مدرسہ و یتیم خانہ کی امداد دل و جان سے کرتے رہے ہیں۔ آپ بھی امداد سے دریغ نہ فرماویں۔

(خاکسار مؤلف)

(دوسرا باب)

قلمی کتاب تنویر القلوب فی لطائف المحبوب

یعنی ملفوظات عطا بخش خواجہ اللہ بخش صاحب قدس سرہٗ

یہہ ملفوظ حضرت ثانی کے خاص غلام اور مجاور مولوی احمد خاں بختیار علیہ الرحمۃ کی رشحات قلم کی گلریزی ہے۔ یہہ بزرگ عرصہ دراز تک حضور انور کی خدمت میں رہے۔ اور زہد و اتقا میں وُہ درجہ حاصل کیا۔ جو عاشقانِ رسولؐ کا خاصہ ہے۔ یہہ نایاب نسخہ مجھے حضرت چراغ تونسوی خواجہ محمد محمود صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے توشہ خانہ سے ملا۔ اصل نسخہ فارسی میں ہے۔ میں اُسے اردو زبان کا لباس پہنا کر پیر برادران کی خدمتمیں بطور تحفہ پیش کرتا ہوں۔ یقین ہے۔ کہ ناظرین اس کے مطالعہ سے خاص ذوق حاصل کرینگے۔
وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ۔

ایک دن اس دعاگوے کو نماز عصر کے بعد حضرت ثانی علیہ الرحمۃ کی مجلس میں حاضری کا فخر حاصل ہوا۔ بہت سے درویش اور اہل علم موجود تھے۔ حضرت غریب نواز نے فرمایا۔ کہ حضرت اعلےٰ ایک دن فرماتے تھے۔ کہ حضرت قبلہ عالم خواجہ مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر کیمیا اثر میں وہ تاثیر تھی۔ کہ جس پر ایکدفعہ توجہ ہوئی وہ ہر دو جہان سے آزاد ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ایکدفعہ چودھواں تحصیل کلاچی ضلع ڈیرہ اسماعیل کا باشندہ ساہوکاروں کے قرض سے ازبس لاچار اور خوار ہو گیا۔ یہاں تک کہ اسے وطن چھوڑنا پڑا۔ اور لنگر شریف حضرت قبلہ عالم میں جاکر کاروبار کرنے لگا۔ اور اس قدر محنت و جانفشانی سے خدمات بجالایا۔ کہ حضرت قبلہ عالمؒ اس کی خدمت گذاری اور محنت و مشقت سے ازبس مسرور ہوئے۔ اور جب اس شخص کو معلوم ہوا کہ حضور پرنور اس کے حال پر مہربانی کی نظر رکھتے ہیں۔ تو ایک دن اپنا خستہ حال عرض کیا کہ کس طرح ساہوکاروں کے قرض سے وُہ بھاگ کر آیا ہے۔ اور اب خاص عنایت کا طالب ہوا۔ حضرت قبلہ عالم صاحب نے ارشاد فرمایا۔ کہ تم اپنے وطن جاؤ۔ اور قرض خواہوں سے کہو۔ کہ میں تمہارے واسطے روپیہ لایا ہوں۔ آؤ میرے ساتھ فیصلہ کرو۔ چنانچہ وہ صادق الاعتقاد

احوال ملفوظات خواجہ القدس صاحب

حضرت کے فرمان کے مطابق چودھویں گیا۔ اور بموجب ارشاد مرشد ساہوکاروں سے کہا۔ کہ اپنی ہنڈی اور بہی وغیرہ لاؤ۔ اور میرے ساتھ حساب کا فیصلہ کرو۔ جب ساہوکار اپنی حساب کی کتاب لائے۔ تو وُہ یہہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ کسی جگہ اس آدمی کے ذمہ حساب درج نہ تھا۔ آخر متحیر ہو کر ایک دوسرے کا مُنہ دیکھنے لگے۔ اور پھر کمال منت وخوشامد سے اپنے قرضدار سے پوچھا۔ کہ یہہ کیا معاملہ ہے۔ اس شخص نے تمام کیفیت بیان کر دی۔ ساہوکار اس بات سے بڑے متعجب ہوئے۔ اس پر وُہ شخص کہنے لگا۔ کہ اگرچہ تمہارے پاس کوئی تحریر نہیں ہے۔ لیکن مجھے اس بات سے انکار نہیں۔ کہ میں تمہارا قرضدار ہوں بہتر ہے۔ کہ میرے ساتھ مصالحت کر کے فیصلہ کر لو۔ چنانچہ انہوں نے اپنی رضامندی ظاہر کی اور تھوڑی سی رقم لیکر باہمی مصالحت کر لی۔ اور وُہ قرض سے سبکدوش ہو کر پھر اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور پہلے سے بھی زیادہ لنگر شریف کے کاروبار میں مصروف رہا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کے کسی خیر خواہ نے مشورہ دیا۔ کہ تمہاری طرف حضرت قبلہ عالم کی توجہ زیادہ ہے۔ بہتر ہے۔ کہ آپ سے کوئی سبق بھی پڑھ لیا کریں۔ کیونکہ یہ شخص محض اُمّی تھا پس وُہ شخص قاعدہ بغدادی لے کر حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ کہو۔ الف۔ تو اس نے الف کہا۔ اس حرف کے پڑھنے سے جذبۂ عشق اس پر ایسا طاری ہوا۔ کہ ہر وقت الف الف الف اس کی زبان پر تھا۔ اور جب اُسے ب کا حرف بتایا گیا۔ تو وُہ اسی الف میں مست رہا۔ اور دوسرا حرف زبان سے نہ نکلا۔ چندروز میں اُسکی حالت محض مجذوبوں اور دیوانوں کی ہو گئی۔ ہر وقت زبان سے الف الف جاری تھا۔ اور اس کا نام میاں الفو مشہور ہو گیا۔ اور دنیا ومافیہا کا کوئی ہوش نہ رہا۔ چنانچہ ایکدفعہ ایک کتیا کا بچہ بغل میں لئے پھرتا تھا۔ اور رات کو وہ بچہ لے کر مسجد میں سو رہا۔ لوگوں نے حضرت قبلہ عالمؒ کی خدمت میں یہ کیفیت بیان کی۔ آپ نے فرمایا کہ تم بکری کا بچہ لے کر اس کے حوالہ کر دو۔ اور وہ اس سے دُور کر دو۔ چنانچہ یہ عمل کیا گیا۔ اُس نے کچھ تعارض نہ کیا۔ پھر بکری کا بچہ کھے لئے پھرتا تھا۔"

اس کے بعد حضرت ثانی قدس سرہٗ العزیز نے فرمایا۔ کہ وہ میاں الفو۔ بہاول پور جا نکلا

اُس وقت اس کی حالت ظاہری نہایت ابتر تھی۔ کپڑے پھٹے ہوئے۔ اور حال پریشان۔ ایک مولوی صاحب جو حضرت قبلہ عالم رحؒ کے غلاموں سے تھے۔ اُنہوں نے میاں الفو کو اس حالت زار میں دیکھا اور چونکہ وُہ اُسے عرصہ دراز سے جانتے پہچانتے تھے۔ پس اپنے پاس ٹھیرایا۔ اور چند روز کے بعد کہا۔ کہ آؤ تمہیں عالی جناب معلےٰ القاب نواب صاحب بہاول خاں کے پاس لے چلیں۔ تاکہ وہ محکمہ تصریفات سے تمہاری وجہ معاش کی صُورت بنا دیں۔ اور تم اس طرح خوراک و پوشاک سے بے فکر ہو جاؤ۔ میاں الفو نے انکار کیا۔ اور کچھ ایسے الفاظ کہے جو اِس کتاب میں لکھنے مناسب نہیں۔

دیگر ایک دن پھر دوبار منعقد ہوا۔ دعاگو بھی ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا حضرت کے دیدار فیض آثار سے بہرہ اندوز ہو رہا تھا۔ کہ حضرت ثانی قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا۔ کہ ایک شخص ہندوستانی مسمی خلیل الرحمن نے ایک اعلان شائع کیا ہے۔ کہ حضرت علی احمد صابر صاحبؒ کی بیعت و خلافت حضرت گنجشکر بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ سے ثابت نہیں ہے۔ آپ نے سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔ کہ دنیا میں کیسے کیسے لوگ ہیں۔ جو ایسے باکمال بزرگ کے بارہ میں ایسے کلمات تحریر کرتے ہیں۔ حالانکہ ہنرۃ الاسرار اور اخبار الاخیار دونوں کتابوں میں اس امر کا مفصل حال درج ہے۔ چنانچہ مؤلف ہنرۃ الاسرار تحریر فرماتے ہیں۔ کہ جب حضرت بابا صاحب نے حضرت علی احمد صاحب کو سند خلافت عطا فرمائی۔ تو ارشاد کیا۔ کہ حضرت قطب جمال ہانسویؒ سے بھی اس کی تائید کرا کر مُہر لگوائی جاوے۔ اور پھر دہلی آپ چلے جاویں۔ چنانچہ حضرت علی احمد صاحب صابر رضؓ وہاں سے رخصت ہو کر حضرت قطب جمال رضؓ کی خدمتیں ہانسی میں حاضر ہوئے۔ اور اس سند پر اپنی مُہر لگانے کی استدعا اور درخواست کی۔ حضرت قطب جمال نے اس سند کو پارہ پارہ کر دیا۔ پس یہ کیفیت دیکھ کر صابر صاحب واپس حضرت بابا گنجشکر صاحبؒ کی خدمتیں حاضر ہوئے اور تمام کیفیت بیان کی۔ حضرت بابا صاحب نے فرمایا۔ کہ اچھا کوئی ہرج نہیں۔ تمکو ایک بڑے شہر پیران کلیر کی ولایت دی جائیگی۔ پس انہیں وہاں روانہ فرمایا۔ جب صابر صاحب اس مقام پر پہنچے۔ اور کئی دن استقامت فرمائی۔ تو بعدہ اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کو ساتھ لے کر جامع مسجد میں پہنچے۔ اور ایک خاص مقام پر جو مصلےٰ کسی پیرزادہ کا تھا۔ وہاں متمکن

ہوئے ہر چند انہیں کہا گیا۔ کہ یہ تمہارا مقام نہیں ہے۔ چنانچہ اس بات پر بہت جھگڑا ہوا۔ آخر حضرت صابر صاحبؒ نے فرمایا۔ کہ میں پیر ولایت ہوں۔ وُہ بولے تمہارے پاس کیا ثبوت ہے یہہ ناراض ہوگئے۔ اور بد دُعا کر کے چلے گئے۔ خدا کی قدرت تھوڑے دنوں میں وہ سب مدعی ہلاک ہوگئے۔ اور شہر بھی ویران اور برباد ہوگیا۔

اس پر آپ نے یہہ بھی ارشاد کیا۔ کہ شاہان دہلی نے کئی دفعہ اس بستی کے آباد کرنے کی کوشش کی۔ مگر وُہ ویران ہوگئی۔ پھر ارشاد فرمایا۔ کہ حضرت علی احمد صابر رضی صاحبؒ کی مزار مبارک اگرچہ ایک ویرانہ میں ہے۔ مگر عرس کے موقع پر اسقدر ہجوم خلائق ہوتا ہے۔ کہ جس کا شمار نہیں ہوسکتا اور ہر ایک چیز افراط سے مِلسکتی ہے۔ پھر ارشاد فرمایا۔ کہ مرآۃ الاسرار کے مؤلف تحریر فرماتے ہیں۔ کہ بعض اولیا اللہ میں جلال موسوی و اسرافیلی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت علی احمد صابر میں بھی یہی بات تھی۔ دیگر ایک دن اولیا اللہ کا ذکر ہو رہا تھا۔ آپ نے زبان فیض ترجمان سے ارشاد فرمایا۔ کہ حضرت شیخ عبد الحق رودلوی صاحب توشہ دلانی ولی کامل ہو گذرے ہیں۔ آپ کی عمر ابھی سات سال تھی۔ کہ اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ نماز تہجد کیواسطے اُٹھتے۔ اور باقاعدہ عبادت میں مصروف ہوتے۔ ایک دفعہ بہ تقاضائے محبت اُن کی والدہ ماجدہ نے کہا۔ کہ تم اس عمر میں کیوں تکلیف کرتے ہو۔ درحالیکہ شرعاً تم پر یہ تکلیف روا نہیں۔ آپ کو والدہ ماجدہ کا یہ کلام ناگوار گذرا۔ اور کہنے لگے۔ کہ یہہ والدہ نہ ہوئی۔ کہ مجھے عبادت الٰہی سے منع کرتی ہے۔ پس گھر سے چلے گئے۔ اور اپنے برادر تقی محمدؒ کے پاس پہنچے۔ جو علاء الدین بلخی شاہ دہلی کی سرکار میں نوکر تھا۔ یہاں انکے بھائی نے ایک درس میں داخل کرایا۔ اور مولینا نے انہیں صرف پڑھانا شروع کی۔ جب ضَرَبَ یَضرِبُ پر پہنچے۔ تو پوچھا۔ کہ اس کے معنے کیا ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا۔ ضرب بمعنے زدن آپ نے تعلیم چھوڑ دی۔ اور بولے۔ میں لوگوں کے مارنے کیواسطے پیدا نہیں ہوا۔ چنانچہ وہاں سے حضرت جلال الدین صاحب پانی پتی کی خدمتمیں آئے۔ اور وہاں سے خلافت بھی حاصل کی۔ مگر تسکین خاطر نہ ہوئی۔ آخر کشمیر کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں بھی عقدہ حل نہ ہوا۔ وہاں سے بغداد شریف گئے۔ مگر یہاں بھی در مقصود ہاتھ نہ آیا۔ واپس ہندوستان آئے۔ اور کہنے لگے کہ اہل حیات سے تو کچھ نہ مِلا۔ اب صاحبان قبر سے

التجا کرنی چاہیئے۔ پس ایک قبر بنوائی۔ اور وہاں فیوض باطن حاصل کرنے میں مصروف ہوئے لیکن اس مجاہدہ سے آپ بالکل نحیف، ولاغر ہو گئے۔ مریدوں نے انہیں کپاس میں لپیٹ رکھا تھا۔ اور غذا صرف حلوہ تھی۔ چنانچہ اسوقت سے آپ کا توشہ مشہور چلا آتا ہے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ کہ یہ توشہ کسی بھنگ پینے والا یا چلم پینے والے کو جائز نہیں ہے۔ چنانچہ صاحبزادگان مہاروی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ کہ اگر یہ توشہ کسی نشہ باز کو دیا جاوے۔ تو اسے درد پیدا ہوتا ہے۔ اور مرۃ الاسرار میں ہے۔ کہ حضرت شیخ صاحب کا فرمان ہے۔ کہ میری اجازت کے بغیر یہ توشہ کھانا جائز نہیں۔ پھر فرمایا۔ کہ ہمارے حضرت اعلیٰ خواجہ شاہ سلیمان تونسوی تو یہ توشہ لے لیتے۔ اور لنگر میں تقسیم فرماتے۔ خواہ کسی صورت میں دیا جاوے۔ شاید آپ کو اجازت ملی ہوئی ہو گی۔ پھر فرمایا۔ کہ یہ نکتہ حل نہیں ہوتا۔ کہ شیخ صاحب کو جب بیعت اور خلافت بھی مل چکی۔ تو پھر کیوں پیر کی تلاش کی۔ مولوی خدابخش صاحب نے فرمایا۔ کہ انکی استعداد برتر ین ہو۔ اس واسطے زیادہ کامل استاد کی ضرورت ہوگی۔

اس محل پر معمولی ذکر کے بعد عالم شاہ بولے۔ کہ صاحب مرۃ الاسرار لکھتے ہیں۔ کہ خاندان چشت اہل بہشت میں تین صاحب بزرگوار صاحب استغراق ہیں۔ حضرت خواجہ قطب صاحب حضرت مخدوم صاحب چراغ دہلوی۔ حضرت شیخ عبدالحق صاحب رودلوی رح مولوی خدابخش صاحب نے فرمایا۔ کہ یہ بھی لکھا ہے۔ کہ حضرت قطب صاحب قطب ارشاد۔ اور حضرت شیخ عبدالحق صاحب قطب ابدال تھے۔ حضرت اقدس نے فرمایا۔ کہ ان ہر دو بزرگوں سے بہت سی کشف و کرامات اور خارق عادات ظہور پذیر ہوئیں۔ مگر حضرت خواجہ مخدوم چراغ دہلوی قدس سرہ العزیز سے اس بارہ میں کچھ ظہور نہیں ہوا۔ اور یہ عدم اظہار انکے کمال استقامت پر دال ہے۔ پھر ارشاد فرمایا۔ کہ حضرت شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رقمطراز ہیں۔ کہ خاندان چشتیہ نظامیہ میں حضرت مخدوم چراغ دہلوی کے بعد کوئی صاحب کمال نظر نہیں آیا۔ مگر حافظ محمد جمال صاحب ملتانی جب ہمارے حضرت اعلیٰ خواجہ محمد سلیمان رح کی طرف دیکھتے۔ تو کہتے۔ کاش۔ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی آج زندہ ہوتے۔ تو عرض کرتا۔ کہ آیئے۔ شیخ صاحب دیکھئے اور اپنی تحریر کو ذرا

مٹا دیجئے۔
دیگر ایک دن ارشاد فرمایا۔ کہ کسی کا انجام محض رحمت الہی اور فیض ایزدی پر موقوف ہے۔ چنانچہ مرزا فخرالدین خان دہلوی اوائل میں کسی عہدہ سرکاری تھانہ داری یا تحصیلداری پر تعینات تھا مگر بہت جور و تعدی کرتا۔ اور لوگ اس سے سخت نالاں تھے۔ مگر انجام اسکا بخیر ہوا۔ آپنے یہ شعر بھی فرمایا

ے عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد	اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

مؤلف ان اوراق (مولینا احمد خان صاحب بختیار) کے اس مقام پر لکھتے ہیں۔ انجام بخیر کا مطلب یہ تھا۔ کہ مرزا فخرالدین اپنے افعال سے آخر عمر میں تائب ہوئے۔ اور سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ سلیمانیہ میں داخل ہوئے اور تائب ہونے کے بعد حج بیت اللہ شریف اور زیارت روضہ رسول مقبول صلعم سے مشرف اور فیضیاب ہوئے۔ انتہی کلامہٗ۔ بعدہٗ حضرت اقدس نے فرمایا۔ کہ ہم نے محمد حسین کو دہلی میں تار دیا تھا۔ کہ فخرالدین کا حال بذریعہ تار لکھے۔ جواب تار کا نہ آیا۔ مگر ایک چٹھی پہنچی۔ جو مرزا فخرالدین کی تھی۔ درج تھا۔ کہ لوگوں نے پیری۔ مریدی کو بہت آسان سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ پل صراط سے گذرنا آسان۔ مگر مریدی مشکل۔ آپ نے فرمایا۔ واقعی سچ ہے۔ مرید کو چاہئے۔ کہ وہ اپنے آپ کو پیر کے حوالہ کر دے۔ جیسے کالمیت فی ید الغسال۔ یعنے مُردہ جیسے غسل کرانے والا کے ہاتھ ہوتا ہے۔ اسپر میرا نام ایک غلام حضرت اعلےٰ کا ذکر فرمایا۔ کہ آپنے اُسے ایک دن فرمایا تھا۔ کہ تو بہشتی ہے۔ وہ بہت خوش ہوتا تھا۔ بعدہ آپ نے ایک اور آدمی کا ذکر فرمایا۔ کہ حضرت صاحب حاجی پور والے کا ایک غلام تھا۔ آپنے اُسے ایک رات کہا۔ کہ تمہیں فلاں مقام پر صبح جانا ہے۔ وہ مستعد آدمی علی الصباح اس مقام کو روانہ ہوگیا۔ اور یہ نہ دریافت کیا۔ کہ کام کون سا ہے اور کس لئے فرمان تھا۔ جب واپس آیا۔ تو عرض کیا۔ کہ میں فلاں مقام سے ہو آیا ہوں۔ پیر صاحب بولے۔ کہ بھلے آدمی۔ خالی وہاں کا چکر لگایا۔ اور تکلیف اُٹھائی۔ مگر یہ استفسار نہ کیا۔ کہ کام کون سا ہے؟۔ مرید نے عرض کیا۔ قبلہ! آپ نے تو اتنا فرمایا تھا۔ کہ تمہیں فلاں مقام پر جانا ہے مگر اسوقت کام تو کوئی نہ فرمایا تھا" اگر کوئی کام ہے۔ تو اب حاضر ہوں۔ ابھی جاتا ہوں۔ مولینا بختیار لکھتے ہیں۔ کہ مرید کو لازم ہے۔ کہ اپنے تمام کاروبار اپنے پیر کے سپرد کر دے۔ اور خود کسی قسم کا دخل نہ دے۔ بالکل یہی کیفیت ہو۔

کالمیّت فی یدِ الغسّال۔ اس وقت وہ پورا فیض حاصل کر سکتا ہے۔

احداثِ چاہ دورٹہ

ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ کہ علاقہ سنگھڑ میں پینے کا پانی بڑی مشکل سے ملتا ہے۔ اسواسطے اس علاقہ میں کسی چاہ کا احداث کرنا ایک بڑی خیرات ہے۔ یہ صدقہ جاریہ اور دائمی فیض ہے۔ حضرت اقدس نے رفاہ عام کے واسطے یوں تو کئی چاہ احداث کرائے۔ جن سے اہالیان تونسہ مقدسہ کو بڑا آرام ہو گیا۔ کیونکہ ضروریات زندگی میں پانی جزو اعظم ہے۔ اور اس کے بغیر کہاں گذارا ہو سکتا ہے لیکن جس چاہ کی احداثی کا اسوقت ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ صبح ہو یا شام دوپہر ہو یا آدھی رات۔ ہر وقت اس چاہ پر ایک ہجوم رہتا ہے۔ اور بڑی خوبی یہ ہے۔ کہ یہ چاہ دہ در دہ ہے۔ یعنی حنفیہ کے نزدیک اس کو نجاست کا خطرہ نہیں۔ حضرت ثانی علیہ الرحمۃ جن کی تمام زندگی خیر خواہی عوام کے واسطے وقف ہوئی۔ اور ہمیشہ بہبودی خلائق و فیضرسانی عالم پر متوجہ رہے۔ عرصہ سے یہ خیال رکھتے تھے۔ کہ ایک عظیم الشان چاہ تیار کرایا جاوے۔ حضور انور نے رود سنگھڑ کی طغیانی کو روکنے کیلئے کئی سدات تیار کرائیں۔ اور بہت روپیہ اس کار خیر میں خرچ کیا۔ اور دیگر تعمیرات میں بھی یہ رمز مخفی تھی۔ کہ عوام الناس کو کسب حلال سے روزی کمانے کا شوق ہو۔ مگر یہ کنواں تو محض لوگوں کی آرام و آسائش کے واسطے تیار کرایا گیا۔ اسوقت میں اسکی بنیاد رکھنے کا ذکر مولینا مولوی احمد خاں بختیار کے الفاظ میں لکھتا ہوں۔ وہو ہذا۔

ایک دن حضور انور حسب معمول خانقاہ مبارک کے سامنے بعد نماز عصر رونق افروز تھے۔ آپ نے مولوی خدا بخش صاحب سے فرمایا۔ کہ کل کون سا دن ہے۔ ہمارا خیال ہے۔ کہ کل چاہ کی ابتدا کی جاوے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ کل یوم خمیس ہے۔ اور بکرۃ الخمیس برکتہ۔ حضرت اقدس نے فرمایا۔ کہ کل سترہ ربیع الاوّل ہے۔ اور یہ تاریخ بھی مبارک اور بابرکت ہے۔ پس کل ہی چاہ کی احداثی شروع کی جاوے۔ پھر ارشاد فرمایا۔ کہ مولوی صاحب! کہ بکرہ خمیس سے کون سی ساعت مراد ہے۔ مولوی صاحب نے عرض کیا۔ کہ صبح صادق کے بعد پہلا پہر۔ اس کے بعد گفتگو اس بارہ میں شروع ہوئی۔ کہ دن کون سا مبارک ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ انا عند ظن عبدی۔ تمام ایام مبارک ہیں۔ گو خداوند کریم نے جمعہ کو خاص فضیلت عطا کی ہے۔ اس موقعہ پر یہ تذکرہ بھی ہوا

کہ بعض لوگ چہارشنبہ کو اچھا سمجھتے ہیں۔ اور ہمارے حضرت صاحب اس دن سفر کرنا پسند نہ کرتے تھے۔
ہم بھی ان کی پیروی کرتے ہیں۔ در اصل یہ محض عقیدہ اور ظن ہے۔ چنانچہ آپ نے حضرت مولوی
خدابخش صاحب ملتانی ثم خیرپوری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر فرمایا۔ کہ آپ بڑے نیک اور پرہیزگار تھے
ایک دفعہ ان کا ایک مرید حاضر ہوا۔ اور عرض کیا۔ کہ کل میرے فلاں عزیز کی شادی ہے
آپ ضرور قدم رنجہ فرماویں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ آج بدھ کا دن ہے۔ اگر ایک دن پہلے
کہتے تو میں ضرور جاتا۔ مگر اس مرید باخلاص نے بہت اصرار کیا۔ آپ نے اس کی دل شکنی گوارا
نہ کی۔ مگر یہ فرماتے رہے۔ کہ میں چہارشنبہ کے دن سفر نہیں کیا کرتا۔ الغرض آپ گھوڑی پر
سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ چار یا پنج کوس کا فاصلہ تھا۔ کیا دیکھتے ہیں۔ کہ ایک مست اونٹ
بھاگا آتا ہے۔ مولینا صاحب نے گھوڑی کو تیز کیا۔ اور مرید سے بولے۔ دیکھو وہ چہارشنبہ (بدھو)
ہمارے تعاقب میں آرہا ہے۔ مرید نے عرض کیا۔ قبلہ! یہ شتر ہے۔ بدھو نہیں عجیب بات
ہوئی۔ کہ اونٹ نے آکر گھوڑی پر حملہ کیا۔ اور آپ گھوڑی سے گر پڑے۔ اور چوٹ آئی"۔ اسی
طرح آپ نے ایک اور حکایت اسی بارہ میں بیان کی۔ کہ ایک دفعہ اس شہر میں عارضہ جدری کا
بچوں میں نمودار ہوا۔ اور ایک شاہ صاحب سید یوسف شاہ ساکن لنترطہ اس عارضہ کا علاج
سوئی لگانے سے کرتے تھے۔ ہم نے مناسب سمجھا۔ کہ شاہ صاحب کو بلایا جاوے۔ تاکہ میرے دو
لڑکوں کو ٹیکا کرایا جاوے۔ اگرچہ میاں نصیر تونسہ مقدسہ میں اس مرض کا علاج کرتا تھا
مگر ہم نے تبرکاً شاہ صاحب کا بلانا مناسب سمجھا۔ پس عثمان نام ایک آدمی کو بھیجا۔ کہ اتوار
کے دن شاہ صاحب کو لے آئے۔ جب میاں عثمان ان کے پاس پہنچا۔ تو وہ بولے۔ کہ میں
اتوار کے دن کبھی نہیں جاتا مگر میاں عثمان بلائے جان ہو کر چمٹ گئے۔ اور بولے۔ کہ آج
اتوار کو لے جانے کا حکم ہے۔ چنانچہ وہ شاہ صاحب آئے۔ خدا کی قدرت۔ پہلے میرے
دو لڑکوں کو اُس نے سوئی لگائی۔ اور پھر شہر کے بہت سے بچے اس کے زیر علاج رہے
شاہ جی بولے۔ کہ اب میں سات آٹھ یوم یہاں رہونگا۔ تاکہ اس علاج کا نتیجہ معلوم کیا جاوے
مگر تقدیر الٰہی سے سب لڑکے فوت ہو گئے۔ صرف دو بچے بچ رہے۔ اور علاج کنندہ کو تپ محرقہ نے
آدبایا۔ مگر زندگی کے دن باقی تھے۔ کہ اس موذی بخار سے نجات پائی"

خلاصہ مقصود ان حکایات سے یہ ہے۔ کہ کوئی دِن بھی نحس نہیں۔ بلکہ یہ محض عقیدہ اور ظن پر موقوف ہے۔ اگر کسی شخص کے دل میں یہ خیال شگن ہو۔ کہ یوم شنبہ نحس ہے۔ تو ضرور اس کے عقیدہ کے مطابق اُسے نقصان پہنچیگا۔ ورنہ جو کام مقدر میں ہوتا ہے۔ وُہی ہوتا ہے۔ نہ اس میں دن کا کوئی دخل ہے نہ وقت کا۔"

الغرض دوسرے دِن کہ یوم خمیس اور تاریخ ۱۷ ربیع الاوّل تھی۔ حضرت ثانی علیہ الرحمۃ صبح کی نماز کے واسطے معمول سے پہلے تشریف لائے۔ اور بعد ادائے نماز صبح کہ امامت اس احقر نے کی تھی۔ آپ نے حکم دیا۔ کہ کل درویش اور احقر آستانہ مبارک میں آئیں۔ اور دُعا طلب کریں۔ کہ اس چاہ کا کاروبار آسانی اور خیر خوبی سے انجام کو پہنچے۔ آب شیریں حاصل ہو اور لوگ اس سے مستفید ہوں۔ چنانچہ دیر تک دُعا طلب فرمائی۔ پھر تمام درویش اور فقرا اور علما حضور کے ہم رکاب آئے صاحبزادہ حافظ محمد موسیٰ صاحب بھی ساتھ تھے۔ مسجد کے صحن سے مشرقی جانب اس مقام پر پہنچے۔ جہاں چاہ کھودنے کی تجویز تھی۔ آپ نے اس عاصی پُرمعاصی کو ارشاد فرمایا۔ کہ یہ بیلچہ لے کر پہلے آپ بسم اللہ کریں۔ میں نے عرض کیا۔ کہ غلام تراب الاقدام اس لائق نہیں۔ جب حضور انور خود رونق بخش ہیں۔ دوسرے کو کیا طاقت؟ آپ نے فرمایا۔ کہ کچھ فکر نہ کرو۔ اور رو بقبلہ ہو کر بیلچہ سے مٹی کھودو۔ جب آپ نے دوبارہ ارشاد فرمایا۔ الامر فوق الادب کا خیال کیا اس عاصی پُرمعاصی نے سب سے پہلے بیلچہ ہاتھ میں لیا۔ اور فرمان ذی شان کے مطابق عمل کیا۔ اور بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یا پیر مدد کن۔ اور ۳ دفعہ بیلچہ سے مٹی نکالی۔ پھر آپ نے مولوی خدا بخش صاحب سے ارشاد فرمایا۔ پھر ان کے مٹی نکالنے کے بعد مولوی غلام محی الدّین صاحب کاسڈی اور پھر عالم شاہ صاحب سے بھی ارشاد ہوا۔ اور آپ فرماتے تھے۔ کہ مٹی دائرہ سے باہر ڈالی جاوے پھر درویشوں نے مٹی نکالی۔ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لَنَا بِالْخَيْرِ وَاخْتِمْ لَنَا بِالْخَيْرِ وَاجْعَلْ عَوَاقِبَ اُمُوْرِنَا بِالْخَيْرِ وَانْفَعْهُ لَنَا بِالْخَيْرِ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ۝

چاہ کی احداث کی تاریخ یوم خمیس ۱۷ ربیع الاوّل ۱۳۰۵ھ ہے۔

دیگر ایک دِن بعد نماز عصر دربار دُربار میں حاضری کا فخر حاصل ہوا۔ آپ نے مولوی خدا بخش صاحب

امداد فیض الہ بخش ...

سے پوچھا۔ کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ابر ہمیشہ سایہ کرتا تھا۔ یا گاہے گاہے۔ مولوی صاحب نے عرض کیا غریب نواز! مجھے اس بارہ میں پختہ معلوم نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا۔ کہ مولوی داد الٰہ بخش صاحب ایک دفعہ ذکر کرتے تھے۔ کہ خانقاہ حضرت قبلہ عالم صاحب پر حضرت اعلیٰ کی مجلس میں یہ تذکرہ ہوا۔ تو آپ نے فرمایا تھا۔ کہ گاہے گاہے ابر آپ پر سایہ فگن ہوتا تھا۔ پھر یہ حکایت فرمائی۔ کہ آپ مہار شریف رونق افروز تھے۔ کہ لوگوں نے استغاثہ کیا۔ کہ امساکِ باران سے لوگ از حد پریشان ہیں۔ اموال مویشی تباہ ہو رہے ہیں۔ دعا فرمایئے کہ خداوند کریم بارانِ رحمت عطا کرے۔ حضرت اعلیٰ قدس سرہ نے مذاق کے طور پر میری طرف (مولوی داد الٰہ بخش) منہ کر کے فرمایا۔ کہ اس مولوی ہندوستانی کو پکڑ کر دھوپ میں بٹھا دو۔ تو ضرور بارش ہوگی۔ مولوی داد الٰہ بخش نے کہا۔ کہ اس گروہ میں ایک صاحب ایسے ہیں کہ وُہ سایہ سے اُٹھ کر ذرا دھوپ میں چلے جاویں۔ تو اگر بارش نہ ہو۔ تو میری .... مونڈ لو۔ حضرت اعلیٰ سمجھ گئے۔ کہ یہ اشارہ آپ کی طرف ہے اس پر آپ نے فرمایا۔ کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کا لفظ ہے۔ باوجودیکہ آپ کی ذات پاک اشرف المخلوقات ہے۔ مگر عَبْد کا لفظ رسول کے لفظ پر مقدم ہے۔ اور آپ نے رسالت کے باوجود پہلے عبودیت کا اظہار فرمایا۔ دوسرے کسی کو کیا طاقت۔ کہ عبُودیت سے ذرا قدم باہر رکھے۔ یعنی میں بھی تمہاری طرح ایک عاجز بندہ ہوں۔

مولوی صاحِب نے عرض کیا۔ کہ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی انسان ہی تھے۔ اور ایسے انسان کہ جب آپ چلتے۔ تو ابر آپ کے اوپر سایہ کرتا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ ہاں گاہے گاہے آپ پر ابر سایہ فگن ہوتا۔ مولوی صاحِب کا بیان۔ کہ میں اس بارہ میں ذرا متردّد سا ہوا۔ کیونکہ میرا قیاس تھا۔ کہ ہمیشہ ابر آپ پر سایہ کرتا تھا۔ الغرض جب مجلس برخاست ہوئی۔ تو میں چشتیاں شریف جس مسجد میں اترا ہوا تھا۔ آیا۔ اور سو رہا۔ جب جاگا۔ تو دیکھا۔ کہ اس قدر بارش ہوئی۔ کہ خانقاہ مبارک تک چلنا دشوار ہے۔ اور تمام پانی ہی پانی ہے۔ آخر ظہر کے وقت حضرت اعلیٰ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے دیکھتے ہی فرمایا۔ کہ مولوی صاحِب خوب بارش ہوئی ہے۔ میں نے عرض کیا۔ ہاں قبلہ بڑی بارش ہوئی ہے۔"

اس حکایت کے بعد حضرت ثانی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ کہ عالم شاہ صاحب بھی آج کہتے تھے۔ کہ بخاری شریف کی حدیث سے ایسا منکشف ہوتا ہے۔ کہ ابر کا سایہ علی الدوام ذاتِ اقدس پر نہ ہوتا تھا۔

اس کے بعد آپ نے استفسار فرمایا۔ کہ حضرت رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ ہمیشہ نہ ہوتا تھا یا کسی طرح
مولوی خدا بخش صاحب نے عرض کیا۔ کہ قبلہ! اِس بارہ میں بھی مجھے تحقیق نہیں ہے۔ حضرت
اقدس نے فرمایا۔ کہ ایسا معلوم ہوتا۔ کہ آپ کا سایہ کبھی ہوتا تھا۔ اور کبھی نہ ہوتا تھا۔ غالبًا جب
کمال اتحاد ذات باری تعالےٰ سے ہوتا۔ تو اُس وقت شاید نہ ہوتا ہوگا۔ جیسا بھلے شاہ فرماتے ہیں۔
؎ احد احمد وچ فرق نہ کوئی ذرہ اک پیچ مروڑیدا۔ خواجہ حافظ فرماتے ہیں۔ ؎

آفتاب از روئے تو شد در حجاب	سایہ را باشد حجاب از آفتاب

مولینا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

چتر فرازندۂ فرقت سحاب	سایہ نشین چتر ترا آفتاب
سایہ ندیدت بزمین ہیچکس	نور بود سایہ خورشید و بس

سُئِل عن انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما ما الحکمۃ فی عدم وقوع ظل النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم علے الارض قال لان الشمس نورہٗ خُلق من نورہٖ علیہ السلام ونورہٗ اضوءُ من نور النہار ونور الشمس والقمر لا یظل بہ۔ کذا فی فتاویٰ الظہیری۔

امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب مطلع الانوار میں فرمایا ہے۔

سایۂ خویش آنکہ نکردیش نشر	داشتیش از پئے خورشید حشر
تاچو بسوزیم در آں آفتاب	خود فگنی سایہ بر اہل عذاب

سایہ نہ ہونے سے یہ سمجھیں غلام	حشر کے دن سایہ وہ آئیگا کام

شارح دلائل الخیرات نے اِس عبارت کی شرح (اللہم صل علی من کان تظلہ الغمامت) میں بھی ایسا تحریر فرماتے ہیں۔ کہ نبوت سے پہلے ابر آنحضرت صلعم کے اوپر سایہ کرتا تھا۔ اور یہ معجزہ تھا۔ اور نبوت کے بعد تحقیق نہیں ہے۔ ہاں یہ ثابت ہے۔ کہ حالت سفر میں سایہ دیکھا جاتا تھا۔ اور آپ کا یہ معجزہ بھی تھا۔ کہ جسطرح اپنے آگے دیکھ سکتے تھے۔ پیچھے بھی اسی طرح نظر آتا تھا (اللہم صل علی من کان یریٰ من خلفہ کما یریٰ من امامہ۔ وجہ یہ ہے۔ کہ آپ محض نور تھے۔ پس پشت بھی اسی طرح دیکھ سکتے تھے۔ جیسے کہ اپنے آگے۔

دیگر۔۔۔ ایک دن مجلس عالیہ میں آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ گل محمد خان تنگوانی کی چٹھی آئی ہے۔ کہ یہ مسئلہ لکھا جاوے۔ کہ میں کچھ عرصہ انگشتری طلا اور پوستین سے جس کا اوپر کپڑا ریشمی تھا نماز پڑھتا رہا ہوں۔ آیا نماز جائز ہے یا قضا کروں۔ مولوی صاحب نے فرمایا نماز جائز ہے مگر با کراہت۔ اگر احتیاطاً اعادہ کرے۔ اور قضا پڑھے۔ تو بہتر ہے۔ کیونکہ ان دو نو کا پہننا مرد کو مناسب نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ۔ اُسے لازم ہے۔ کہ آئندہ استعمال نہ کرے۔ نماز قضا نہ کرے۔ اسکے بعد آپ نے ذکر فرمایا۔ کہ مولوی احمد صاحب جمعہ کی نماز پڑھاتا تھا۔ تو زرین کنارہ والا پاجامہ ہوتا تھا۔ اور میں خیال کرتا ہوں۔ کہ حضرت اعلےٰ کے روبرو ایسا کپڑا پہن کر امامت کرنا بے ادبی ہے۔ مگر حضرت اعلےٰ منع نہ فرماتے تھے۔ اسی طرح آپ نے فرمایا۔ کہ مولوی نور محمد صاحب کو اگرچہ سوداؔ کا عارضہ ہو گیا تھا مگر حضرت اعلےٰ اُسی کو امامت کیواسطے پسند فرماتے۔ اگرچہ لوگ شکایت کرتے مگر حضرت اعلےٰ توجہ نہ فرماتے۔ اور مولوی نور محمد کی عدم موجودگی میں اس کا انتظار فرماتے۔ ہاں اگر وہ کوئی عذر کرتے۔ تو البتہ دوسرے کو امامت کے واسطے فرماتے۔ اسی طرح مولوی علی محمد کو بواسیر کا عارضہ تھا۔ مگر حضرت اعلےٰ اسی کی امامت پسند فرماتے۔" دراصل بات یہ ہے۔ بقول علی حیدر [illegible]

اودھر بہت لوڑ پیار دے جی	نہیں حاجت درہم دینار دے جی

یعنی حضرت اقدس رح کو اس بات سے کیا غرض۔ کہ کوئی کیسا کپڑا پہنے ہوئے ہے۔ انہیں عبادت میں وہ مصروفیت اور وہ استغراق تھا۔ کہ ان باتوں پر کبھی توجہ نہ فرمائی۔ [illegible]

شیر سر افگندہ خدا اند براہ	کار سگانست بہر سو نگاہ

پھر آپ نے فرمایا۔ کہ حضرت اعلےٰ کے ادنیٰ ادنیٰ غلام اسقدر متقی اور خدا پرست تھے۔ کہ دنیا جہان کی انہیں خبر ہی نہ تھی۔ مثال کے طور پر حافظ امام بخش نام ایک درویش تھے۔ مکھڈی [illegible] کے پاس ایک جگہ رہتے تھے۔ اپنا پانی آپ بھرتے۔ بلکہ اپنی کوٹھری بھی خود اپنے ہاتھوں سے تعمیر کی تھی۔ انہی دنوں چاہ جمعدار احمد خان والا نیا اُحداث ہوا۔ اس چاہ کا پانی بہ نسبت دیگر چاہات کے شیریں تھا۔ اس شہر کی اکثر عورتیں وہاں سے پانی لایا کرتیں۔ اور حافظ امام بخش کی جھونپڑی بھی عین راہ پر تھی۔ ایک دن کسی شخص نے حافظ سے کہا کہ اس شہر کی عورتیں

گھگھرہ استعمال کرتی ہیں۔ وہ بولا میں نے آجتک یہاں کی عورتوں کا لباس مشاہدہ نہیں کیا۔ اس شخص نے کہا۔ کہ حافظ جی! کیوں جھوٹ بولتے ہو۔ بیسیوں عورتیں تمہارے مکان کی گلی سے گذرتی ہیں۔ اور تمہیں اتنی بھی خبر نہیں۔ کہ وہ پاجامہ پہنتی ہیں یا گھگھرہ حقیقت یہ ہے۔ کہ حضرت کے غلام اس درجہ اپنی عبادت اور ورد وظائف میں مصروف رہتے تھے۔ کہ انہیں دنیا و مافیہا کی خبر نہ تھی۔ اس حکایت کے بعد آپ نماز مغرب کیواسطے تشریف لے گئے۔ اور ہر دو مولوی صاحبان (مولوی نور محمد صاحب امام۔ مولوی علی محمد صاحب امام کا ذکر دوبارہ فرمایا۔ اور آبدیدہ ہوئے۔ کہ حضرت اعلیٰ رح کی وفا کا کیا ذکر کیا جاوے۔ جس کا دامن پکڑا۔ اُسے پھر نہ چھوڑا۔ شاید اپنے مرشد حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ سے یہی وصیت ہوگی۔ کہ ہر کس کہ دست نہادی۔ بازش آزرا مگذار۔

دیگر۔ ایکدفعہ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا ذکر ہونے لگا۔ کہ شیخ سعدی صاحب نے اپنا تخلص سعدی کس واسطے تجویز کیا۔ مولوی خدابخش صاحب نے فرمایا۔ کہ سعد بن زنگی بادشاہ سے نسبت ہے آپ نے فرمایا۔ کہ کیا سعدی صاحب سعد کی تعریف و قصیدے لکھنے سے سعدی ہوئے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ اسی طرح مذکور ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ سعدی کو سعد سے کیا تعلق اور انکی تعریف و توصیف سے کیا واسطہ؟ مطلب یہ ہے کہ ایک متقی اور کامل شخص کو شاہان وقت کی تعریف سے کیا مقصد۔ مولوی صاحب نے فرمایا۔ کہ آپ نے یہ تعریف و توصیف استتار کے طور پر کی ہوگی اور یہ مقام بلند ہے۔ کہ انسان اپنا درجہ مخفی رکھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ درست ہوگا مگر اولیاء کرام کی ذات سفید کپڑے کی مثال ہے۔ کہ ذرا سی بھی داغ لگ جاوے۔ تو وہ عیب دار ہے خلاصہ یہ ہے۔ کہ سعدی کی تعریف و توصیف مقصود بالذات نہ ہوگی۔ وہ ایک باکمال شخص تھا اُسے کیا پڑی۔ کہ دنیاداروں کی تعریف کرتا پھرے۔ مولوی صاحب نے اس دعوی کی تائید میں کہ وہ ظاہراً تعریف سعد میں اور باطناً حمد ایزدی میں مصروف ہونگے۔ حضرت صدیق اکبر رض کا واقعہ بیان فرمایا۔ کہ آپ نماز میں تدبیر انتظام لشکر فرماتے۔ درحالیکہ توجہ الی الحق ہوتی۔ اور یہ کمال شخصیت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایسا تو ہم بھی کرتے ہیں۔ پھر اعراض فرمایا۔ اور کسر نفسی کے طور پر ارشاد فرمایا۔ کہ ہم تو قولی و فعلی ارکان ادا کرتے ہیں۔ اور اولیائے کرام اسے بطریق حقیقت۔

یعنی ہماری تو ظاہری نماز ہے۔ اور اولیائے کبار کی باطنی۔ اور اولیائے کرام محفوظ ہیں۔ کیونکہ انکا حافظ حال خود ذوالجلال ہے۔ اور شیطانی وساوس اور خطرات سے وہ بچے ہوئے ہیں برخلاف اس کے ہم دوا اور خطرہ سے اپنی توجہ درہم برہم کر دیتے ہیں۔ اولیائے کرام تین چیزوں کیلئے مامور ہیں۔ ظاہری انتظام۔ ادائے نماز اور حضور باطنی کیلئے۔ اور ہم لوگ فقط ادائے صلوۃ پر مامور ہوتے ہیں۔ پس اولیائے کرام کو حقتعالی نے اس ہماری ذمہ واری کی وجہ سے استعداد بھی زیادہ عطا فرمائی ہے۔ اور خود انکا حافظ بھی ہے۔ وجہ یہ کہ انکا بار گراں ہے۔ کیونکہ وہ انتظام ظاہری و باطنی پر مامور ہیں"۔ اس موقعہ پر اس نیاز مند نے گذارش کی۔ کہ کتاب رشحات میں حضرت بہاؤالدین صاحب نقشبندؒ ارقام فرماتے ہیں۔ کہ مکہ معظمہ میں بمقام منا میں ایک شخص کو دیکھا کہ پچاس ہزار دینار کے قریب خرید و فروخت بھی کرتا۔ اور ایک لحظہ یاد خدا سے غافل نہ ہوتا۔ بلکہ۔ "دست بکار دل بیار" ہنہ کار دو دل یار دو۔ والا مضمون تھا۔

اس موقع پر آپ نے حضرت اعلیٰ علیہ الرحمۃ کا عین حضرت قبلہ عالمؒ کی رحلت فرمائیکے وقت انکی خدمت میں پہنچنے کا قصہ بیان فرمایا۔ کہ حضرت اعلیٰ فرماتے تھے۔ کہ جب میں گھر سے روانہ ہوا۔ اسوقت میرے پاؤں میں نیا جوتا تھا۔ راستہ میں میرے دونو پاؤں اس سے زخمی ہو گئے۔ اور جو قدم چلتا تھا۔ خون پاؤں سے نکلتا تھا۔ یہاں تک کہ پاؤں کے ناخن جدا ہو گئے اور مجھے کوئی خبر نہ ہوئی۔ اور یہ سب کچھ محبّت اور جذبہ کا اثر تھا۔ پھر یہ حکایت فرمائی۔ کہ میں نے حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ سے کئی دفعہ یہ حکایت سُنی ہے۔ ایک بادشاہ اسلام نے ایک شہر کفار کا فتح کیا تھا۔ جب فوج مندر میں داخل ہوئی۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ چند برہمن ایک مورتی کے سامنے مراقبہ میں بیٹھے ہیں۔ جب سپاہیوں نے ان پر تلوار چلائی۔ تو ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ یہ بات کسی بزرگ نے سُنی۔ تو وہ کہنے لگا۔ کہ مورتی اور انکے درمیان کوئی حجاب کھدو۔ جب حجاب حائل ہوا۔ تو وہ برہمن جو پتھر بنے ہوئے تھے۔ بولنے چالنے لگے۔

دیگر..... ایکدن آپ نے فرمایا۔ کہ میاں صاحب حاجی پور والے (حضرت نور محمد صاحب) جو حضرت قبلہ عالمؒ کے خلفا میں سے تھے۔ جب اپنے پیر و مرشد کے وصال سے تین سال پہلے انتقال کر گئے۔ تو حضرت قبلہ عالمؒ بتقاضائے طبع گریا نہ افسوس کرنے لگے

کسی نے اُسوقت کہا۔ کہ مولینا صاحب مرحوم بڑے کامل انسان تھے۔ حضرت قبلہ عالم خاموش رہے۔ پھر اس شخص نے مکرر سہ کرر ان الفاظ کو دُہرایا۔ تو حضرت اقدس نے فرمایا۔ کہ میں نے تو انسان کامل ایک اپنے مرشد حضرت مولینا فخر صاحب کو دیکھا ہے۔ اور بس۔ ہاں میاں نصاحب نیک آدمی تھے۔ دیگر ایک دن صاحبزادہ میاں حامد صاحب کی تعلیم کے متعلق آپ نے مولوی خدا بخش سے استفسار فرمایا کہ گلستان میں کیا پڑھتا ہے۔ پھر عشق کا ذکر چلا۔ کہ اصل ہر شئی محبت و عشق ہے۔ تمام امور خواہ عبادت یا ریاضت خواہ تقویٰ وطہارت کے متعلق ہوں۔ وہ محبت سے ہی وابستہ ہیں۔ اگر عشق نہیں۔ تو کچھ بھی نہیں۔ پھر اہل تصنیف کے متعلق ارشاد فرمایا۔ کہ ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ مذاق ہے۔ شیخ سعدی کا مذاق وعظ ونصیحت کی طرف مولینا روم قدس سرہ کا عشق کی طرف اور مولینا جامی کا وحدت وجود کے مسئلہ کی طرف۔ کوئی حکایت ہو۔ آخر اپنے مدعا اور مقصود کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

دیگر۔ ایک دن ادب کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ بنیاد ہر چیز کی محبت وعشق ہی جسقدر محبت زیادہ ہوگی۔ اسی قدر ادب زیادہ ہوگا۔ دیگر۔۔۔ ایکدن ارشاد فرمایا۔ کہ حیدر آباد دکن سے مسمی سردار بیگ جو شاہ صاحب کے خلیفہ ہیں۔ یہاں آئے۔ اور انہیں حقیقی وجد طاری ہوا۔ پہلے ہوش میں تھے۔ اور ہاتھوں کے اشارے حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ کی مزار کیطرف کرتے رہے۔ پھر مناسب موقع پر پُر لطف کلام پر کیف میں آئے۔ اور سماع اور وجد کی لذت اور کیفیت بھی اسوقت معلوم ہوتی ہے۔ کہ صوفی سخن فہم بھی ہو۔ اسکے بعد آپنے صاحب موصوف کی تعریف فرمائی۔ کہ انسان تارک اور بااوقات ہے۔ مگر ہاں یہ نقص ضرور ہے کہ کسی بیگم کے ہمراہ آیا ہے قرب زن ایسا ہے۔ جیسے روئی اور آگ قریب ہوں۔ خواہ کتنی احتیاط کی جائے۔ ممکن نہیں کہ اثر نہ ہو۔ ؎ اگر نیک بودے سرانجام زن * زناں رامزن نام بودے نہ زن

دیگر۔ جب کئی دن کے قیام کے بعد سردار بیگ موصوف اجازت طلب کرنے لگے۔ تو آپنے فرمایا کہ کل تیاری ہے؟ انہوں نے عرض کیا۔ کہ ہاں غریب نواز! آپنے فرمایا کہ دل تو چاہتا تھا۔ کہ چند روز اور ٹھیرتے۔ مگر شاید آپ کے ساتھی تیار ہیں۔ آپ بھی لاچار ہیں۔ ہاں اکیلے ہوتے تو انتظار نہ ہوتی لیکن ہاں عرس شریف حضرت اعلیٰ علیہ الرحمۃ پر ضرور آئیو۔ وہ بولے انشاءاللہ

دیگر.... آپکی وفات سے ۴ سال پہلے صاحبزادہ خواجہ محمود صاحب (نبیرہ حضرت قبلہ عالم مہاروی رح) اس جگہ تشریف لائے۔ تو انکی روانگی کے وقت ارشاد کیا۔ صاحبزادہ صاحب! جب روضہ منورہ حضرت قبلہ عالم رح پر آپ جائیں۔ میری طرف سے حضرت قبلہ عالم رح کی خدمت میں عرض کریں کہ میری تمام آرزو ہے۔ کہ ایکدفعہ زیارت سے شرف حاصل کروں۔ مگر ضعیفی سے لاچار ہوں۔ اگر مجھے ایک میل بھی سواری کی طاقت ہوتی۔ تو ہرگز یہاں نہ رہتا۔ کیا کروں۔ لاچار ہوں۔ اس تقریر کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ ایکدفعہ ساون کا مہینہ تھا۔ اور دریا زوروں پر۔ حضرت اعلیٰ وطن سے اپنے مرشد حضرت قبلہ عالم رح کی زیارت کو روانہ ہوئے۔ تمام جگہ سیل ہی سیل نظر آتا تھا یہاں تک کہ شہر ملتان کے گرد چار چار کوس تک پانی تھا۔ بھلا شوق زیارت میں پانی کہاں روک سکتا۔ پس حضرت نور احمد صاحب فرزند و سجادہ نشین قبلہ عالم صاحب رح نے فرمایا۔ کہ حضرت اس سال تو دریا کی چھل بہت زیادہ ہوگی۔ آپ یہاں سے کیسے گذر گئے۔ حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ یہ تو پانی تھا۔ اگر آگ کا دریا ہوتا۔ تو بھی اینجانب نہ رکتا۔ جب حضرت عزیز نواز نے یہ قصہ بیان کیا۔ تو اس قوال کو جو مسمی سردار بیگ کے ساتھ آیا تھا۔ ارشاد کیا۔ کہ کوئی غزل گاؤ۔ اسپر کہ بخت سردار بیگ نے عرض کیا۔ کہ غریب نواز! ایک مولوی صاحب تھے انہیں وجد آیا۔ اور سات دن برابر سکر و بیخودی کے عالم میں رہے۔ اور اس عالم میں انہوں نے ایک غزل تصنیف کی ہے۔ اگر حکم ہو۔ تو قوال وہی غزل سنائے۔ چنانچہ آپ بہت محظوظ ہوئے۔

دیگر۔ اسی دن آپ نے فرمایا۔ کہ حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ کو خانقاہ مبارک حضرت قبلہ عالم رح پر ایسا وجد طاری ہوا۔ کہ آنکھیں سرخ ہوگئیں۔ اور آپ بالکل بے حس و حرکت ہو گئے۔ یہانتک کہ بعض اشخاص کا یہ گمان تھا۔ کہ حضرت قطب صاحب فی الامعاملہ نہ ہو جائے۔ صاحبزادہ صاحب نے نواب غیاث الدین کو بلوا بھیجا جو اچھے نباض تھے۔ نواب صاحب نے نبض دیکھی۔ اور بہت دیر کے بعد آپ کو ہوش آیا۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ آپ کی آنکھیں بالکل بے ہوشوں اور مردوں کی طرح باہر نکل آئی تھیں۔ آپ کا سر مبارک حضرت حافظ محمد جمال صاحب رض کے زانو پر اور پائے مبارک قاضی عاقل محمد صاحب کے زانو پر تھے۔ یہ دونو بزرگوار۔ ہاتھوں اور پاؤں کی ہتھیلیاں ملتے تھے۔ اور صاحبزادہ صاحب میاں نور احمد جی پنکھا جھلاتے تھے۔ جب آپ اس

بیخودی سے بیدار ہوئے۔ تو دریافت فرمایا۔ کہ میری نماز تو قضا نہیں ہوئی۔ اور یہ کہ میرے
پاؤں خانقاہ مبارک کی طرف تو نہیں ہوئے۔ لوگوں نے تسلی فرمائی۔ کہ نہ قبلہ دو نوامر نہیں ہوئے
دیگر۔ ایکدن حضرت غریب نواز نے فرمایا۔ کہ ایک شخص ملا ساکنہ اوان کاری حضرت اعلیٰ کے مریدان
با اخلاص میں سے تھا۔ جو قوم کھتران کے علاقہ میں جا کر پیشہ ملاگیری کا کرتا تھا۔ ایک کھتران
چوہڑ نام جو سردار قوم تھا۔ اس ملاں کی عورت پر عاشق ہو گیا۔ ہماڑی لوگ تند خو ہوتے ہیں
انہوں نے اس غریب کو مار ڈالا۔ اور عورت سے نکاح کر لیا۔ جب یہ خبر آپ نے استماع فرمائی۔ تو
خاموش ہو گئے۔ جب سال گذرا۔ تو تین آدمی قوم کھتران سے ادھر تو نسہ شریف آنکلے۔ جو دہلی
جا رہے تھے۔ آپ نے ان سے کہا۔ کہ جب اپس وطن کو جاؤ۔ تو میرا پیغام لیتے جائیو۔ چنانچہ جب وہ
دہلی سے اپنا کام کر کے واپس آئے۔ تو حضرت اعلیٰ نے فرمایا۔ کہ چوہڑ کو کہہ دینا کہ تو نے میری مرید کو
قتل کیا ہے وہ وقت نہ تھا۔ اب وقت آگیا ہے۔ گر تو جوان مرد کا بیٹا ہے۔ تو خبر دار رہیو۔ یہ پیغام
لے کر وہ ہر سہ اشخاص اپنے وطن چلے گئے۔ ابھی تھوڑا سا عرصہ گذرا تھا۔ کہ اس قوم کھتران میں
فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھی۔ اور چوہڑ مذکور اسی فتنہ میں مارا گیا۔ کوئی آل و اولاد نہ رہی۔ چند
رشتہ دار بچے۔ تو وطن چھوڑ کر کہیں نکل گئے۔ ادھر قوم مری بلوچ نے جو بہادر اور زبردست
قوم ہے۔ قوم کھتران پر حملہ کر دیا۔ الغرض بہت مصیبت آپڑی۔ "مولوی خدا بخش صاحب نے
عرض کیا۔ کہ خواجہ فضیل بن عیاض اوائل حال میں رہزنی کرتا تھا۔ ایک رات راہ پر بیٹھا تھا۔
کہ ایک قافلہ کا گذر ہوا۔ اور ایک شخص نے یہ آیت پڑھی۔ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ
قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ ط۔ جب یہ آیت شریف فضیلؒ کے کانوں میں پہنچی۔ تو خوف خدا سے کانپنے
لگے۔ اسی وقت رہزنی سے توبہ کی۔ اور خاصان خدا میں اسکا شمار ہونے لگا۔ مدعا یہ ہے کہ
ہر ایک کام اپنے وقت مقررہ پر ہوا کرتا ہے۔ جیسا کہ پہلی حکایت اور اس حکایت سے ہویدا ہے۔
سچ ہے۔ کُلُّ اَمْرٍ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهَا۔

دیگر۔ ایکدن دربار فیض آثار میں فرماتے تھے۔ کہ آج ایک شیخ سوداگر ساکن موسیٰ زی آیا ہے۔ اور
اس نے بیان کیا۔ کہ وہ مشہد شریف سے اب آرہا ہے۔ اور حضرت علی موسیٰ رضا قدس سرہ (جو
بارہ پاک اماموں میں سے ہے) کے روضہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوا ہے۔ اس نے

بیان کیا۔ کہ مزار مبارک پر بیشمار سونا اور چاندی خرچ ہوئی ہے۔ وہاں کے لوگ اس خانقاہ کے کمال معتقد ہیں۔ اور لوگوں کا بڑا ہجوم ہے۔ تین تین ہزار آدمی روزانہ دور دور مقامات کے موجود رہتے ہیں اور نیز ایک زنجیر حضرت کے روضہ میں ہے۔ جو کوئی مجرم اس زنجیر کے احاطہ میں آجاوے۔ خواہ کیسا ہی مجرم ہو۔ اسے کوئی نہیں تعرض نہیں کرتا۔ مگر تمام زائرین وہاں کے شیعہ ہیں۔ آپ نے اس ذکر کے بعد فرمایا۔ کہ چشتیہ شریف میں بھی زنجیر اس قسم کی تھی۔ مگر اب لوگوں کو اس کا کچھ خیال نہیں رہا۔ اس موقع پر مولوی خدابخش صاحب نے عرض کیا۔ کہ خواجگان چشت بہت زبردست اور صاحب تصرف ہوئے ہیں۔ چنانچہ ایک کتاب میں درج ہے۔ کہ حضرت ابو یوسف چشتی رح جب بیت اللہ میں آئے۔ تو لوگوں نے عجیب کرامات اور خوارق عادات دیکھیں۔ کہ خانہ کعبہ نے انکے گرد طواف کیا۔ اور فقہا نے لکھا ہے۔ کہ اگر خانہ کعبہ اپنی جگہ پر نہ رہے۔ تو بھی اسی سمت نماز پڑھنا ضروری ہوگا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ مولینا جامی صاحب نے نفحات الانس میں رقام فرمایا ہے کہ چشتیان با خدا یار و از ہمہ خلق بیزار ہیں۔ مولوی خدابخش صاحب نے ذکر کیا کہ مولینا جامی صاحب نے یہ قول حضرت شیخ الاسلام سے نقل کیا ہے۔ اور نیز تحریر فرمایا ہے۔ کہ چشتیان بیباک اور اپنے کام (تقوی) میں چالاک ہیں۔

Scanned with CamScanner

تیسرا باب

ز بیاض گل محمد خان ہیروی انسپکٹر پولیس بلوچستان

ذیل کا مسودہ خانصاحب گل محمد خان ہیری کے بیاض سے مرتب کیا گیا ہے۔ خانصاحب ایک معمر بزرگ تھے۔ خاتم سلیمانی بھی انکی زبانی بسنتا سنی روایات درج کی گئی ہیں اصل مسودہ فارسی الفاظ میں مجھے حاجی فتح محمد خان تنگوانی مرحوم سے ملا تھا۔ جو خانصاحب مرحوم کے قریبی رشتہ دار تھے سنہ ۱۹۱۲ء میں فارسی عبارت کو اردو کا لباس پہنایا گیا۔ اور میری کوشش تھی۔ کہ یہ مسودہ بھی جلد مبارک کے سامنے پیش کیا جاوے۔ مگر اسکی نظر ثانی کا موقع نہ ملا۔ حضرت چراغ تونسوی کی وفات حسرت آیات پر جب انکے حالات و کمالات لکھنا شروع کئے۔ تو اس مسودہ پر نظر پڑی۔ اسواسطے اُن کو حضرت ثانی علیہ الرحمۃ کی سوانح حیات میں درج کرنا مناسب تصور کیا۔ اصل مسوّدہ بھی نہایت بوسیدہ حالت میں ملا تھا۔ پھر اسے اردو ترجمہ کرنے اور واقعات کے تسلسل میں اچھی خاصی محنت کرنا پڑی۔ جن اصحاب کو خانصاحب گل محمد خان کی محبت وحسن اعتقاد کا معلوم ہے۔ کہ آپ کو حضرت خاتم الاولیا خواجہ اللہ بخش صاحب سے کس قدر نیاز تھا۔ وہ اس کو پڑھکر مصنف اور مولف کے حق میں دعائے خیر فرمائینگے۔ والسّلام۔

پہلے دو تین صفحوں میں گل محمد خان مرحوم کی اصلی تحریر بطور نمونہ لکھی گئی ہے۔ معزز ناظرین اس کے مطالعہ سے نہ گھبرائیں۔ خذ ما صفا ودع ما کدر۔ پر عمل کریں۔ یقین ہے کہ وہ حضرت ثانی علیہ الرحمۃ کی مجالس اور کلمات طیبہ سے پورا فیض حاصل کرینگے۔

عجیبہ	سن ہجری کو سن عیسوی میں تحویل کرنا	نکتہ

کل عدد کو ۹۷ سے ضرب دیں۔ اور حاصل ضرب میں ۶۲۱۰۵ جمع کریں یاد رہے۔ کہ سن ہجری ۱۶ یا ۱۸ جولائی سنہ ۶۲۳ء کو شروع ہوا تھا۔ میری تاریخ پیدائش۔ نیکو اختر ہے ہے۔ اب ۱۲۹۷ھ ۱۲۹۷ × ۹۷ = ... ۱۸۷۹ پس میری پیدائش سال عیسوی سے سنہ ۱۸۷۹ء ہوئی۔ (خاکسار مولف)

دیباچہ مصنفؒ بالفاظ اصلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   یا اللہ بخش رض   رب یسر ولا تعسر وتمم بالخیر

حمد بے حد وثنائے لاتعد خدائے را کہ جسکی عنایت بے غایت سے احمد مجتبیٰ صلو اعلیہ وآلہ نے تخت لولاکی پر جلوس فرمایا۔ اور حضرت صدیقؓ یار غار وامیر عمرؓ فاروقی تاجدار وحضرت عثمانؓ کان علم وحیا وامیر المومنین اسد اللہ علی المرتضیٰ کو سرور کائنات معراجی درجات شفیع الامم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشیر بنایا۔ وبمیدان جہاد اکبر پہلوانان منصور مظفر حضرات خواجگان رض چشتیان کے خیام نصرت احتشام موقعہ موقعہ مقدمۃ الجیش پر لگوائے۔ اوران معرکۂ جان افزا دغزائے فی سبیل اللہ میں بہادران تیغ زنان غریب نوازان حضرت چشتیان اہل بہشتیان کی لوائے اولو العزم کو نسیم فتوحات غیبی وفیوضات لاریبی سے مستحکم کیا۔ جنکی مدحت میں مولانا جامیؒ نے ہر پیر مجلس کی محفل گرم کرنے کے لئے یہ کلمات بیان فرمائے۔ "باخدا یار۔ ازہمہ بیزار۔ ازخلق بیباک در باطن پاک۔ درمعرفت وفراست چالاک ہمہ چشتیان چنیں بودند" اوران کی وصف میں شیخ الاسلام حضرت عبد اللہ ہروی سے نیز روایت لائے۔ کہ من ہیچکس را در طریق امامت قوی تر وتمامتر از احمد چشتی ندیدہ ام۔ پس بارگاہ الٰہی سے ان فتوحات کے صلہ میں شہسواران فرمان وفاتحان میدان کو تخت سلیمانیہ انعام ملا۔ لیکن یہ تو باخدا یار ازہمہ بیزار تھے۔ اسلئے خدا کے نزدیک اس سے بڑھکر مستحق عطا کے سمجھے گئے۔ لہذا آپ نے ہوا خواہان ذاتی وخیر خواہان صفاتی پر اپنی ذات کو اللہ بخش رض کیا۔ وختم الاولیا کا اپنے اوپر نقش کیا۔ اور جامۂ انسانیت کا پہن کر کبھی آپ کو زندہ فیل آخر الزمان کہلایا۔ گاہے قطب ابدال وارشاد کے دونوں کمانیں کرنے والا بتلایا۔ ورزہمہ بیگانہ بیگانہ باش کی سنت چشتیہ کو پورا کر دکھلایا۔ جرائم پیشہ لوگوں کو اپنے دربار میں رستہ دلایا (مصنف انسپکٹر پولیس تھے) چنانچہ بندہ مجرم سرغنہ مجرمان کو بھی منگایا۔ سبحان اللہ بخش وکرم فرمایا۔ اور اکثر اوقات دباب عالی کی طلبداشت پر جس جس مرتبہ میری حاضری کا اتفاق پڑتا رہا۔ تو سلطان وقت سے کلمات لطیف وکرامات عجیب سنتا اور دیکھتا رہا۔ پس خیال آیا۔ کہ ولی القبلتین اور امام الدولتین کی خدمت میں گذارش کروں۔ کہ ان عجیب وغریب افعات کے واسطے ارشاد ملے۔ تو قلمبند کروں

بنا دہ خواست بھیجی گئی۔ اور اجازت آگئی۔ کہ سعادت ہست۔ اسلئے ایسے زمانہ تاریکی میں جو جود بدو شنید کی روشنی اس شمع شبستان الہی سے میرے اقتباس میں آئی ہے۔ ارادتمندان و راہ روان باب عالی کے نشیب فراز دیکھنے والوں کو یہہ شب چراغ چشتیہ پیش کرتا ہوں" انتہی کلامہ

خاکسار مؤلف بلوچ نے اصلی الفاظ میں دیباچہ کو قلمبند کیا ہے۔ اسی سے اندازہ ہوسکتا ہے۔ کہ مصنف کس پایہ کا منشی ہے۔ ہمارے حضرت غریب نواز خواجہ اللہ بخش صاحب قدس سرہٗ کا انہیں ارشاد تھا۔ کہ ہر روز ہمکو خط لکھا کرو۔ اور وہ شیر مرد ہر روز ایک عرضی حضور میں بلاناغہ بھیجتا تھا صوفی منش اس درجہ کا تھا۔ کہ سفر و حضر میں تسبیح ہاتھ میں ہوتی تھی۔ بڑے مزے کی بات ہے۔ کہ ادھر جرائم پیشہ اشخاص کی پڑتال ہو رہی ہے۔ کسی تفتیش میں بیان ملزمان لکھا جا رہا ہے۔ اور تسبیح برابر جاری ہے۔ راقم الحروف الہ بخش بلوچ کو خانصاحب گل محمد خان انسپکٹر موصوف کے کئی دفعہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ کیونکہ انکی عادت تھی۔ کہ سال میں دو چار دفعہ عموماً اور عرس شریف کے موقع پر خصوصاً رخصت لے کر حضور میں حاضر رہتے تھے۔ دربار سلیمانی میں نہ وہ انسپکٹری لباس تھا۔ نہ وہ حکم حکومت۔ معمولی تہمند پہنے ایک معمولی سا پشاوری صافہ سر پر رکھے فقیروں کی طرح پھرا کرتے تھے کفش برداری کو اپنا فخر سمجھتے تھے۔ اور دربانی اور پنکھا کشی کو موجب عزت تصور کرتے تھے۔ تحریر و تقریر میں بے نظیر تھے۔ طبع میں ظرافت کہو۔ یا زور عقیدت۔ انکی عرضی عجب نمونہ کی ہوتی تھی۔ چنانچہ اتفاق سے ایک دو خطوط ہمارے ہاتھ لگے ہیں۔ بطور نمونہ انکو یہاں درج کیا جاتا ہے ؎

بحضور حضرت شہنشاہ فضیل آخر الزمان خواجہ جہان داموفیضہ و خصوصاً عمرہٗ

غریب نواز سلامت۔۔۔۔ رات جو میرے ساتھ گذری۔ وہ اس تن کو معلوم جس تن گذری۔ پھانسی کھا لینا مشکل نہ تھا۔ خدا معلوم کس بلا میں مبتلا ہوا ہوں۔ کوئی ہمدرد و متنفس نہیں کہ تیرے سوا اس کا قصہ کروں۔ اور تیری خدمت میں عرض کرنے کا نتیجہ شیخ الاسلام راوی کی نقل ہے روایت کہ عارض راہ منتہی نفع کم مے رسد۔ اسلئے فلانے کو میں خرقانی رضی کی خدمت میں نہ لے جاتا۔ کہ وہ منتہی تھے۔ میں فلانے کے پاس لے جاتا۔ کہ وہ صاحب حال باکمال نہ ہونگے۔ پس خرقانی وقتیکہ الکا۔ کہ رامیغ تراز کوہ ہو۔ کب کسی کے لئے تو نے ہلنا ہے۔ بجز ناپیدا رکنار کب ابھرے جیسے تشنگی چشم کیلئے

باحوالہ عریضہ الٰہ بخش صاحب ۱۹۰۱

تونے سوج ماری ہے۔ حضرت کلیم حضرت اورنگ آبادی کو تلقین فرماتے ہیں۔ کہ ازراد و وظائف پر مضبوط رہنا۔ تاکہ مریدان راقبض نشود۔ وحالانکہ تیری مست ذات۔ ادائے فرض کے لئے۔

وائے بر نقیبان محمدی کہ از بارگاہ ہم کشیدہ بہ پناہگاہ مے برند۔ فرماتی رہتی ہے۔ پس تیری اوراد و وظائف کا کیا ذکر۔ دودھ پینے والے بچہ کو اگر ماں کچھ کھالیوے۔ اثر اسے ہو جاتا ہے۔ ذات کے لوڈ لوڈان کی خوراک افتراق واشتراک ہے۔ مزے اڑاؤ۔ بچہ مرتا مرے۔ جیتا جیوے۔ آپ کو فور تیا سے پلاؤ۔ پھر آثار تو نظر نے ہیں آئیں۔ مگر اپنی حرمت کے طفیل ویسے بُرے دن نہ دکھلائیں۔ خبر نہیں یہ کیا شامت اعمال ہے۔ کہ میرے گلے خواہ مخواہ لگ جاتی ہے۔ نہ یہاں پر نوکری میں دل لگتا ہے۔ نہ تو نے اپنی خدمت میں رہنے دیا ہے۔ قسمت۔

راقم (سگ ضعیف گل محمد)

عریضہ دُوم

بحضور حضرت زندہ فیل آخر الزمان خواجہ جان ب دام فیضہ حضرت

غریب نواز سلامت۔

در کوئے نیک نامی مارا گذر نہ دادند۔ گر تو نمے پسندی تغییر کن قضا را آج مجرم سنجاوی پہنچا۔ کل کی سواری آج کی بیکاری نے مجرم کو جو کچھ تکلیف کہ دینی تھی۔ سو دی یہاں تک چارہ جوئی۔ مداخات کوئے نیکنامی کرتا آیا۔ جانے نہیں دیتے۔ تو نے بھی کچھ نہ کیا چرا کہ

ہو درگرد مومناں خطے کشید۔ سر وے شد باد کانجا مے وزید

سو بر ما محبت دنیا کہ ظن واریم۔ وخود را در خطوط تو شماریم۔ سر زنہ شما یک روز حضور نے فرمایا تھا۔ از ہند قافلہ در ملک چین بہ یک سال مے رسد۔ وجہاز بہ شش ماہ واز سیاحت ڈاکٹرے راسٹاین یا بیٹان ہوگا) کو ہے پیداار معلوم شد۔ اگر وے را منقطع نمایند۔ وریل تیار گردد۔ بہ دوازدہ پہر از ہند در چین بریل رسیدہ شود۔ وسلوک چشتیہ ہم چنین ہست۔ اگرچہ قادریہ و نقشبندیہ نیز بخدا رسند۔ مگر مثل قافلہ و جہاز بعد از مدت مدیدے مے رسند۔ وایں قدر طول انتظار دراں سلاسل کردہ شود۔ ودر سلسلہ شریف چشتیہ اگر انتظاری ہست۔ تا دوازدہ پہر است وبس" سو تیری ایسی تالیف القلوب سن کر

ہم بھی بارہ پہر تو بجائے خود آٹھ سال تک انتظار ہوگی۔ (انھائی ہے) چین بجائے خود اجمیر۔ اورنگ آباد
تہ ینت تک بھی کوئی نہیں لے گیا۔ پھر فرماتے ہیں۔ ہر دن کا زنار کاٹنا پڑتا ہے۔ تجھ سے تو ڈرتا ہوں
اگر کوئی دوسرا ہوتا تو اس پر قیامت کے دن نالش کرتا۔ جکھا مارا۔ (بد گفتم خالکم بدہن ابتدا مین جکل
عیال از من جدا بود۔ فرماتے تھے۔ کہ عیال ساتھ لے جانا۔ کہ اسکے حقوق تم پر ہیں۔ گویا علامت ہدایت
کی ہے۔ وبار دیگر فرماتے تھے۔ کہ کوئی بیٹا ہو جاوے۔ وبعد از تو میراث پاوے۔ اب اگر عیال ہمراہ دارم
تخم امل کارم بمیدانم۔ کہ ارکان دولت را ناپسند آمد۔ پس این معلق اندیش عالی را خدا داند۔ ہمکو
اپنا یہ زہد۔ کہ بدین اندک آمد ملازمت قناعت کنم۔ اس تحریص گدایان خوشہ چینان کہ بہ خرمن
دو جہاں سر فرو نمے آرند۔ قبول ہے۔ کیونکہ خاک دیوار خویش لیس بہ کہ زپالودہ کساں انگشت۔ مگر
تو نے بھی خوب کمائی۔ تو دان و کار تو۔ فقط۔ ۷ر نومبر ۱۸۹۱ء۔

(عرضی فدوی گل محمد سگ ضعیفہ باب عالی)

اوپر کے دو خطوط پڑھنے سے معزز ناظرین اس امر کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ کہ منشی گل محمد خان انسپکٹر
پولیس کس درجہ خوش اعتقاد مرید تھا۔ اور کس درجہ نڈر ہو کر اپنے معروضات اس شہنشاہ کے حضور بھیجتا
تھا۔ معمولی خط و کتابت میں اگر ہم کسی کو تو وغیرہ الفاظ لکھیں تو وہ برا مانیگا۔ مگر بے تکلفی کہو۔ یا حد درجہ
کی غلامی۔ یہ لفظ عام طور پر انکی تحریر میں پایا جاتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ بے ادبی نہیں۔ انگریزی
نماز میں (تو) .... کا لفظ خدا کیواسطے استعمال ہوتا ہے۔ بہر حال نکتہ شناس ان خطوط سے بہت
کچھ دلچسپ نکات اخذ کر سکتے ہیں۔ اب ہم دلچسپ حکایات کو تحریر کرتے ہیں۔

نواب **عبد الخالق خان** ڈیرہ اسماعیل کے رہنے والے تھے۔ اور اپنے تمام تعلقات
چھوڑ کر اس شہنشاہ کے دربار میں حاضری کو اپنی سعادت تصور کر کے **تونسہ** مقدسہ میں آ رہے
ایکدن مجرم کی حاضری میں اپنے بیٹے کے نام چٹھی لکھکر استصواب کیواسطے حضور میں سنائی۔ کہ منظور
حضور ہو۔ تو یہ مضمون اپنے فرزند کو لکھدوں۔ جو میرے پاس تونسہ شریف آنے کو تیار ہے۔ مضمون
بہت لمبا چوڑا تھا۔ آپ نے برعایت خان مذکور تھوڑا سا پڑھکر فرمایا۔ کہ ایسے طول طویل تحریر کی کیا
ضرورت ہے۔ صرف اتنا کافی ہے۔ کہ میرا دل دنیا سے سرد ہو گیا ہے۔ اور جو جو تمہارے حقوق مجھ پر
تھے۔ وہ سب میں نے ادا کر دئیے ہیں۔ اب کنارہ گر آیا ہوں میرے پاس کسی لئے آتے ہو۔ اسکے پیچھے یہ

باحوالہ خواجہ اللہ بخش صاحب مرحوم

تقریر ہدایت تاثیر فرمائی۔ کہ تمہارے بیٹے نے مجھے تحریر کیا تھا۔ کہ آپ کا مرید ہو گیا ہوں۔ مگر مجھ سے نماز نہیں ہوتی دوسرے پہلے پیر مجھے بددعائیں دیتے ہیں۔ آپ بھی ان کو بددعا کریں۔ میں نے اسے لکھوایا۔ کہ بیعت کرتے وقت تمہیں کہا گیا تھا۔ کہ نماز پڑھا کرو۔ اب تمہاری مرضی ہے۔ چاہے اسے پورا کرو یا نہیں۔ اور پیروں سے بچاؤ کی تدبیر یہ ہے۔ کہ جو چیز انکو دیتے رہتے تھے۔ اسے بدستور قائم رکھو۔ اور جو کچھ تمہارا ارادہ ہمارے دینے کا ہے۔ وہ بھی انکو دیا کرو۔ اس طرح تو وہ بجائے بددعا کے نیک دعا کرینگے۔

دیگر۔ روس و روم کی جنگ کیوقت ایک روز طاؤس ولایت لنگرخانہ کی چھت پر بیٹھتے تھے خاکسار مجرم (منشی گل محمد خان اسی لفظ سے اپنا نام لکھتے ہیں) اور چند اشخاص دیگر پیرؔ کی سنت کر رہے تھے کہ اس اثنا میں آپ نے عبدالخالق خان کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ خانا (اے خان) کوئی اخبار کا حال۔ اس نے عرض کیا۔ اب اخبار میں یہ خبر آئی ہے۔ کہ عثمان پاشا سے ہونا پر لڑائی ہوئی۔ کئی ہزار آدمی مارے گئے قلعہ کی خندق لاشوں سے بھر گئی۔ موقع کارزار شہر خموشاں بن گیا۔ اسپر حضور والا نے فرمایا۔ کہ ایک قلعہ کسی بادشاہ کو بہت پسند تھا۔ دریا اسکے پاس بہتا تھا۔ اور زمین گراتا تھا۔ بادشاہ نے نوٹس جاری کیا۔ کہ اگر کسی نے قلعہ کے برد ہونے کی خبر مجھے سنائی۔ تو اس کا شکم چاک کیا جائیگا۔ آخر ایکدن دریا کی موجوں نے قلعہ کی دیواروں کو گرا دیا۔ منشی نے حسب ذیل اطلاع لکھی۔ امروز آب دریا برائے ملاقات قلعہ آمد۔ و قلعہ برائے تعظیم و استقبال آب از پا برخاست۔ اسکے بعد مصنف صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ یہہ اشارہ شکست روم پر دال تھا۔ یعنی یہہ اسلامیہ سلطنت کا قلعہ ہمکو بہت پسند تھا۔ مگر تقدیر پر چارہ نہیں۔

دیگر۔ ایک مرتبہ مجرم تلاش روزگار میں سرگرداں تھا۔ ہر جگہ سے ناکامی ہی کا نامی ہوتی تھی۔ ناچار یہہ خیال دل میں آیا کہ کہیں روپوش ہو جاؤں۔ کسی دوست دشمن کو منہ نہ دکھاؤں۔ پھر جی میں آتا تھا۔ کہ نکلنے کو تو نکل جاؤں مگر پابوسی اور زیارت فیض بشارت سے محروم ہو جاؤنگا۔ آخر الامر یہ ارادہ کیا۔ کہ اب جا کر زیارت کر دں۔ اور پھر جہاں سینگ سمائیں۔ وہاں چلا جاؤں۔ ع ملک خدا تنگ نیست پائے گدا لنگ نیست۔ ان دنوں میں روجہان۔ سفر و تفلات کا چکر لگا کر آیا تھا۔ اور یارو۔ باطل میں مقیم تھا۔ وہاں سے سوار ہو کر اپنے مسکن (دہیرو) یہ ایک گاؤں ہے۔ جو تونسہ شریف سے جنوب مشرق تین کوس کے فاصلہ پر واقع ہے) میں پہنچا۔ صبح کو حضور والا میں سعادت زیارت حاصل کرنے کیواسطے

روانہ ہوا۔ جب باب عالی میں پہنچا۔ تو آپ اسوقت مراقبہ سے فارغ ہو کر روضہ مطہرہ کے سامنے تشریف رکھتے تھے۔ مجرم نے سعادت پابوسی حاصل کی۔ اور تلوار کو اپنی کمر سے اتار کر سامنے رکھدیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کیا؟ عرض کی۔ کہ غلام اسکے باندھنے کے لائق نہیں ہے۔ ہتھیار دینے آیا ہوں۔ فرمایا۔ کہ ان کو دے۔ جنھوں نے تم سے بندھوائے تھے۔ اس وقت میرے ہاتھ میں تسبیح تھی۔ اسکی طرف اشارہ فرمایا اور کہا۔ کہ ہم نے تو یہ ہتھیار دیا ہے۔ اگرچہ تو دیگا۔ تو بھی ہم نہیں لینگے۔ اس وقت میری جیب میں چند روپے تھے۔ وہ بھی نذر گذارنے فرمایا۔ کہ یہ کیا ہے۔ گذارش کیا۔ کہ کئی دن تک یہ بھی خرچ ہو جائینگے اسلئے تیرے (جناب فیض مآب) ذمہ لگانے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ تجھے کہیں جانا ہوگا۔ اور خرچ کی ضرورت پڑیگی۔ اٹھالو۔ بعدہ آپ نے دست مبارک دراز فرمایا۔ کہ یا حضرت تیرا غلام ہے۔ اسکے لئے روزگار کا بندوبست ہو۔ اس کے بعد ارشاد ہوا۔ کہ کوئی دن تو یہاں (سنگھڑ) ٹھیر و گے۔ عرض کی۔ کہ ہاں جناب

اسکے بعد مجلس برخاست ہوئی۔ اور مجرم نے تلوار کی نذر قبول ہونے کی بابت استمزاج کیا۔ حکم ملا۔ کہ واپس لیلو۔ پس مجرم نے تلوار اٹھالی۔ اور پابوسی کا شرف حاصل کرکے اپنے گاؤں کو چلا گیا۔ تین چار یوم کے بعد پھر باب عالی میں حاضری کا اتفاق ہوا۔ آپ اس وقت چاء نوش فرماتے تھے۔ اس جگہ سوا عبدالخالق خان کے کوئی آدمی نہ تھا۔ اور نہ ہی کسی کو طاقت تھی۔ کہ وہاں چلا جاوے۔ مجرم بھی باہر ٹھیر گیا۔ اتنے میں کسی نے خبر دی۔ کہ تمندار محمد خان صاحب لغاری آئے ہیں۔ سرائے کی چابیاں عطا ہوں۔ تاکہ ان کا ڈیرہ لگایا جاوے۔ آپنے اجازت عطا فرمائی۔ اسکے بعد حضور چائے خانہ سے محل معلی میں تشریف لائے۔ اور خاکسار آداب بجالایا۔ آپنے عبدالخالق خان سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا۔ کہ انکے یار بھی آگئے ہیں۔ میں نے عرض کی۔ کہ قبلہ میرے یار تو آپ ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ ہم تو باطنی یار۔ ظاہری یار وہ ہیں۔ بارہ بجے کے وقت آپنے مجھے حکم دیا۔ کہ تم جاؤ۔ اور سردم لغاریاں (بلوچ) سے ملاقات کرو۔ عاجز نے تعمیل کی۔ ۳ بجے پھر دربار گہربار میں حاضر ہوا۔ آپ اسوقت ظہر کی نماز کیواسطے وضو کرتے تھے۔ استفسار فرمایا۔ کہ تم وہاں گئے تھے۔ فرمایا۔ کہ ہاں غریب نواز۔ فرمایا۔ کہ کیا کیا حال لیا دی (ڈیرہ غازیخاں اور سرحد میں دستور ہے) جب کوئی شخص کسی بلوچی سے ملاقی ہووے۔ تو اس سے حال دریافت کیا جاتا ہے۔ تو وارد اپنا تمام ماجرا بیان کرتا ہے۔ پھر حال پوچھنے والا اپنا تمام حال سناتا ہے یہ طریقہ بہت اچھا ہے۔ بار بار سوال و جواب سے نجات حاصل ہوتی ہے۔ اسواسطے بلوچی علاقہ میں کسی

باحوالہ خواجہ اللہ بخش صاحب رح

اخبار کی ضرورت نہیں۔ ہر ایک خبر چشم زدن میں تمام علاقہ میں مشہور ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ تمہارا مال کوئی نہیں بتایا۔ مجرم خاموش ہو رہا۔ چند روز کے بعد جلسہ سبان ڈیرہ غازیخان ہونیوالا تھا۔ مجرم نے اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اگر وہاں سرداران ضلع تمہیں کسی جگہ نوکری پر بھیجیں۔ تو انکار نہ کرنا مجرم نے عرض کیا۔ کہ اگر قلیل تنخواہ پر دُور دراز مقام پر بھیجیں۔ تو بندہ کس طرح جا سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ تجھے کابل قندھار کوئی نہیں بھیجیگا۔ مگر ہمارا کہنا ماننا اور انکار نہ کرنا۔ پس فدوی رخصت ہوا۔ اور ڈیرہ غازیخان پہنچا۔ انہی دنوں میں میری ملازمت سر وقلات کی تھانہ داری پر ہو چکی تھی۔ یہہ علاقہ سرداران لغاری کے ماتحت تھا۔ اب میری فہم ناقص میں آیا۔ کہ حضور نے تمندار لغاری کو میرا یار کیوں کہا تھا۔ یہ عجیب بات ہے۔ کہ نواب محمد خان کے والد بزرگوار سردار محمد جمال خانصاحب میرا سر وقلات میں ملازمت پر جانا پسند نہ کرتے تھے۔ کیونکہ سابق سب انسپکٹر اُن کا تعلق دار تھا۔ انہوں نے مجھے وہاں کی ملازمت سے بہت ڈرایا۔ مگر مجرم نے حسب الحکم حضور ہمالی تعمیل کی۔ ایک سال تک ملازمت رہی اسکے بعد یہ اسامی معہ دیگر اسامیوں کے تخفیف میں آگئی۔ بندہ واپس ڈیرہ غازیخان آیا۔ وہاں خبر ملی۔ کہ حضور پرنور ان دنوں مہار شریف کیطرف تشریف لیگئے ہیں۔ بناءً علیہ مجرم بھی ملتان کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں میری گھوڑی نہایت بیمار ہو گئی۔ اور بھی پریشانی کا باعث ہوا۔ طوعاً و کرہاً خاکسار نے اس گھوڑی پر زین رکھی۔ اور سگ اصحاب کہف کی طرح مہار شریف کی طرف اس مرد خدا کا سراغ لگایا۔ خدا کی قدرت کہ پہلی منزل میں ہی گھوڑی اچھی ہو گئی۔ ملتان سے پہلی رات ٹبہ میں اور دوسری رات قادر واہ پہنچا۔ دوسرے دن علی الصباح روانہ ہو کر اس مقام پر پہنچا۔ جہاں وُہ بادشاہ جہاں جلوہ افروز تھے۔ یہاں پر لنگر شریف کے مکانات بنے ہوئے ہیں نام یاد نہیں ہے۔ بعد ادائے نماز مجرم حضور والا کے دربار میں پہنچا۔ آپ نے کمال درجہ خلق محمدی کا نمونہ دکھایا اور اس مجرم نے مخالقہ فرمایا۔ فدوی نے کچھ نذر پیش کی۔ فرمایا۔ کہ اب ہم ان کو کہاں سنبھالتے پھریں۔ عرض کی۔ کہ اب تک بندہ سنبھالتا تھا۔ اب آپ سنبھالو (حفاظت کرو) اسکے بعد خاصہ تناول فرمایا۔ عنایتاً مجرم کو بھی شریک کیا۔ بعدہٗ حکم ہوا۔ کہ سوار ہو کر چلو۔ خود بدولت بگھی پر سوار تھے۔ غلام ہمرکاب تھا۔ اور گھوڑی دوڑاتا تھا۔ جب روضہ مبارک قریب آیا۔ تو ادب کے واسطے اتر پڑے۔ اور پیادہ چلے۔ کنجی بردار نے روضہ شریف کا دروازہ بند کر دیا۔ بہت سی دیر تک آپ روضہ شریف میں رہے۔ پھر واپس اپنے ڈیرہ پر تشریف لے گئے۔

دیگر ایک رات مجرم معہ دیگر اشخاص دربار میں حاضر تھا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اگر قبرستان میں مرا ہوا ہو

تو معلوم کر سکتا ہوں۔ کہ یہہ فلاں شخص کی قبر ہے۔ بشرطیکہ اسے میں پہچانتا ہوں۔ اسی طرح اگر باہر مکان کے قفش پاء لوگوں کی رکھی ہوں۔ تو ان کو دیکھنے سے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ مکان کے اندر فلاں فلاں آدمی ہیں۔ اور یہہ کرامات نہیں ہے۔ کیونکہ ہم نفسانی آدمیوں میں کرامات کہاں۔ یہہ فقط قیافہ ہے۔
دیگر۔ مہار شریف کے ایک مولوی صاحب وہاں موجود تھے۔ آپ نے مخاطب فرمایا۔ کہ مولوی صاحب آپ کو یاد ہوگا۔ کہ ہمارے دو فقیر غزنی کے فوت ہوگئے تھے۔ اور قبرستان میں میری غیر حاضری میں دفن کئے گئے۔ اور میں آپ کو لے کر وہاں قبرستان گیا تھا۔ اور آپکے بتانے کے بغیر میں نے انکی قبریں شناخت کر دی تھیں۔ مولوی صاحب نے کہا۔ جی ہاں مجھے خوب طور یاد ہے۔
دیگر۔ ایکدن وہاں مہار شریف میں خاکسار دربار فیض آثار میں حاضر تھا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ گل محمد اور وہ نکھے ہیں۔ اکٹھے پاک پتن جائینگے۔ اور دونوا ایک جیسے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ کہ یکساں بھی تو نہیں بناتے۔ اگر یکساں بنا لیتے۔ تو بھی درست ہوتا۔ فرمایا۔ خوب یہ تو وہی مثال ہے۔ کہ ایک ہڈوار تونسہ شریف میں جمعہ نماز پر آیا تھا۔ اور کہتا تھا۔ کہ ایک پیسہ دیدو۔ ایک پیسہ فقط۔ جب اُسے کوئی شخص پیسہ دیتا۔ تو کہتا کہ اچھا یہہ چادر جو تمہارے کندھے پر ہے۔ یہی دیتا جاؤ۔ اب گل محمد کہتا ہے۔ کہ جمال خان (نواب لغاری) اور امام بخش خان (نواب مزاری) کی طرح ہو جاؤں جب ان کی طرح نہیں ہو سکتا۔ تو کہتا ہے کہ تمہاری طرح بن جاؤں۔ دیگر۔ چندروز کے بعد پھر ایسا اتفاق ہوا۔ کہ احمد یار خان ہوتانی۔ اور پسر میاں عبداللہ جعفر اور مجرم اس شمع ولایت کے نور حسن پر پروانہ وار نثار ہو رہے تھے۔ کہ احمد یار خان نے عرض کیا۔ کہ غریب نواز گلیڈسٹون صاحب ڈپٹی کمشنر ضلع ڈیرہ غازیخان سے تبدیل ہو کر چلے جانے کو ہے۔ اور ایک تھانہ وار عمر بخش فوت ہو گیا ہے۔ سرداران ضلع بھی ڈیرہ میں ہیں۔ اسوقت گل محمد کو رخصت فرمایئے۔ کہ وہاں جا کر اپنا بندوبست کرے۔ کیونکہ گلیڈسٹون کی بجائے جو انگریز آئیگا تو وہ نووارد ہوگا۔ اور گل محمد کا واقف نہ ہوگا۔ فرمایا۔ وے کون گل محمد۔ اسنے عرض کیا۔ یہہ ہمارا گل محمد بلوچ جو حضور میں حاضر ہے۔ فرمایا۔ کہ وے بیچارہ کو کیوں ٹھوکریں دیتے ہو۔ زندہ رہے گلیڈسٹون صاحب۔ دس کانے پرانے نکال لئے۔ دس نئے لگا دیئے۔ ہائے ہائے کسی بیچارہ کو موقوف کر دینگے۔ حضور کا اشارہ اس طرف تھا۔ کہ میں جیتا رہوں۔ نہ گلیڈسٹون۔ اور اسوقت میں نے سمجھ لیا۔ کہ میری ملازمت اس جگہ ہوگی۔ جہاں سے کوئی بے گناہ موقوف ہوگا۔ بعدہ حضور والا

ہفتہ عشرہ حضرت قبلہ عالم رضی اللہ عنہ کے روضہ مبارک پر رہے۔ اور اسکے بعد ملتان کی طرف کوچ
کیا۔ اور مجرم رخصت ہوکر ڈیرہ غازیخان آیا۔ حضور عرس حضرت گنجشکر رح سے فارغ ہوکر دارالخلافہ
تونسہ مقدسہ میں رونق افروز ہوئے۔ غلام بھی وہاں حاضر ہوا۔ اور سعادت پابوسی سے مشرف ہوا۔ بہت
کرم بخشی فرمائی۔ ایک دن پھر جو قدمبوسی کو حاضر ہوا۔ تو آپ نے فرمایا آؤ گل محمد خان تھانہ دار۔ بندہ نے
عرض کیا۔ تھانہ داری کہاں ہے۔ اب تو خاکسار بیکار ہے۔ اب خالی گل محمد ہوں۔ فرمایا۔ کہ کئی دن کے
بعد تو آپ کو انسپکٹر لکھیگا۔ دیگر۔ ایک دن حضور نے میاں پیر احمد تونسوی کو مخاطب کرکے فرمایا۔
کہ جب ہم صغیر سن تھے۔ اور خلیفہ محمد باران بڑے حضرت غریب نواز قدس سرہ العزیز کی خدمتمیں آتے تھے
تو ہشتادو نفر درویش خلیفہ صاحب کے ہمراہ آتے تھے۔ اکثر درویش لولے لنگڑے مگر سب اکثر زندہ دل ہوا
کرتے تھے۔ خلیفہ صاحب رض چلغوزہ و کشمش لے آتے تھے۔ جب ہم سنتے تھے۔ کہ خلیفہ صاحب آ گئے ہیں۔ تو اس
میوہ کے واسطے ہم انکی خدمتمیں دوڑے جاتے تھے۔ خلیفہ صاحب مجھے پکڑ کر بٹھلا دیتے تھے۔ اور میری چہرہ
کی طرف تاکتے تھے۔ اور پوچھتے تھے۔ بھلا سائیں کیا پڑھتے ہو۔ میں کہتا تھا۔ فلاں سبق پڑھتا ہوں
اور فلاں جگہ رہتا ہوں۔ اسکے بعد ہمیں میوہ وغیرہ دیا کرتے تھے۔ اور لقمان درویش اسی وقت ہمارے
حوالہ کرتا تھا۔ اسی طرح پھر سلسلہ گفتگو شروع ہوتا۔ اور پھر لقمان کو میوہ دینے کا ارشاد ہوتا۔ اور برادرم
خیر محمد صاحبزادہ صاحب کو جب خلیفہ صاحب کی آمد معلوم ہوتی تھی۔ تو وہ بھی دوڑے آتے۔ خلیفہ صاحب
بندہ کو بٹھائے رکھتے۔ یہاں تک کہ بہت سا وقت گذر جاتا تھا۔ میں دل میں کہتا تھا۔ کہ یہ بھی میرا
بھائی ہے جسکو اتنا جلدی شے میوہ دے دیتے ہیں۔ اور مجھے (دشمنوں کو) قید کئے ہوئے ہیں۔
سو اب ان باتوں کا کچھ کچھ پتہ لگتا ہے۔ دیگر۔ جن دنوں حضور والا نے ارشاد فرمایا تھا۔ کہ کئی دن
کے بعد تو بعہدہ انسپکٹری ممتاز ہوگا۔ پس انہی دنوں مجرم تلاش روزگار کیواسطے بلوچستان چلا گیا۔
اور چند ماہ بمشاہرہ قلیل ملازم ہوا۔ اسکے بعد انسپکٹر کاہن سنگھ کو یورپین سپاہیوں کے پہرہ میں لگایا گیا
اور بندہ کو انسپکٹر بنایا گیا۔ بعدہ کاہن سنگھ مذکور کو ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔ مدت تک وہ درخواستیں
کرتا رہا۔ کہ جو جرم اسنے کیا ہے اسے بتایا جائے۔ نفی میں جواب ملتا تھا۔ اس سے مجھے وہ فرمان حضور والا
کا ذہن نشین ہوا۔ جو آپ نے بہت مدت پہلے ارشاد فرمایا تھا۔

دیگر۔ انہی ایام میں حضور پر نور عرب شریف لے گئے۔ اور واپسی کے وقت بمبئی سے اطلاع آئی۔ جب آپ

مبارک خبر اس نیاز مند سگ دربار سلیمانی نے سنی۔ تو پچیس یوم کی رخصت لی۔ مجرم سگ صفت دوڑا اور باب عالی میں سلطان وقت کی پیشی میں دُم ہلائی۔ رحمت جہان صاحب کرم نے مجھ گوش بریدہ اور پشت خمیدہ پر بالش فرمائی۔ اور سگ نما اللہ چوں گربہ پشت کی ممانعت بھی مانع نہ آئی۔ کیونکہ اصحاب کہف کی مثال صادق آئی۔ حضور والا نے فرمایا۔ کہ اچھا میاں جیتے جی ایک دوسرے کو دیکھ تو لیا۔ اس مبارک کلام سے بڑا لطف آیا۔ دیگر۔ ایک دن حضور سراپا نور نے اپنی زبان فیض ترجمان سے ارشاد فرمایا۔ کہ کسی نے پیر محمد علیشاہ صاحب لکھنوی سے پوچھا تھا۔ کہ حضرت اعلے غریب نواز یعنی سلطان زمان حضرت خواجہ محمد سلیمان رح کا درجہ زیادہ ہے۔ تو مولنا روم سے بے ادب ہوئے۔ اور اگر کہیں۔ کہ مولنا روم کا درجہ زیادہ ہے۔ تو حضرت غریب نواز قدس سرہ العزیز سے بے ادب ہوئے۔ کیونکہ جناب شاہ صاحب فرماتے تھے۔ کہ ظاہری فیض مجھے حضرت خواجہ غریب نواز سلیمان زمان رح سے حاصل ہوا۔ اور باطنی فیض مولنا روم رح سے۔ کئی دن کے بعد اس سائل کو شاہ صاحب نے بلایا۔ اور فرمایا۔ کہ ہم نے تمہارا عقدہ حل کیا ہے۔ وہ یہہ ہے۔ کہ ایسا کوئی مطلب نہیں جسکی درخواست مولنا روم رح نے کی ہو۔ اور حاصل نہ ہوا ہو۔ اور ایسا کوئی مطلب نہیں۔ جس کی درخواست حضرت غریب نواز نے کی ہو۔ اور وہ حاصل نہ ہوا ہو۔ لیکن مولینا روم رح کی عادت مبارک تھی۔ کہ ہر مطلب کیواسطے درخواست بڑی توجہ سے کرتے تھے اور حضرت غریب نواز قدس سرہ العزیز اس مطلب کو ہنستے ہوئے۔ کر لیتے تھے۔ صرف اتنا فرق ہے۔ اسکے بعد آپ نے نور محمد خان تنگوانی کا ذکر فرمایا۔ کہ اسکی عادت تھی۔ کہ رعایا سے جو کام کرانا ہوتا۔ تو چار گالیاں بھی دیتا اور کام بھی کرا لیتا۔ دیگر۔ ایک دن حضور والا نے مجھے ارشاد فرمایا۔ کہ تو بھی اردو پڑھا ہوا ہے اسکا معنی تو کرو۔

رخصت اے زنداں جنوں زنجیر در کھڑکائی ہے
مژدہ خار دشت پھر تلوہ مرا کھجلائے ہے

مجرم نے عرض کیا۔ کہ غریب نواز کسی صاحب نسبت نے بنایا ہوگا۔ فرمایا۔ کہ صاحب نسبت شعر کب کہا کرتے ہیں۔ انکو اسقدر فرصت نہیں۔ کہ نماز ادا کر سکیں۔ جب اذان ہوئی۔ تو انہوں نے پکارا۔

وائے بر تقیبان محمدی کہ از بار گاہم کشیدہ بہ پائگاہ مے برند۔

دیگر۔ ایکدن آپ ٹہلتے تھے۔ کہ ارشاد فرمایا۔ بزرگان سلسلہ قادریہ ممبر پر چڑھ کر وعظ فرماتے ہیں وعظ کی تاثیر مریدوں میں ہو جاتی ہے۔ اور سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگ اپنے مریدوں کا حلقہ قائم کرتے ہیں

اور ہر ایک مرید پر باری باری سے توجہ کی جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ فائز المرام ہوجاتی ہیں
اور سلسلہ چشتیہ کا دین ایمان محبت ہی محبت ہے۔ انہوں نے سماع کو قبول کیا ہے۔ نہ انہیں فرغ
وعظ کی ہے۔ نہ فرصت حلقہ کی۔ مولینا جامی رحمۃ اللہ علیہ ہیں تو سلسلہ نقشبندیہ میں۔ مگر منصف ہیں پورے
نفحات میں بزرگان دین کے حالات لکھ لکھ کر اہل چشت کے حق میں فرماتے ہیں۔ کہ یا خدا یا راز
ہمہ بیزار۔ ہمہ چشتیاں چنیں بودند۔ اسکے بعد فرمایا کہ چین میں جہاز ۳ ماہ کے بعد پہنچتا ہے۔ تا خشکی
جاوے۔ تو اسے سال بھر لگ جاتا ہے۔ مگر ایک انگریز سیاح نے دریافت کیا ہے۔ کہ کوہ ہمالیہ کا ایک
پیچدار رستہ ہے۔ اگر پہاڑ درمیان سے ہٹالیا جاوے۔ اور ریل تیار ہوجاوے۔ تو بارہ پہر میں ہم
چین پہنچ سکتے ہیں۔ سلسلہ چشتیہ اور دیگر سلاسل کا یہی حال ہے کہ سلسلہ چشتیہ سے صرف بارہ پہر میں
منزل پر پہنچ سکتے ہیں۔ دیگر۔ ایکدن فرمایا۔ کہ حضرت احمد جام رحمۃ اللہ علیہ کو پہلے میخواری کی عادت تھی۔ ایکدن
شراب کے پیپے ایک گدھے پر لادے ہوئے جا رہے تھے۔ ہدایت کا وقت آیا۔ تو گدھا چلنے سے رہ گیا۔ احمد جام
نے اسے اسقدر ڈنڈے مارے۔ کہ بیتاب ہوگیا۔ خدا نے اسے قوت گویائی بخشی۔ اور بولا۔ کہ اے
احمد جام تجھے خدا نے عبادت کیواسطے پیدا کیا تھا۔ یا میرے مارنے اور شراب لادنے کیواسطے۔ احمد جام
سنتے ہی بیہوش ہوگیا۔ جب ہوش میں آیا۔ تو دوستوں کے گروہ میں پہنچا۔ اور اسکی صحبت سے سب
دوست شراب چھوڑ بیٹھے۔ گھر پہنچ کر مٹکے (خم شراب) توڑ ڈالے۔ اور بہت نقصان کر دیا۔ والدین نے
رپٹ کی۔ سپاہی پکڑ کر لے گئے۔ اصطبل میں بٹھا دیا۔ گھوڑے اپنا سر زمین پر مارتے تھے۔ اور سراسیمگی
ظاہر کرتے تھے۔ بادشاہ نے خبر پائی۔ تو اسے رہا کر دیا۔ وہاں سے احمد جام پہاڑ میں چلے گئے۔ اور
برس عبادت میں مصروف رہے۔ اور اسدرجہ ترقی پائی۔ کہ کسی رہنما کی ضرورت نہ رہی۔ مگر اتباع
سنت کیواسطے خواجہ ابوسعید ابوالخیر سے جا کر بیعت ہوئے۔ اپنے دیوان میں ذکر کرتے ہیں ؎

احمد تو عاشقی بہ مشیخت ترا چہ کار ۔۔۔ دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد۔

اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ سے کوئی خاص سلسلہ جاری نہیں ہوا۔ اور انہیں بارگاہ ایزدی سے
ژندہ فیل کا خطاب ملا۔ اور ارشاد ہوا۔ تم جیسا ہمیشہ پیدا نہیں ہوا کرتا۔ چار سو سال کے بعد تمہاری طرح
ایک ہوا کرتا ہے۔ حساب کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اول تو احمد جام صاحب رحمۃ اللہ علیہ دوم خواجہ بہاؤالدین
نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سوم حضرت غریب نواز خواجہ صاحب محمد سلیمان رحمۃ اللہ علیہ صاحب یہہ فرمان تو حضرت کا تھا۔

کمر حساب سے یہہ نکلتا ہے۔ کہ حضرت خواجہ مرشدی وارث سلیمانؒ حضور خواجہ اللہ بخش صاحبؒ کی
تاریخ ولادت سنہ ۱۲۴۱ھ ہے۔ اسواسطے زندہ فیل مشہور ہیں۔ یوں اپنے پیر و مرشد کا نام لیا کرتے
تھے۔ اور انکا درجہ یہ ہے۔ کہ وہ زندہ فیل بنانے والے تھے۔ اور یہہ فیض انکا تھا۔ کہ حضرت نے چھوٹی
عمر میں نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ کے قول کے مطابق عجز فان کو نوش فرمایا۔ اور واقعی انہی کا
کام تھا۔ اور انکا حصہ تھا۔ دیگر۔ ایک دن ارشاد فرمایا۔ کہ جب وفات حضرت خواجہ صاحب کے ایام میں دہلی
کی طرف ہمارا جانیکا اتفاق ہوا۔ تو بادشاہ وقت ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ آخری بادشاہ خاندان
مغلیہ کا پیغام پہنچا۔ کہ آپ کس راستہ سے دہلی میں آئینگے۔ تاکہ میں اسی راستہ پر آپ کا استقبال کروں
چونکہ مجھے تو بادشاہ سے کچھ غرض نہ تھی۔ میں نے کہا۔ کہ یہاں سے سیدھا پہلے تو قطب صاحب جاؤنگا
اور پھر دہلی آؤنگا۔ ابو ظفر بہادر شاہ نے دو منزل استقبال کیا۔ اور موقعہ ملاقات پر ہم سے اور باتوں میں
یہہ بات بھی دریافت کی۔ کہ جسوقت حضرت (پیر) صاحب کا وصال ہوا۔ تو آپ کی عمر کیا تھی۔ میں نے کہا۔
۱۲ برس۔ جب بادشاہ مجھ سے رخصت ہوا۔ تو سید عسکر شاہ صاحب (حسنی) مرشد بادشاہ مجھ سے ملاقی ہوا۔ کہ
بادشاہ اور وزیر بگھی پر سوار تھے۔ راستہ میں احسان اللہ وزیر نے کہا۔ دیکھیے صاحب پیغمبروں کو بھی
پیغمبری چالیس سال سے پہلے نہیں ملتی۔ تو حضرت صاحب ۱۲ برس میں کسطرح کامل ہوگئے ہونگے۔
بادشاہ کو خیال سا گذرا۔ نہ مجھ (عسکر شاہ) سے پوچھا۔ میں نے اس موقعہ پر سوچا۔ کہ اس موقعہ پر کتب
کہاں دکھا سکتا ہوں۔ کہ موقع سواری کا ہے۔ آخر میں نے کہا۔ کہ جناب کو معلوم ہے۔ کہ حضرت فخر جہان
خواجہ فخر الدین قدس سرہ العزیز کی عمر مبارک کسقدر تھی۔ جب آپ کے والد بزرگوار حضرت
اورنگ آبادی نے وصال فرمایا تھا۔ بادشاہ نے کہا۔ کہ ان کی عمر گیارہ سال کی تھی۔ یہ تقریر سنکر وزیر
خاموش ہوگیا۔ اور پھر ایک حرف اسکی زبان سے نہ نکلا۔
دیگر۔ ایک دن فرمایا۔ ~ نفس اژدر ہاست با صد شور و فن ✦ شیخ را روئے زمرد دیدہ کن۔
کہ یہہ نفس اژدر رہا ہے۔ تجھ سے اسقدر مکر و فریب اور دغا بازی کرتا ہوگا تجھے بہتر ہے۔ کہ اسے شیخ کے
ملنے لگا۔ تاکہ اس سے تجھے نجات ملے۔ دیگر۔ ایکدفعہ راقم نے موضع بنڈی میں کچھ اراضی خریدی
آپنے مولوی یار محمد صاحب مؤلف منتخب شریف سے استفسار فرمایا۔ کہ ہمارے گل محمد کو کچھ اچھی زمین
دی ہے۔ یا نہیں۔ مولوی صاحب نے فرمایا۔ کہ اچھی زمین ہے۔ آپنے ایک گائے کا قصہ فرمایا۔ کہ ایک شخص کی

گائے تھی۔ ناقص اور شریر۔ وہ اسے فروخت کرنے کیلئے لے چلا۔ راستہ میں ایک شخص ملا۔ اسکا بیل بھی بیکار
اور ہل چلانے سے بیزار تھا۔ دونو کا سودا ہوا۔ ہر ایک نے عیب و صواب بیان کر دیئے۔ چونکہ نیت نیک تھی
وہ گائے جب دوسرے گھر میں پہنچی۔ تو اسقدر دودھ دیا۔ کہ نئے مالک کے شان و گمان میں بھی نہ تھا۔
اس طرح بیل کی پرورش کی گئی۔ اسنے مالک کو بہت نفع دیا۔ چونکہ گل محمد خان کی نیت نیک ہی
اسواسطے یقین ہے۔ کہ خداوند کریم اس سے نفع دیگا۔ پھر ایکدن تذکرہ اسی اراضی کا چلا۔ آپ نے فرمایا
کہ گھاس لنگر و دانہ خدا تمہارے نصیب کرے۔ اسکا مطلب میری سمجھ نہ آیا۔ کچھ مدت بعد میں نے وہ اراضی لنگر میں
دیدی۔ اب مجھے معلوم ہوا۔ کہ وہ حضرت کا فرمان کس طرح پورا ہو گیا۔

دیگر ایکدن حضور والا نے فرمایا۔ کہ حج سے واپسی کے وقت ہم تو بمبئی کے راستہ سے آرہے تھے۔ مگر
ہمارا دس ہزار روپیہ کا سامان بندر کراچی سے آیا تھا۔ جس جہاز جسپر ہمارا سامان اور مردمان ہمراہی
سوار تھے۔ کراچی کے بندرگاہ پر پہنچا۔ تو حسب معمول ایک انگریز افیسر نے نوبت بہ نوبت سامان
تلاش شروع کی۔ ہمارے سامان میں کئی پستول وغیرہ بھی تھے۔ جن کا لانا خلاف قانون تھا۔
ہمارے مردمان چادر گلے میں ڈال کر حضور خواجہ کا واسطہ لاتے تھے۔ کہ اس گرفت سے نجات حاصل ہو
الغرض جب ہمارے سامان کے ملاحظہ کی باری آئی۔ تو اس افیسر کا قلم ٹوٹ گیا۔ وہ چاقو سے درست
کرنے لگا۔ کہ چاقو انگلی پر لگا۔ اور خون بہ نکلا۔ ہمارے آدمی خوشامد کپڑا پھاڑ کر اسکا خون صاف کرتے تھے
مگر خون بند نہ ہوتا تھا۔ اتنے میں سورج غروب ہو گیا۔ ہمارے مردمان نے کہا۔ کہ ہم مسافر ہیں کسی جگہ
ٹھیرنے اور ڈیرہ لگانے کا انتظام بھی کرنا ہے۔ ہمارا سامان آپنے ملاحظہ نہیں کیا۔ اس انگریز نے رسید
لکھدی۔ اور اس طرح سے بغیر دکھلانے سامان کے نجات حاصل ہوئی۔ اور بات پردہ میں رہ گئی۔

دیگر۔ ایکدن فرمایا۔ کہ لوگوں میں مشہور ہو گیا ہے۔ کہ جب ہم حج پر گئے۔ تو ایک میت مصنوعی لائی گئی
اسپر نماز جنازہ پڑھو۔ حالانکہ یہہ حکایت اور کرامت حضرت خواجہ عبدالخالق رودلوی کی ہے۔ کہ
آپ سفر میں تھے۔ چند اوباشوں نے استہزا کے طور پر ایک آدمی کو لٹایا۔ مردہ بنایا۔ کفن پہنایا اور
حضرت کی خدمت میں گذارش کی۔ کہ اسکی نماز جنازہ ادا کی جاوے۔ جب خواجہ عبدالخالق نے نماز
پڑھائی۔ تو وہ اوباش لگے اس شخص کو پکارنے۔ مگر وہ کہاں بولتا۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ اب کیونکر اُٹھے
قیامت کے دن بھی اسکا بعث نہیں ہو گا۔ ہمراہیوں نے بہت کچھ التماس کی۔ کہ ماں باپ کا اکلوتا

بیٹا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ خدا تعالیٰ کی غیرت نے اس کو غفلت سے مار ڈالا ہے۔ اہل اللہ کی عداوت بھی کام آتی ہے اگر ایسا او باش اندر قیامت کو کھڑا ہوتا۔ تو جہنم جاتا۔ اب اتنا تو ہوا کہ عذاب جہنم سے چھوٹا۔ ؎

اور نہیں کچھ تو عداوت ہی سہی	یار سے چھیڑ چلی جائے اسد

دیگر۔ ایکدفعہ کا ذکر ہے۔ کہ حضور غریب نواز عرس حضرت قبلہ عالم مہاروی پر تشریف لے جا رہے تھے اور ملتان شریف میں مقیم تھے۔ کہ خاکسار کو رخصت ملی۔ اور وہاں جا کر زیارت سے مشرف ہوا۔ ان دنوں میانصاحب حق نواز خان سدوزئی جو ایک خاص ارادت مندوں سے تھا۔ اور بتقریب ملازمت سیوی میں رہتا تھا۔ بعارضہ مالیخولیا مراقی سخت بیمار ہو گیا۔ اسکی اطلاع حضور میں پہنچی تھی۔ اور میرے نام وہاں سیوی میں حکم پہنچا تھا۔ کہ خبردار پیر برادری کے حق کو پورا کرنا۔ حق نواز خان کی خبرگیری کرتے رہنا چنانچہ غلام عموماً انکے پاس جاتا تھا۔ ایکدن انکے دیکھنے کو جاتا تھا۔ کہ راستہ میں حق نواز خان ملا۔ اور کہا۔ گل محمد اب میں مرتا ہوں۔ بلدی سینڈیمین صاحب کو تار دو۔ تاکہ ملازمت نصاریٰ میں نہ مروں۔ جب حضور پر نور کے استفسار پر مجرم نے حق نواز خان کا یہ تمام قصہ بیان فرمایا۔ تو آپنے فرمایا۔ دیکھو ہمارے خواجہ کے کرم۔ کہ حالت دیوانگی کی ہے۔ تو بھی اعتقاد اور خیال یہ ہے۔ اور زہد و اتقا کا اس درجہ لحاظ ہے شام کو حضور شجاع آباد پہنچے۔ مجرم بھی ہمرکاب تھا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ آیا مسلمانوں کو نصاریٰ کی نوکری نہ کرنی چاہئے۔ اور ظاہر میں اس واقعہ سے طرح طرح کے توہمات میں پھنس سکتے ہیں۔ لیکن واضح ہو۔ کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں نصاری و یہود کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہاں یہودیوں کی بہت برائی اور مسلمانوں کا دشمن انہیں لکھا گیا ہے۔ اور واقعی مسلمانوں کا دشمن یہودیوں سے بڑھکر کوئی نہیں۔ مگر خداوند کریم نے یہودیوں کی وہ بیخ کنی کی ہے۔ کہ اب دنیا بھر میں ایک چپہ بھر زمین انکے قبضہ میں نہیں۔ برخلاف ان کے علمائے نصاری کا جہاں ذکر ہے۔ وہاں انکو۔ رحمدل۔ خداترس کہا گیا ہے۔ اور یہ بھی لکھا گیا ہے۔ کہ وہ مسلمانوں سے محبت کرنے کے مقام کے بہت قریب۔ هُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ بھی انہی کے متعلق ہے۔ خصوصاً گورنمنٹ انگلشیہ کا سایہ تو ہما پایہ ہے۔ اس کے عہد معدلت مہد میں مذہب کی آزادی ایسی حاصل ہے۔ کہ شاہان سلف کے زمانہ میں اسکی نظیر نہ ملیگی پس ان کی ملازمت سے نہ تو دین داری میں فرق آتا ہے۔ اور نہ شعائر اسلام سے کوئی روکتا ہے۔ پیغمبر اسلام کے وقت میں کئی اصحاب نصاری کی ملازمت کرتے تھے۔ پس حکایت بالا کا مطلب پرلے درجہ کا

نہ ہیہے۔ مثلاً ایک شخص بازاری کھانڈ نہیں کھاتا۔ اس خیال پر کہ اسکے تیار کرنے میں احتیاط نہیں کی جاتی۔ اب اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ تمام اشخاص کھانڈ سے پرہیز کریں۔

دیگر۔ جسوقت وہ شجاع ہمت صاحب دولت وارث سلطنت سلیمانی مطلع انوار ربانی شجاع آباد میں رونق افروز ہوا۔ تو اس غلام کو حکم دیا۔ کہ فوراً سیوی میں اپنی ملازمت پر حاضر ہو جاؤ۔ چنانچہ بندہ جو بلا رخصت چلا آیا تھا۔ شجاع آباد سے گاڑی میں سوار ہوا۔ اور سکنڈ کلاس کا ٹکٹ لیا۔ جب فیروزہ کے اسٹیشن پر پہنچا۔ تو آنکھ کھلی۔ کیا دیکھتا ہوں۔ کہ ایک آدمی حق نواز خان کی شکل کا کسی کو ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ چونکہ اندھیرا تھا۔ میں نے آواز دی۔ کہ حق نواز خان ہو۔ اسنے کہا فوراً اتر آؤ۔ اتر آؤ۔ اپنے ملازم کو تھرڈ کلاس سے اتارا۔ اور بندہ حق نواز خان کو وہاں دیکھکر بڑا متعجب ہوا۔ حالات دریافت کئے حق نواز خان نے کہا۔ کہ میری تین ماہ کی رخصت منظور ہو گئی ہے۔ میں ریل میں سوار تھا مگر شور بہت کرتی ہے۔ اسواسطے اتر پڑا۔ میں نے پوچھا۔ اب کسطرح جاؤ گے۔ اس نے کہا کہ اونٹ پر سوار ہوتا ہوں۔ میں نے کہا۔ ندی نالے چڑھے ہوئے ہیں۔ اونٹ کا راستہ کہاں ہے۔ اگر پل ہیں۔ تو محکمہ ریلوی کے ہیں۔ وہاں سے اونٹ کے گذرنے کا راستہ نہیں ہے۔ آخر کار دوسری ٹرین میں انکو ساتھ لیکر واپس روانہ ہوا۔ اسٹیشن شجاع آباد پر حضور خواجہ صاحب معہ شہزادہ محمد محمود صاحب رونق افروز تھے۔ میں نے اس دیوانہ کو اس طبیب دانا کے حوالہ کیا۔ آپنے فرمایا۔ کہ تم بھی واپس آئے میں دل ہی میں کہہ رہا تھا۔ کہ عجب کیفیت ہے۔ مجھے تو خود روانہ فرمایا۔ اب یہ تجاہل عارفانہ ہے۔ کیونکہ اب میرے واپس آنے کے بعد مجھے دو دن ملتان شریف سے نہ جانے دیا۔ اور اسوقت کیسی تاکید تھی۔ اسکے بعد آپ حق نواز خان کو دھار شریف لیگئے۔ اگرچہ بعض اصحاب نے کہا۔ کہ اطبا کا مشورہ لیا جاوے مگر آپنے فرمایا۔ کہ اسکو ہم قبلہ عالم رض کی خدمتمیں لے جاتے ہیں۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا۔ اور اسے شفا ہو گئی۔

دیگر۔ اٹھ ماہ بعد مجرم دو ماہ کی رخصت حاصل کرکے دارالامارت تونسہ شریف میں گیا۔ اور سعادت زیارت سے مشرف ہوا۔ اس موقعہ پر فالٹو نامی ذات ڈوم جو نیم دیوانہ ساتھا۔ سیوی سے میرے ساتھ تھا۔ حضور والا نے اسکی شکل و صورت غور سے ملاحظہ فرمائی۔ اور ایک دن فرمایا۔ کہ تمہارا آدمی فالٹو اسطرح حیران نظر آتا ہے جیسے شیش محل میں کوئی کتا آکر پھنسے۔ اور دل میں کہتا ہے۔ کہ اسجگہ کے لوگ کیسے ہیں۔ نماز پڑھکر سو جاتے ہیں۔ کام کوئی نہیں کرتے۔ حقہ تک انکے پاس کوئی نہیں پھر کیدن

فرمایا۔ کہ فالتو کہتا ہوگا۔ کہ کل محمدؐ کو کیا ہوگیا ہے۔ وہاں سیوی کے لوگ پنکھے کھینچتے تھے۔ یہ لوگونکو ہتھکڑی لگاتا تھا۔ تھانہ دار کانپتے تھے۔ زیلدار لرزتے تھے۔ اسے کیا ہوگیا ہے۔ کہ اب یہاں جوتیاں اٹھاتا پھرتا ہے۔ کوئی اسے پوچھتا بھی نہیں۔ دیگر۔ ایکدن رمضان شریف میں گوسپند ملنجی کے ذبح کرنیکا حکم دیا۔ اور فرمایا۔ کہ پلاؤ تیار کر کے فقرا میں تقسیم کیا جاوے۔ اور پلاؤ تیار کرنیکا احمد علی شاہ کو حکم دیا۔ احمد علی حضور میں حاضر آیا۔ عرض کیا۔ کہ غریب نواز میں نے روزہ رکھا ہے۔ دن کی گرمی کا احوال حضور سے مخفی نہیں۔ اب کس طرح آگ پر کھڑا ہو کر پلاؤ تیار کر سکتا ہوں۔ اگر مجھے کل شلم اطلاع ملتی تو میں روزہ نہ رکھتا۔ آپ دعا فرماویں۔ کہ خداوند کریم کوئی بادل کا سایہ کرے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ تم گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرو۔ خدا اچھا کریگا۔ بارہ بجے کے وقت آپ تہ خانہ تشریف لے گئے۔ مجرم بھی ساتھ تھا۔ اور درویش بھی وہاں تہ خانہ میں آکر سوئے۔ دو بجے عاصی تہ خانہ سے باہر آیا دیکھا۔ کہ مشرق سے مغرب تک کالی گھٹا چھائی ہے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ میاں احمد علی پلاؤ پکا رہا ہے۔ فقیر فقرا اسکی خوشبو سے دماغ معطر کر رہے ہیں۔ اور دن ڈھلنے کی انتظار کرتے ہیں۔ کہ کب شام کو گولہ چلے۔ خوان سجنی جاوے۔ اور پلاؤ کا لطف اٹھائیں۔ عصر کے وقت بادل دھنی ہوئی روئی کیطرح منتشر ہو گئے۔ گویا وہ بادل سائبان بن کر آئے تھے۔ کہ فقرا کی پلاؤ کی دیگیں تیار ہو جائیں۔ ؎ خاصان خدا خدا نباشند ٭ لیکن ز خدا جدا نباشند

دیگر۔ ایکدفعہ کا ذکر ہے۔ کہ فدوی تونسہ شریف میں مقیم تھا۔ اور ملازمت سے رخصت حاصل کر چکا تھا اسی وقت ڈاک کا پیغام قاصد آیا۔ اور ایک لمبا سرکاری لفافہ میرے حوالہ کیا۔ میں اسوقت حضور سے دور بیٹھا تھا۔ لفافہ کھولا۔ اور اسے پڑھا۔ لکھا ہوا تھا۔ کہ بندوبست جدید کی رو سے عہدہ انسپکٹری پولیس تخفیف کیا گیا ہے۔ جب میں تمام کر چکا۔ حضور والا نے پوچھا۔ کہ کیا حال ہے۔ میں نے عرض کیا۔ کہ میرا پرائیویٹ ماجرا ہے۔ فرمایا۔ انتظار تو نہ کرو۔ میں نے عرض کیا۔ نہیں غریب نواز۔ اسپر آپ نے استفسار فرمایا۔ کہ بندوبست کا کوئی نیا حکم تو نہیں ہے۔ پس میں نے سمجھا کہ حضرت کی مرضی ہے۔ کہ یہ احوال پوشیدہ ظاہر ہووے۔ لہذا مضمون سنا دیا۔ اور یہ بھی عرض کر دیا۔ کہتے سنتے ہیں۔ بیٹا لینے گئی تھی۔ شوہر بھی چھینا گیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ بیٹا مشکل سے ہاتھ لگتا ہے۔ شوہر اچھا مل جائیگا سو اسی طرح ہوا۔ کہ جب میں سیوی میں واپس آیا۔ تو پہلے سے ہی میرے لئے تحصیلداری یا نائب کا

حکم اگیا تھا۔ مگر مجرم نے تحصیلداری سے انکار کر دیا۔ دیگر۔ ایکدن حضور والا کی خدمت میں مجرم حاضر ہوا
کہ حضور کے سر مبارک کو پکی اینٹ سے سخت چوٹ لگی۔ حضور والا نے وہ اینٹ بجنسہ دکھلائی۔ جو بنگلہ میں
رکھی ہوئی تھی۔ اور فرمایا۔ کہ یہہ ڈبل اینٹ بنگلہ۔ ٹوپی پوشش خالی سر پر آپڑے۔ اور سر بچ جاوے
عقل بھی نہیں مانتی۔ مگر اللہ تعالیٰ جو حافظ مطلق ہے۔ اسنے بچا لیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میں مراقبہ میں تھا
کہ اینٹ سر پر آپڑی۔ اور دو ٹکڑے ہو گئے۔ میں اُٹھا۔ کہ دوسری اینٹ نہ آپڑے۔ ایک نے پوچھا۔ کہ
غریب نواز۔ اینٹ کے پڑنے کا کیا سبب تھا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ مارخور (ایک جانور پہاڑی کا نام ہے۔ سینگ
بڑے بڑے ہوتے ہیں) ماڑی کی دیوار کی چوٹی پر پہنچا۔ اور دوڑا۔ اسکے دوڑنے سے ایک اینٹ نیچے
گر پڑی۔ اور سر پر آلگی۔ دیگر۔ ایکدن حضور پرنور اخبار عام روزانہ کا مطالعہ فرماتے تھے۔ لکھا تھا
کہ جنرل گارڈن جو خرطوم میں محصور تھا۔ اسنے انگریزوں کے پاس لکھا ہے۔ کہ میری طرف مدد بھیجو
ورنہ میں اسلام قبول کر لونگا۔ میرے حضرت نے تبسم فرمایا۔ اور ارشاد کیا۔ کہ قتل قتل۔ ایمان خوف
کبھی جائز نہیں۔ سو ایسا ہی ہوا۔ جنرل گارڈن مقتول ہوا۔

دیگر۔ ایکدن فرمایا۔ کہ حضور خواجہ صاحب قدس سرہ العزیز جسوقت کھانا تناول فرماتے تھے۔ تو موٹی
روٹی اوپر ہوتی تھی۔ سفید شکر سی اوپر ہوتی تھی۔ اور آپ روٹی کو اندر سے کھاتے تھے۔ کنارہ
روٹی کا دائرہ کی طرح رہ جاتا تھا۔ مولوی خدابخش جراح پیش امام کو حضور نے فرمایا۔ کہ مولوی
تم لوگ کہتے ہو۔ کہ روٹی کو ایک طرف سے کھانا چاہیئے۔ اور حضور خواجہ صاحب اندر سے کھاتے تھے
اور بیرونی کنارہ پڑا رہتا تھا۔ ضرور یہ مسئلہ کسی کتاب میں دیکھو۔ اور فرمایا۔ کہ حضور خواجہ صاحب
دو پاؤں پر اکڑو بیٹھکر خاصہ تناول فرماتے تھے۔ چوکڑی لگا کر نہ بیٹھتے تھے۔ مولوی صاحب نے کہا
کہاں غریب نواز کتابوں میں ہے۔ کہ پیٹ کو اسی طرح مضبوط کرے۔ اور بیٹھنے کی طرز اس طرح ہونی
چاہیئے۔ فرمایا۔ کہ اسکی حقیقت بھی معلوم ہے۔ مولوی صاحب خاموش رہے۔ آپنے فرمایا۔ کہ عبد جو ہوا۔
اگر مالک بلالیوے تو اُٹھتے دیر نہ لگے۔ اسواسطے اکڑو بیٹھنا اور طعام نوشجان کرنا اکثر بزرگوں کا طریقہ
ہے۔ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور فرمایا۔ کہ وہ سپید شکر نما جو آپ روٹی کے
اوپر سے تناول فرماتے تھے میں خیال کرتا تھا۔ کہ شاید کھانڈ ہے۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا۔ کہ وہ
نمک ہے۔ اور حضور خواجہ صاحب سے بڑے شوق سے کھاتے تھے۔ نمک مانع قوت باہ ہے۔

دیگر۔ ایکدن حضور والانے فرمایا۔ کہ خواجہ صاحب ایکدن اپنے پیر و مرشد حضرت قبلہ عالم مہاروی
رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ مبارک سے زیارت کرکے واپس تشریف لارہے تھے۔ راستہ میں مولوی
دیدار بخش صاحب مل گئے۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ اَسے ہندوستانی مولوی خوش ہو۔ اسنے عرض کیا۔
کہ غریب نواز۔ اگر کوئی بات پوچھتے ہیں۔ تو آپ بتلاتے نہیں۔ فرمایا۔ کہ ہندوستانی مولوی کیا پوچھتے
ہو۔ التجا کی۔ کہ غریب نواز مجھے بتلایا جاوے۔ اسوقت قطب مدار کون ہے۔ حضور نے اپنا دست
مبارک مولوی کی گردن میں مارا۔ کہ مولوی! تم ہو۔ تم ہو۔ تم ہو۔ اب سمجھا؟۔ مولوی صاحب نے
دست بستہ عرض کیا۔ کہ الحمد للہ میں یہی چاہتا تھا۔ دیگر۔ ایکدن فرمایا۔ کہ حضور خواجہ صاحب
قدس سرہ العزیز پاک پتن شریف میں حضرت بابا گنجشکر رح کے عرس مبارک پر تشریف رکھتے تھے۔ ظہر کی
نماز کا وقت ہوا۔ دیوان صاحب سجادہ نشین خانقاہ حضرت باباصاحب قدس سرہ العزیز اپنے مرشد
حضرت محمد باقر صاحب صابری کی خدمتمیں تھے۔ دیوان صاحب نے کسی کو مخاطب کرکے فرمایا۔ کہ جا میاں
اپنے پیر کو بول۔ کہ ظہر کی نماز کا وقت تنگ ہوتا ہے۔ جلد آؤ۔ تاکہ نماز ادا کریں۔ انکے مرشد حضرت
محمد باقر نے فرمایا۔ کہ ہوں۔ ہوں۔ دیوان صاحب نے جواب دیا۔ کہ غریب نواز۔ یہہ شخص حضرت صاحب تونسوی کا
مرید ہے۔ اسے میں نے کہا ہے۔ کہ اپنے پیر کی خدمتمیں جاکر کہو۔ کہ نماز کا وقت تنگ ہوتا ہے۔ حضرت
محمد باقر صاحب نے فرمایا۔ کہ کتابیں دیکھو۔ ایک شخص بخدمت حضرت گنج شکر رح جد بزرگوار تمہارے کی آیا۔
اس نے استدعا کی۔ کہ حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی کی خدمتمیں جاتا ہوں۔ کوئی بدرقہ ملے۔ حضرت گنجشکر
نور اللہ مرقدہ نے فرمایا۔ کہ فلاں ٹیلا ہے۔ وہاں تک ہماری حد ہے۔ فرید۔ فرید۔ فرید کہتا چلا جا۔ کسی
بدرقہ کی ضرورت نہیں۔ اسکے بعد حد حضرت غوث بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی شروع ہوتی ہے
بہاؤالدین رض کا نام لیتا جا۔ اور راہبر کی ضرورت نہیں۔ سو آپ کے دادا صاحب کی حد اس ٹیلہ تک
تھی۔ اور حضرت خواجہ صاحب اگرچہ باباصاحب کے غلاموں میں سے ہیں۔ مگر ان کی حد شام و روم تک
جا پہنچی ہے۔ دیگر۔ ایک دن فرمایا۔ کہ حضرت خواجہ فخر جہان فخر عالم قدس سرہ العزیز کی
موجودگی میں دہلی میں سخت قحط پڑا۔ حضرت قبلہ عالم صاحب رح بھی اپنے پیر کی خدمتمیں آگئے۔ حضور
لنگر میں کریل کا پھل پکایا جاتا تھا۔ ان دنوں دہلی میں فتنہ و فساد تھا۔ نظام حیدر آباد دکن حضور
فخر جہان کے عقیدتمندوں سے تھا۔ چھ چھ سات سات ہزار روپیہ کی ہنڈویاں آتی تھیں۔ اور

اس سے درویش خوش ہوتے تھے۔ کہ اب خوب پیٹ بھر کر روٹی نصیب ہو گی۔ مگر وہ ایام قحط کے تھے اب جو ہنڈی آتی تھی۔ آپ اُس کا روپیہ طبقہ امرا میں تقسیم فرماتے تھے۔ اور فقرا کے واسطے وہی کریل (کرینہ) کا پھل۔ اور جو کا ٹکڑا۔ کسی نے ہنستے ہوئے عرض کیا۔ کہ ہنڈی کا نام سنتے ہیں۔ اور دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ مگر ملتا کچھ بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ امیروں کا حق فقیروں سے زیادہ ہے کیونکہ فقیر لوگ تو بھیک مانگ کر بھی پیٹ بھر لینگے۔ اور یہ لوگ امیر مرتے جائینگے۔ مگر چار دیواری سے قدم باہر نہیں لے جائینگے۔ اسلئے امیروں کا حق زیادہ ہے۔ جب حضرت قبلہ عالم صاحب رخصت ہوئے۔ حضرت فخرِ جہان نے فرمایا۔ کہ دیکھیں؟ دہلی کی بھوک پھر بھی آؤ گے۔؟ عرض کیا۔ کہ حضور کو خدا سلامت رکھے۔ ہم جم جم آئینگے۔ **دیگر**۔ ایکدن حضور نے چاء نوشی کے اثنا میں فرمایا۔ کہ دنیا (مال) فقط کیمیا سے تو حاصل نہیں ہوتی۔ اسکے حصول کیلئے اور وسائل بھی بہت ہیں۔ کھیتی کرے۔ تجارت کرے۔ نوکری کرے۔ کیمیا تو عنقا صفت ہے۔ سو لوگ کہتے ہیں۔ کہ یکدم پیر توجہ فرما کر خدا سے ملا دیوے۔ مگر یہ بات نادر ہوتی ہے۔ اسکے سوا خدا کے ملنے کے اور راستے بہت ہیں۔ طالب کو محنت کرنی چاہئے **دیگر**۔ ایکدن کچھ گفتگو ہو رہی تھی۔ بندہ دیر سے آیا۔ آپنے یہ شعر فرمایا۔

پیرِ حق راز احولی ہر کہ دو دید ‖ او مرید ہست اندریں رہ نے مرید

پھر فرمایا۔ کہ ہر ایک سلسلہ میں اپنے پیر کی محبت کیلئے تاکید ہے۔ مگر ہمارے پیران چشتیہ میں تاکید مزید ہے۔ اور مولنا روم نے پیر کا حق خوب ادا کیا ہے۔ **دیگر**۔ ایکدن حضور والا نے فرمایا۔ کہ جب میں مدینہ منورہ میں گیا تھا۔ تو میری میلی پوشاک کو عرب لوگ دیکھکر مجھے تنگ کرتے تھے۔ کہ میلے کپڑوں سے حضور صلعم روحی فداہ کو نفرت ہے۔ آپ کیوں سفید براق پوشاک نہیں پہنتے۔ میں کہتا تھا۔ کہ مجھے معاف کرو۔ مگر روزمرّہ وہ لوگ تنگ کرتے تھے۔ ایکدن میں نے کہا۔ کہ فلاں فلاں اصحاب زمانہ رسول صلعم میں چٹائیاں لپیٹ کر حضور پرنور کی خدمت میں آ بیٹھتے تھے۔ کیا حضرت رسول خدا صاحب خلق عظیم اُن کو نکال دیتے تھے۔ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔

دیگر۔ ایک شب حضور نے مجرم کو فرمایا۔ کہ اے گل محمد میں بزرگ تو نہیں ہوں۔ مگر کوئی سچا بزرگ دکھلا دیو۔ تو تمہیں پہچان دونگا۔ ایک دوسری رات فرمایا۔ کہ ایک سورج ہے جس نے تمام دنیا کو روشن کیا ہوا ہے۔ اہل اللہ کے دل میں ایسے کئی سورج ہوتے ہیں۔

دیگر۔ ایکدفعہ غلام ۲۵ یوم کی رخصت لیکر آستان بوسی کو حاضر ہوا۔ چونکہ حضور کا فرمان ہمیشہ ہوا کرتا تھا کہ گل محمد۔ کوئی سندھی کافیاں گانے والا لاؤ۔ مجرم نے شکارپور۔ سکھر۔ بہت تلاشی کی۔ اور ایک ہفتہ کے قریب وہاں مقیم رہا۔ مگر حسب مدعا آدمی نہ ملا۔ جب اس زندہ فیل کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تو آپ نے ایکدن بسبیل تذکرہ فرمایا۔ کہ یہ جو لوگوں میں مشہور ہے۔ کہ پیر کی خدمتمیں نو راتہ دینا ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے۔ کہ اگر اپنے پیر کی خدمتمیں زیادہ نہ ٹھیر سکے۔ تو نو دن تو موجود رہے۔ اگر زیادہ رہے تو درست۔ مگر نو سے کم نہ رہے۔ میری واپسی میں ایکدو دن رہ گئے تھے۔ میں نوراتوں کے اشارہ کو نہ سمجھا ارادہ تھا۔ کہ دس دن خدمت اقدس میں حاضر رہوں۔ دفعتہً بارش شروع ہوئی۔ اور ہفتہ تک آمد رفت بند رہی۔ اب مجھے معلوم ہوا۔ کہ نوراتوں کا اشارہ یہ تھا۔ کہ مَیں چلا جاؤں۔ آخرہ دن زیادہ ٹھیرنا پڑا۔ جب عرض ہوا۔ تو عرض کیا۔ کہ رخصت سے زیادہ دن لگ گئے ہیں۔ حضور کو لاج ہے۔ آپنے فرمایا۔ کہ یہ تو ہمارا فرض ہوا۔ چنانچہ جسطرح آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔ اسی طرح ہوا۔ اگرچہ انگریز حاکم کئی جواب طلب کئے۔ مگر بفضلہ تعالیٰ ہر طرح سے دلجمعی حاصل ہوئی۔ چار ماہ کے بعد پھر کشش پیر نے اسطرح کھینچا جس طرح مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے۔ یا کہ قوت برقی تار کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ جاتی ہے۔ رخصت لیکر پہلے ملتان شریف آیا۔ وہاں حضور کیواسطے برف خریدکی۔ جب حضور میں حاضر ہوا کوئی دن بعد آپ نے میرے نام مخاطب کرکے فرمایا۔ کہ یہ دیوانہ برف لے آتا ہے۔ اور ہمیں پینے کی فراغت نہیں۔ دیگر ایک موقعہ حضور پر نور عرس شریف حضرت قبلہ عالمؒ پر رونق افروز تھے۔ اور خاکسار مجرم بتقریب کارسرکار لاہور آیا۔ اور اس ہمائے اوج سعادت اور شہباز فلک ولایت کے دیکھنے اور مرغان حوادث سے طائر دل کو محفوظ کرنے کے لئے مہار شریف میں حاضر ہوا۔ رات کو آپ نے قد دراز فرمایا۔ خاکسار ذرہ بیمقدار اُس آفتاب حسن کے گرد پروانہ وار گردش لگا رہا تھا۔ بغرض حصول ثواب آپ کی مٹھیاں بھرتا اور پاؤں داب رہا تھا۔ ؎

کہا جب اُس نے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے	اسد خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں اب تو دبے

آپ نے ایک اور آدمی سے فرمایا۔ کہ تم نے ہمارے اونٹ کی حفاظت نہ کی۔ ورنہ چور کیوں لے جاتی اُس نے اپنے قصور کا اعتراف کیا۔ اور معذرت چاہی۔ اسکے بعد مجھے مخاطب کرکے فرمایا۔ کہ گل محمد ایک ساربان نے ہمارا اونٹ چرایا تھا۔ اور کوہ سلیمان لے جاکر ایک شعب جبل میں اسے پوشیدہ رکھا۔ اور زانو باندھدیے

اور آپ گھر چلا گیا۔ رود کوہی جو آئی۔ تو اس شتر کو بہا کر لے گئی۔ اور اسکی ٹانگیں ٹوٹ گئیں اور وہ مر گیا۔ اسکے بعد اس ساربان نے ایک عورت کو بھگایا۔ اور اسی مقام پر لے گیا۔ وارث پہنچ گئے انہوں نے تلوار کا ایک ہاتھ لگایا۔ اور ساربان کے خون سے دریا بہایا۔ اسکے بعد اس قاتل کو بھی جب وہ اونٹ پر سوار ہو کر آرہا تھا۔ کسی نے مار ڈالا۔ پس لنگر کے ایک ونٹ نے دو آدمیوں کی خبر لی۔ اب دیکھا جائے کہ یہہ چور ہمارے اونٹ کو کہاں تک لے جاتا ہے۔ **دیگر**۔ سات مہینے کے بعد حضور والا نواب غلام قادر خان رئیس ملتان کے فرزند کی شادی کتخدائی کے موقع پر ملتان میں تشریف لائے۔ اس موقعہ پر حضرت موسیٰ گیلانی کا عرس تھا۔ آپ بھی بہت رعایت سجادہ نشین صاحب تشریف لے گئے۔ جب قوالوں نے یہ شعر پڑھا سع

مراں تند اے عماری دار لیلیٰ حسبۃً للہ	کہ صد بار ہا بیچارہ مجنوں باز پس ماندہ
خدا کے واسطے اے ساربان جلدی نہ تو کرنا	عماری روک لیلیٰ کی۔ مجنوں رہ گیا پیچھے

حضرت کے آنسو بھر آئے۔ جب مجلس سے واپس اپنے قیام گاہ پر تشریف لائے۔ تو اس شعر کا اثر باقی تھا۔ اور آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ کہ حضور خواجہ صاحب کے زمانہ میں ایک مشہور سیدزادی مائی جندو نام ساکن ملتان تھی۔ شوہر اس نیک عورت کا کہیں گم ہو گیا تھا۔ اور یہہ مائی تونسہ شریف میں حاضر حضور رہتی تھی۔ بہت نیک بخت تھی۔ اور حضور پر بڑا اعتقاد تھا۔ جب وہ خواجہ صاحب کے سامنے آتی تو آپ فرماتے۔ نکالو۔ نکالو۔ اور لوگ اسکو مار مار کر نکال دیتے تھے۔ رفتہ رفتہ ایک دن حضور والا نے فرمایا۔ کہ جندو ادھر آ۔ جب وہ آئی۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ لوگ تمہیں کیا کہتے ہیں۔ اس نے عرض کیا۔ کہ حضور مارتے ہیں۔ فرمایا۔ کہ آیندہ اگرچہ میں کہتا رہوں۔ کہ اسے نکالو۔ نکالو۔ تو بھی تم مت نکلنا۔ اور لوگوں کو یہہ دوہڑہ سنانا۔ سے

میں عشقوں بھر پیالہ پیساں	مردیں نال مریساں ریساں

اسان نال کہیں کیا ریساں

پھر تو وہ مائی جندو یہاں تک حاضر حضور رہتی تھی۔ کہ حضرت خواجہ صاحب کے وضو کا کوزہ وہ بھرتی تھی۔ ایک دن حضور والا نے اس مائی کو فرمایا۔ کہ تو کہتی تھی۔ میرا شوہر مر گیا ہے۔ وہ تو حیدرآباد دکن میں صحیح سلامت موجود ہے۔ اس نے دوسری شادی بھی کی ہے۔ اور اگر کہو تو اسکو ابھی منگا دوں۔ اس نے عرض کیا۔ کہ غریب نواز میرا شوہر کرنیکا زمانہ نہیں رہا۔ اگر وہ آجائیگا۔ تو یہی فائدہ دیگا۔ کہ تیری خدمتیں

نہیں آنے دیگا۔ اُسکے بعد آپ نے فرمایا۔ کہ وُہ عورت حضور کے بنگلہ میں پڑی رہتی تھی۔ ایک دفعہ حضرت خواب راحت سے جو رشک بیداری ہے۔ اُٹھے۔ اور جبندو خواب میں پڑی تھی۔ بہت آوازیں دیں نہ اٹھی۔ آخر یہاں تک نوبت پہنچی۔ کہ حضرت خواجہ صاحب نے خود کوزہ پانی کا بھرا۔ وضو کر کے جب بنگلہ میں آئے۔ تو مائی جبندو کی ٹانگ پر اپنا پاؤں زور سے رکھدیا۔ دفعۃً جاگ اٹھی۔ مگر ٹانگ کو ضرب آگئی۔ مگر حضور کو دیکھ بولی۔ میں صدقے جاؤں۔ میں قربان جاؤں۔ حضور والا کو معلوم ہوا۔ کہ اسے ضرب لگی ہے۔ کئی عورتیں طلب کیں۔ اور اسکی ٹانگ کو بندھوایا۔ اور حرم شریف میں بھیجدیا صبح شام جب کھانا کھانے تشریف لے جاتے۔ تو اس سے پوچھتے۔ کہ کیا خبر ہے۔ وہ یہی جواب دیتی۔ کہ حضور خیریت ہے۔ کوئی تکلیف نہیں ہے۔ اسکے بعد میرے حضرت نے فرمایا۔ کہ محبت عجب چیز ہے پھر آپ کے آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور فرمایا۔ کہ فاتحہ خیر۔ سب نے دُعا کیواسطے ہاتھ اُٹھائے۔ اور آمین کہی اسکے بعد خاصہ آیا۔ اور شہنشاہ کے دسترخوان پر اہل نصیب نے تناول فرمایا۔

دیگر۔ ایک دن چاء خانہ میں حضور قطب الاقطاب نشست فرمائے تھے۔ ارشاد کیا۔ کہ حضرت محمدؐ گیسو دراز خلیفہ حضرت چراغ دہلوی قدس سرہ العزیز اگرچہ اول سے فیض یافتہ تھے۔ مگر انعام عام اس روز سے پایا جسروز حضرت چراغ دہلوی قدس سرہٗ العزیز گھوڑی پر سوار ہو کر آتے تھے۔ اور حضرت گیسو دراز پاپیادہ آگے سے مل گئے۔ تو حضرت چراغ دہلوی کی ریش مبارک پر حضرت گیسو دراز نے بوسہ دیا۔ حضرت چراغ دہلوی نے فرمایا۔ کہ سیّد زیر تر۔ چنانچہ سیّد صاحب نے زانو مبارک پر بوسہ دیا۔ پھر فرمایا کہ سیّد زیر تر۔ آپ نے پائے مبارک پر بوسہ دیا۔ پھر فرمایا۔ کہ سید زیر تر۔ انہوں نے گھوڑی کی رکاب کو بوسہ دیا۔ پھر فرمایا۔ کہ سید زیر تر۔ اسکے بعد گھوڑی کے گھٹنے پر بوسہ دیا۔ پھر ارشاد ہوا۔ کہ زیر تر۔ اسپر آپ نے گھوڑی کے سم پر بوسہ دیا۔ اسکے بعد حضرت چراغ دہلویؒ نے ارشاد کیا۔ کہ میں نے آپکی ترقی اس میں دیکھی ہے۔ گیسو دراز نے فرمایا۔ کہ یہاں تحت الثریٰ تک حضرت کا اسپ ہوتا۔ تو میں اسی طرح نیچے کو چومتا جاتا۔ کہ ہزارہا منازل طے ہو جاتیں۔

دیگر۔ ایکرات بعد نماز عشا حضرت غریب نواز نے حسب عادت معہودہ قد دراز فرمائی۔ مجرم اور چند درویش دیگر پاؤں داب رہے تھے۔ آپ نے ذکر وصال حضرت خواجہ صاحب کا بیان فرمایا جسے مختصر اُدرج کیا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ حضور خواجہ علیہ الرحمۃ ایک ہفتہ تک برائے نام علیل رہے تھے۔ اس ایام

ہفتہ میں شب و روز حاضر بحضور رہتا تھا۔ جائے ضرور جانے کی حاجت نہ پڑتی تھی۔ صرف ایکدو مرتبہ پیشاب کرنے گیا تھا۔ میری والدہ ماجدہ اور دیگر مستورات رات کو حضرت خواجہ غریب نواز کی زیارت کو آتی تھیں۔ میری والدہ نے عرض کی۔ کہ انکا والد تو پہلے فوت ہو گیا ہے۔ بہت رنج و تکلیف اٹھائی ہے۔ ان پر شفقت و کرم فرمایا جاوے۔ حضرت کریم۔ نے فرمایا۔ کہ میں ہمیشہ ان کے ساتھ ہوں تسلی کرو۔ ایام علالت میں آپ نے ایکدن فرمایا۔ ؎

اگر گیتی سراسر باد گیرد ۔۔۔ چراغ مقبلاں ہر گز نمیرد

حالت بیماری میں آپ ایکدن حالت سکون میں تھے۔ ناک سے سانس جاری تھی۔ نبض وغیرہ کا پتہ تھا ہم بلواتے رہے۔ مگر جواب خیر دیا۔ بعدازاں مجھے فرمایا۔ کہ میں تم لوگوں کی آوازیں سنتا تھا مگر میں پاس انفاس کرتا تھا۔ اور مجھے فرمایا ع بسلطانے رسانند ت ازیں پاس۔ اسکے بعد آپ نے فرمایا۔ کہ شب وصال آپ ۴ دفعہ تہجد کیلئے اٹھے تھے۔ صبح ہونے سے اول وصال فرمایا۔ تہجد بھی قضا نہیں ہوئی۔ وصال سے پہلے میرے آنسو ہر وقت جاری رہتے تھے۔ اور بعد وصال یک بخت آنسو بند ہو گئے۔ میں دل میں کہتا تھا۔ کاش یہ آنسو جاری رہتے تو خوب ہوتا۔ مگر کچھ اپنے اختیار نہ تھا۔ بوقت وصال حضرت خواجہ غریب نواز جب میں محل سے باہر نکلا۔ تو بہت سے پرندوں کو دیکھا۔ رنگ ان کا سبز معلوم ہوتا تھا۔ مگر تحقیق نہیں کہ وہ کیا پرندے تھے۔ میں نے لوگوں کو بلایا۔ سو اوروں نے بھی دیکھے۔ صبح ہونے پر پرندے آنکھ سے اوجھل ہو گئے۔ عم مکرم و استاد معظم نور محمد خان ملتانی سے روایت ہے۔ کہ نواب بہاول خاں بمقام مہار شریف زیارت سے مشرف ہوئے۔ مگر جتنی دیر وہاں بیٹھے رہے۔ آنکھیں نیچی تھیں۔ اور یہ تاب نہ تھی۔ کہ گردن اٹھا کر کلام کر سکیں۔ ہم نے خود دیکھا ہے۔ کہ بڑے بڑے امیر اور متمول اشخاص جب اس سلطان وقت کے روبرو آتے تھے۔ تو ان کا حال ایسا ہوتا تھا جیسے روباہ شیر کے سامنے۔ آپ نے وہ نقارہ ولایت بجایا۔ کہ باید و شاید۔ اور کیوں نہ بجاتے۔ سلطنت سلیمانی کے صحیح جانشین اور تخت تونسہ کے وارث تھے۔ ہم نے بڑے بڑے صاحب کمالوں کی زیارت کی۔ مگر وہ جلال کہیں نظر نہ آیا۔

بلکہ ایکدفعہ محرم میں یہی دفعہ اسٹیشن کوٹ سلطان پر اترا۔ اس سے پہلے کبھی یہ اسٹیشن نہ دیکھا تھا اور وہاں میرا کوئی واقف تھا۔ جس کی معرفت تونسہ شریف تک سواری کا انتظام کراتا۔ ریل

اترنے پر معلوم ہوا۔ کہ دو اسپ معہ زین موجود ہیں۔ پوچھا۔ کہ یہہ گھوڑیاں کس کی ہیں۔ نوکر نے کہا
کہ تھانہ دار سنگر ملتان گیا ہے۔ آج اسکے آنے کی انتظار تھی۔ مگر ریل سے نہیں اترا۔ میں نے کہا۔ کہ
چاہ خانوالہ پر مجھکو لے چلو۔ چونکہ وہ گھوڑیاں وہاں سے لائی گئی تھیں۔ لہذا مجھکو سوار کرکے لے چلے۔
بیچ وہاں سے دوسری سواری مل گئی۔ اور دریا عبور کرکے حضور کی خدمت والا میں پہنچا۔ سعادت
پابوسی سے مشرف ہوا۔ ایک موقع پر سواری کا استفسار فرمایا۔ میں نے عرض کیا۔ کہ حضور پر نور کی
توجہ سے اسٹیشن پر ہی سواری موجود تھی۔ فرمایا۔ کہ خدا کی طرف اگر کوئی ایک قدم اٹھاتا ہے۔ تو اللہ تعالے
سو قدم اس کے پاس ہوجاتا ہے۔ یعنی مطلب یہ ہے۔ کہ یہہ تمہارے اعتقاد کا ثمرہ تہا۔ کہ آپ نیک
نیتی سے آئے تھے۔ اور کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ خداوند کریم نے سارا انتظام کردیا۔ خاکسار الہ بخش
بلوچ لغاری مولف کتاب ہذا کو بھی ایک موقعہ پر یہی واقعہ پیش آیا۔ جب یہہ خاکسار سکول خان گڑھ کا
ہیڈ ماسٹر تھا۔ تو ایک ہفتہ کی رخصت لے کر دائرہ دین پناہ اسٹیشن سے تونسہ شریف روانہ ہوا
بڑی مشکل سے دریا کے کنارے پر پہنچا۔ اگست کا مہینہ تھا۔ دریا کی طغیانی اسقدر تھی۔ کہ چھ سات میل
پانی ہی پانی تھا۔ کشتی نہ ملی وہاں سے گھاٹ شمالی پر پہنچے۔ کہ شاید کوٹ سلطان کی سڑک پر
کشتی مل جاوے۔ مگر کشتی نہ ملی۔ سارا دن چلنے کے بعد آخر یہی ارادہ ہوا۔ کہ شاید حضور خواجہ صاحب
نے یاد نہیں فرمایا۔ بستی بکھری احمد خان پہنچے۔ اور وہاں سے بسواری شتر کوٹ سلطان واپس
آیا۔ اسدن کم سے کم پچیس میل سے کم مسافت نہ کی تھی۔ جب اسٹیشن نظر آنے لگا۔ تو بندہ دل میں
کہنے لگا۔ یہ عجب اتفاق ہے۔ کہ لوگ اس راستہ سے تونسہ شریف جایا کرتے ہیں۔ اور ہم بے نیل مرام
دریا کے کنارے تکالیف اٹھا کر رجعت قہقری کر رہے ہیں۔ اتنے میں دیکھا۔ کہ ۳ گھوڑیاں تیار ہیں ایک
ہمارے حوالہ کی گئی۔ اور ہم واپس دریا کو روانہ ہوئے۔ راہ بر ساتھ تھا۔ راستہ نہایت آرام سے طے ہوا۔
کشتی تیار تھی۔ شام کو تونسہ شریف پہنچ گئے۔ اور اس شہنشاہ زمان کی زیارت فیض بشارت سے
سعادت دارین حاصل کی۔ دیگر۔ ایک رات بنظر استہزا فرمایا۔ کہ میاں خدا بخش اچار ڈالتا ہے۔
تو کہتا ہے۔ کہ اب کچھ کچھ اٹھ رہا ہے۔ سو میرا بھی یہہ حال ہے۔ کہ بارہ بجے رات کے بعد کچھ کچھ آ اٹھتا ہوں
دیگر ایک دن آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ یہاں تو لنگر سے ہم سب روٹیاں کھانے والے ہیں۔ مگر دو آدمی
عجب آدمی ہیں۔ ایک تو عماد الدین کابلی ہے۔ جو مطول تک پڑھا ہوا ہے۔ ایکدن میں نے دو روپے

اسے حوالہ کئے تھے۔ کہ روغن زرد لیکر کھاؤ۔ مبادا تمہیں خشکی ہو جاوے۔ انکار کرتا رہا۔ آخر بصد اصرار لئے
دوسرے دن میں عالم مراقبہ میں تھا۔ میرے پاؤں پر مساس ہونے لگا۔ دیکھا تو چار روپے نذر کے طور پر
ڈالی جاتا ہے۔ پھر میں نے کہا۔ کہ مرضی خدا۔ اس غریب کو دو روپے کہیں اور سے ہاتھ لگے تھے۔ وہ بھی
اپنے پاس رکھنے مناسب جانے۔ دوسرا میاں روشن ہے۔ کہ عیال اطفال سب کو چھوڑ کر آستانہ پر رہتا
ہے۔ ایکدفعہ میں نے اسے وطن روانہ کیا تھا۔ نویں دن واپس آ گیا۔ اس موقعہ پر میاں الہ بخش بابڑا
تحصیلدار بھی مجلس میں اتفاق سے موجود تھے۔ انہوں نے پوچھا۔ کہ میاں روشن کچھ علم بھی پڑھا
ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ علم پڑھکر کیا کریگا۔ جو علم اسے مطلوب تھا۔ وہ بطرز احسن پڑھ لیا ہے۔ اسوقت
مجرم پاس انفاس کر رہا تھا۔ آپ نے فوراً معلوم کر کے فرمایا۔ کہ یہ پاس انفاس کچھ نہیں ہے۔ ترک ماسوا
چاہیئے۔ کبھی کہا۔ کہ نوکری میں ترقی ہو۔ کبھی کہتے ہو۔ کہ چھاچھ مل جاوے۔ کبھی کہتے ہو۔ کہ گوشت مل جاوے
کبھی فقیر کے طالب ہو۔ سو نہ یہ ہوتا ہے نہ وہ۔ نہ یار ملا نہ وصال صنم نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے
اس موقعہ پر فقیر محمد روشن جو دروازہ کی آڑ میں بیٹھکر کلمات طیبہ کو بڑے شوق سے سنتا تھا۔
اسنے دروازہ ذرا سا کھولا۔ اور عرض کیا۔ کہ مجھے قبول کرو۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ انشاء اللہ تم مقبول ہو
اگر قبول نہ ہوتے۔ تو تمکو سب سے یعنی بال بچوں سے جدا نہ کرتا۔ اسی موقعہ پر یا شاید کسی اور موقعہ پر
حضور نے فرمایا۔ کہ حضرت ادہم بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بڑے کامل بزرگ سے دریافت کیا تھا۔ کہ سناؤ کیسے گذرتی
ہے۔ اس نے جواب دیا۔ کہ یار ملتا ہے تو شکر کرتے ہیں۔ نہیں ملتا۔ تو صبر کرتے ہیں۔

دیگر۔ ایک رات حضور پرنور نے فرمایا۔ کہ جب میں پیدا ہوا تھا۔ تو حضور خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے میری پیدائش کی
خبر حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے عرس مبارک پر سنی تھی۔ پس آپ نے تونسہ شریف کی مراجعت کی۔ علما
ساتھ تھے ارشاد فرمایا۔ کہ کوئی تاریخ کہے۔ مولوی صالح محمد صاحب نے "نہ ہے بیدار بخت" سے تاریخ
نکالی۔ آپ نے پسند فرمائی۔ اسکے بعد فرمایا کہ میں جس تاریخ متولد ہوا۔ اسی تاریخ سے مرا ہوں۔ گویا اس
سے مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کا مفہوم ہوتا ہے۔ بعدہ فرمایا۔ جب آپ تونسہ شریف میں آئے۔ تو میری
جدہ ماجدہ نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ لوگوں میں بہت وسواس ہے۔ کہ پسر م ترکل ہے یعنی تین
لڑکیوں کے اوپر پیدا ہوا ہے۔ حضرت کریم نے فرمایا۔ کہ ترکل تو بہت اچھے ہوتے ہیں۔ یہ لوگوں میں
جو وسواس ہے۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ میں خود ترکل ہوں۔ کہ تین لڑکیوں کے بعد تولد ہوا تھا۔

ایکدن آپنے مجھے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ۔ ؎

گل را چہ مجال ہست کہ گوید بکلال   کز بہر چہ سازی وچرا مے شکنی

دیگر۔ ایکدن حضور پرنور نے ارشاد فرمایا۔ کہ حضرت خواجہ غریب نواز کے وقت ایکدفعہ ٹڈی دل اس
کثرت سے آیا۔ کہ تمام جگہ ٹڈی دل سے بھر گئی۔ تل رکھنے کی جگہ نہ رہی۔ لوگ دعا طلبی کیواسطے خواجہ صاحب
کی خدمتمیں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی کہ ہم لوگ ٹڈی دل سے تنگ آگئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ فلاں
شخص اسکا حاکم ہے۔ وہی اسے کاٹھ (قید) کر دیوے۔ وہ آدمی سمجھدار تھا۔ سمجھا۔ کہ اسمیں بھی
پردہ داری ہے۔ فوراً ایک ڈبیہ میں ایک ٹڈی کو پکڑ کر بند کر دیا۔ اور حضور کی خدمتمیں لایا۔ کہ میں نے اسے
کاٹھ کر دیا ہے یعنی قید کر دیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ بس اب یہ بھاگ جائیگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ صحن
مسجد میں ایکدانہ نہ رہا۔ تمام ٹڈی ہوا ہو گئی۔ دیگر۔ ایکدن کا ذکر ہے۔ کہ مجرم اپنے غریب خانہ میں
جو تونسہ شریف سے دو کوس کے فاصلہ پر ہے۔ چلا گیا جب واپس حضور میں آیا۔ تو ارشاد ہوا۔ کہ گل محمد یہ عجیب
بات ہے۔ کہ جب تو ہزار کوس کے فاصلہ پر ہوتا ہے۔ تو روزمرہ تیری خبر سنی جاتی ہے۔ اور اب کس قدر قریب ہے۔ کہ
خبر تک نہیں۔ مگر یہ عجیب بات ہے۔ کہ آج رات کو میں نے تمہیں خواب میں دیکھا تھا۔ اور حالانکہ جب تو بہت
دور دراز فاصلہ پر تھا۔ تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔ غلام نے عرض کیا۔ کہ خاکسار نے بھی آپ کو خواب میں دیکھا۔ مگر
اسکے بعد مجھے معلوم ہوتا تھا۔ کہ میں نے یہ الفاظ "میں نے آپ کو خواب میں دیکھا تھا" کچھ بے ادبی کے معلوم
ہوتے ہیں۔ مجھے مناسب تھا۔ کہ کہتا۔ کہ حضور پرنور کی زیارت عالم رویا میں ہوئی تھی۔ ؎ دل را بدل رہیست
درین گنبد سپہر۔ دیگر۔ ایکدن آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ حضرت ابراہیم ادہم بلخی علیہ الرحمۃ نے کسی
بزرگ کو نماز کی نیت کرتے دیکھا۔ کہ عرصہ دراز تک ہاتھ کانوں پر دھرے ہوئے رہے حضرت ابراہیم حیران ہوئے
دریافت کیا۔ کہ اسقدر دیر تک ہاتھ کانوں پر رکھنے کا کیا سبب ہے۔ وہ بزرگ خاموش سے ہو گئے۔ آپ نے
اصرار فرمایا۔ تو بولے کہ جب تک میں مکہ کو نہ دیکھوں اسوقت تک نیت نماز کی نہیں کرتا۔ اسواسطے ہاتھ کانوں پر
ہی رہ جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم صاحب بلخی ہنس پڑے۔ اسپر وہ بزرگ متعجب ہو کر پوچھنے لگا۔ کہ اسکا کیا
سبب ہے حضرت نے فرمایا۔ کہ میں جب تک مکہ والے کو نہ دیکھ لوں۔ نماز کی نیت نہیں کرتا۔ اسپر فقیر
محمد روشن نے جو دروازہ گرم خانہ پر بیٹھا تھا۔ اسنے ذرا سا پھاٹک کھول کر کہا۔ کہ میں بھی جب تک خدا کو
نہ دیکھوں نیت نماز کی نہیں کرتا۔ ؎ خاصان خدا خدا نباشند۔ لیکن ز خدا جدا نباشند

دیگر۔ ایک دن آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ الف خان افغان کی عورت نے مساۃ گوہر اپنی دختر کی بمقام کھوئی بہاراں قوم استرانہ میں شادی کردی تھی۔ اور ہمیشہ وہیں رہتی تھی۔ اور حضرت کی بیعت تھی۔ اخیر مرتبہ جب آئی۔ تو حضرت سے چند روز کے بعد رخصت طلب کی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اے زن یہاں ہو۔ تمہاری نماز جنازہ گذارونگا۔ مت جاؤ۔ مساۃ گوہر نے فرمایا۔ کہ نہیں۔ میرا جنازہ اگر تم نہ پڑھوگے۔ تو میں سکھوں سے پڑھا لونگی۔ مگر اسوقت مجھے رخصت دیدو۔ آخرالامر حضور پرنور نے رخصت دی۔ اور حسب معمول دس روپے جو انکو دیا کرتے تھے۔ وہ بھی حوالہ کردئے سو وہاں جاکر فوت ہوگئی۔ ایک دن حضور پرنور گھر میں تشریف لائے اور میری دادی سے فرمایا۔ کہ مائی گوہر کو میں نے خواب میں دیکھا ہے۔ اور اس سے احوال پوچھا۔ اسنے کہا کہ خدا نے مجھے بخشدیا۔ مگر نہ تمہاری طفیل۔ بلکہ اس برکت سے کہ ایکرات مجھے حاجت اور ضرورت غسل کی تھی میں نے اپنی کنیز سے کہا۔ کہ پانی گرم کرو۔ چونکہ صبح کا وقت تنہا۔ وہ کچھ ایسی غافل ہورہی تھی۔ کہ اسنے پرواہ نہ کی۔ جب میں اٹھی۔ اور کہا۔ کہ کیا غسل خانہ میں پانی گرم ہے۔ اسنے جواب دیا۔ کہ ابھی آگ سلگا رہی ہوں۔ اسوقت میں نے سوچا۔ کہ اگر اسوقت پانی گرم کرواتی ہوں۔ تو نماز جاتی ہے۔ اور لونڈی پر خفا ہونا بھی درست نہیں ہے۔ پس بولی کہ میری نماز قضا ہوجائیگی۔ اسوقت تم ٹھنڈا پانی ہی غسلخانہ میں رکھدو۔ چنانچہ میں نے ٹھنڈے پانی سے غسل کیا۔ خداوند کریم نے اس ٹھنڈے پانی کے غسل کرنے اور نماز قضا نہ کرنے سے مجھے بخشدیا۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ۔ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ۔

دیگر۔ ایک دن اولیا کرام کی وفات کا ذکر ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ ہاتھی کا جیتے ہزار اور مرے پیچھے دس ہزار قیمت ہوتی ہے۔ اولیا کرام کا یہی حال ہے۔ دیگر ایک دن آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ کسی کو اپنی گذران کی انتظار ہوتی ہے۔ سو میں اس سے بے انتظار ہوں۔ خدا دے رہا ہے کسی کو فقیری کی انتظار ہوتی ہے۔ سو میں جان چکا ہوں۔ کہ فقیری مجھکو کسی نے دینی نہیں ہے۔ اس سے بھی انتظاری رفع ہوتی ہے۔ البتہ ایک ۔۔۔۔۔ کی انتظار ہے۔ وہ یہ باعث ہے۔ کہ ہم بنی آدم جو ٹھہرے۔ ؎

دریں دنیا کسے بے غم نباشد　　اگر باشد بنی آدم نباشد

اسکے علاوہ ایک دو اور انتظاریں بھی ہیں۔ دیگر ایک دن آپ بعد نماز عصر حسب عادت حضور خانقاہ مبارک کے رواق میں بیٹھے تھے۔ فرمایا۔ کہ موسے ولد رئیس خانصاحب اسد خان تنکانی کا مصاحب تھا۔ اسکی عادت تھی۔ کہ ایک بڑے گلی برتن میں دودھ جوش کراکے مصری ڈال کر رکھوا دیتا۔ کہ نوفل

اور کٹورہ کھر کے وقت نوش کرونگا۔ جب اسکے متعلقین سو جاتے۔ تو وہ دودھ والا برتن لیکر مسجد میں آتا۔ اور اہل مسجد کو پلاتا۔ سو اگلے وقتوں میں عوام میں ایسے ایسے خواص نکل آتے تھے۔ اب خواص میں ایسے ایسے عیب ہوتے ہیں کہ معاذ اللہ۔ عار دارد کفر بر سہلام ما۔ **دیگر۔** ایک رات گرم خانہ میں حضور نے فرمایا۔ الف ہیچ ندارد۔ غلام نے عرض کیا۔ کہ جب یہ مجرم اور الف خان اکٹھے زیارت کو آئے تھے۔ تو اسوقت حضور مبارک نے یہ مصرع یا فقرہ فرمایا تھا۔ کہ الف ہیچ ندارد۔ اسوقت الف خان رو رہا تھا۔ اور مجھ سے پوچھتا تھا۔ کہ اسکے کیا معنے ہیں۔ حضور نے فرمایا۔ کہ تم نے پھر اسے معانی سمجھائے تھے کہ نہیں۔ یہہ فقرہ تو اچھا ہے۔ کہ الف کوئی نہیں رکھتا یعنی کوئی شریک نہیں رکھتا۔ اسکے بعد ذکر فرمایا۔ کہ ایک لڑکا احمد نامے ذات افغان حضرت **قبلہ عالم** رحمۃ اللہ علیہ مہاروی کی خدمت اقدسہ میں عرصہ تک حاضر رہا۔ کسی نے اسکی طرف توجہ نہ کی۔ ایکدن حضور قبلہ عالم خواجہ نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے استفسار فرمایا۔ کہ تم کون ہو۔ اور کیوں آئے ہو۔ اُسنے کہا۔ کہ میں پٹھان ہوں باپ میرا مر گیا ہے۔ اور ماں میری زندہ ہے۔ ایک بقال کا میرے باپ نے بہت سا قرض دینا تھا۔ اسکے خوف سے نکل آیا ہوں۔ قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کہ اس بقال نے تم سے بہت سود کھایا ہو گا۔ اس نے عرض کیا۔ کہ ہاں صاحب بہت کچھ کھایا ہے۔ سود در سود کرتے کرتے سیل کا بیل بنا دیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ جاؤ۔ اسکا قرضا دا ہو جائیگا۔ اسے جا کر کہو۔ کہ آؤ میرے ساتھ حساب کرو۔ اور اپنی بندی (روزنامچہ) لاؤ۔ چنانچہ وہ نوجوان لڑکا چلا گیا۔ بقال سخت مقال کو بلایا۔ کہ میرے ساتھ حساب کرے۔ چنانچہ ہندو گیا اور اپنی حساب کتاب کے رجسٹر لایا۔ دیکھیں تو تحریر ندارد۔ روزنامچہ لایا۔ وہ بھی سفید بھی کھاتہ لایا۔ وہ بھی کورا آخر اُس نے کہا۔ کہ میں نے کچھ نہیں لینا۔ اس پرگنڈا پور پٹھانوں نے اس ہندو کو پکڑ لیا۔ کہ تو اس لڑکے سے فریب کرتا تھا۔ اب اس کو لکھدے۔ کہ حساب بے باق ہے۔ پس ہندو نے لکھدیا۔ کہ میں نے کچھ نہیں لینا ہے۔ وہ احمد خان ایک عرصہ تک اپنی ماں کی خدمت میں رہا۔ اسکے بعد والدہ سے کہا۔ کہ جس بزرگ کے طفیل ہمارا قرضا دا ہوا ہے۔ اب میں اسکی خدمتمیں جاتا ہوں۔ اور علم پڑھتا ہوں۔ رخصت ہو کر حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتمیں آیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ سناؤ۔ قرض سے نجات کی کوئی صورت ہوئی یا نہ۔ اس نے سارا حال کہہ سنایا۔ چند روز وہ وہاں بیکار رہا۔ آخر حضور نے اسکے واسطے سیپارہ منگایا۔ اور تبرگا خود احمد کو بلایا۔ کہ کہو "الف" وہ حضرت کے چہرہ کو تاکتا رہا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ کہ بولو الف اسی طرح بڑی دیر کے بعد اس نے الف کا حرف زبان سے نکالا۔ پھر **قبلہ عالم** رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کہ کہو ب مگر اس نے الف ہی

کہا حضرت کے منہ کو تاکتا رہا۔ آپ فرماویں۔ کہ ب تو وہ کہے۔ کہ الف۔ آخر سیپارہ باہر پھینکا۔ اور الف الف
الف بولتے بولتے لیٹ گیا۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ جگاؤ۔ اور کہا۔ کہ سیپارہ لے لو۔ آخر کہتے کہتے کہیں نکل گیا۔ اور
پھر مجذوب ہو گیا۔ کبھی حضرت کی خدمت میں آکر بیٹھا کرے۔ ایکدن کتیا کا بچہ اٹھا کر گلیم میں لایا۔ تو جو روٹیاں اسے
لوگوں سے ملتی تھیں۔ وہ لاکر اسی پلے کو کھلاتا۔ اور رات دن اٹھتا پھرتا۔ ایک دن حضرت نے حکم دیا۔ کہ جب
یہ اسجگہ آکر بیٹھے۔ تو اسکی عادت ہے۔ کہ چادر میں اپنے کتے کو رکھ آتا ہے۔ تم اسکی جگہ بکری کا بچہ رکھدو۔ چنانچہ جیسے
آپ نے ارشاد فرمایا۔ درویشوں نے اسیطرح کیا۔ چنانچہ احمد فقیر پھر بکری کا بچہ اٹھائے پھرتا تھا۔ جب حضرت قبلہ
کا انتقال ہو گیا۔ تو بہاولپور میں جا رہا۔ وہاں بھی کبھی گداگری بھی کر لیتا تھا۔ ایکدن ایک مولوی صاحب نے
کہا۔ کہ الفو۔ تم گداگری مت کرو۔ ہم سرکار بہاولپور سے تمہارا پیٹ بھر ٹکا ٹکا مقرر کرا دیتے ہیں۔ الفو سنتے
ہی سونٹی اٹھا کر مولوی کے پیچھے دوڑا۔ مولوی ایک حجرہ میں گھس گیا۔ اور دروازہ بند کر رہا۔ الفو وہاں سونٹی
گھماتا رہا۔ اور بولتا رہا۔ ہر رارارارا۔ را۔ دیکھو اس حرامزادہ کو مجھکو دنیا دار کے در پہ لے جاتا ہے۔ اسکے بعد
آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ ہمارے حضرت قبلہ عالمؒ کے مرید ایسے تارک الدنیا ہوا کرتے ہیں۔ اسکے بعد آپ نے ایک
صاحبزادہ بہاردی کا نام لیا۔ کہ ایک انکے پاس الفو فقیر کی لیلی (بکری کا بچہ) کی اولاد موجود ہے ×یہی حکایت
مولوی احمد صاحب پیش امام نے بھی لکھی ہے۔ اسے دوبارہ لکھا جائیگا۔ ×

دیگر۔ ایک دن حضرت نے ارشاد فرمایا۔ کہ دنیا کی صحبت بہت بری ہوتی ہے۔ چنانچہ دو شخص ایک حافظ محمد موسیٰ
و حافظ امام بخش کہ بہت بڑے زاہد و پرہیزگار تھے۔ اس دنیا کی صحبت سے خراب ہوئے۔ کہ بعد وصال حضرت
خواجہ صاحب موسی کو تو وحشت ہو گئی۔ اکثر میرے پاس آتا۔ اور سمجھاتا۔ کہ یہ اسطور کرنا چاہیئے اور اسے نہ کرنا
اچھا ہے۔ پس یہاں سے چلا گیا۔ کچھ مدت کے بعد خبر آئی۔ کہ ایک سڑک پر مرا ہوا پڑا تھا دوسرا حافظ امام بخش
اس درجہ زاہد تھا۔ کہ دروازہ حجرہ کا بند کر چھوڑتا تھا۔ اور کسی شخص کو اپنے پاس نہ آنے دیتا تھا۔ صرف اپنا پانی بھرنے
کیلئے کوئیں پر جایا کرتا تھا۔ ایکدن کسی نے پوچھا۔ کہ تونسہ شریف کی عورتیں شلوار پہنتی ہیں۔ یا گھگرہ۔ (گھگھرہ)
اس نے کہا۔ کہ مجھے خبر نہیں ہے۔ حالانکہ کوئیں پر عورتوں کا اجتماع ہوتا ہے۔ مگر اسے تو پانی سے غرض ہوا کرتی
تھی۔ نہ کسی کا پاجامہ دیکھنے سے۔ احمد خان وزیر بہاول خان جب تونسہ شریف میں آتا تھا۔ تو علما و فقرا کے
نام بڑی کوشش سے لکھکر لے جاتا۔ اور ریاست سے ان کا ادرار مقرر کر دیتا۔ اور حسب حیثیت انکے پاس
بھجواتا رہتا۔ چنانچہ امام بخش کا نام بھی لکھ کر لے لیا گیا۔ چنانچہ ایک روپیہ روز اس کا وظیفہ دربار بہاولپور سے

مقرر ہو گیا۔ اور اسے تیس روپے ماہوار ملا کریں۔ لوگ کہتے تھے۔ کہ جو کچھ ملتا ہے۔ اسے خرچ کئے ڈالتا ہے۔ مگر
مجھے خوب معلوم تھا۔ کہ رکھتا جاتا ہے۔ کچھ مدت کے بعد اسکے پاس چار یا پانسو روپیہ جمع ہو گیا۔ اور میری پاس
آیا۔ اور کہا۔ کہ اب تو حج مجھ پر فرض ہو گیا ہے۔ میں نے کہا۔ کہ کیوں فرض کیا۔ اگر خرچ کرتا رہتا۔ تو
حج فرض نہ ہو سکتا احمد خان وزیر نے ظاہر میں تو ان کے ساتھ خوبی کی۔ مگر فی الاصل برائی تھی۔ مگر اس
خوبی کا ثواب تو اسے ضرور ملا ہوگا۔ ان دنوں میں مولوی عبد الحق اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر معہ عیال حج کو تیار ہوا۔
حافظ سے کہا۔ کہ اگر تم ہمارے ساتھ چلو۔ تو تمہارا کرایہ۔ خرچ نان نفقہ سب ہمارے ذمہ رہا۔ لہذا حافظ مذکور انکے
ساتھ چلا گیا۔ مولوی عبد الحق تو ملک عرب میں فوت ہوا۔ مگر حافظ واپس آیا۔ جب ملتان میں آیا۔ تو کچھ بیمار تھا۔
خانصاحب غلام مصطفےٰ خان کے مکان پر پہنچا۔ اور جا کر بولا۔ کہ میں فقیر حضرت کا ہوں۔ اب بیمار ہوں۔
رہنے کے لیے جگہ دو۔ چنانچہ انہوں نے اس کی درخواست منظور کر کے اسکا روزینہ مقرر کر دیا۔ اور ایک
کوٹھری بھی حوالہ کی۔ اس اثنا میں عثمان موچی جو ہمارا کارندہ تھا۔ ملتان جا نکلا۔ اور حافظ سے کہا۔ کہ ایسا
نہ ہو۔ تو اسجگہ بیمار ہو کر مر جاوے۔ بہتر ہے۔ کہ شتر کرایہ کر کے تو لنسہ شریف چلو۔ اسنے کہا۔ کہ مجھے تمام شتر کے کرایہ دینے
کی استطاعت نہیں ہے۔ اسپر عثمان نے کہا۔ کہ اچھا نصف کرایہ ہم دینگے۔ نصف تم دینا۔ مگر اس نے منظور نہ کیا
آخر وہاں ہی مر گیا۔ جب خانصاحب کو رپورٹ ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ اسے دفن کر دو۔ تلاشی لینے سے صد
نقد کمر میں سے نکلا۔ باوجود اسقدر رقم موجود ہونے کے ایک روپیہ کرایہ کا نہ دینا چاہا اور ...... کے دروازہ پر
مر گیا۔ مولوی عبد الحق کا نصیب اچھا تھا۔ یار کے کوچہ میں فوت ہوا۔ اور ایمان سلامت لے گیا۔

دیگر۔ آپ نے ایکدن ارشاد فرمایا۔ کہ حضرت فخر عالم **فخر جہان** کی خدمت میں کسی نے عرض کیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ایک فرقہ لکھنو میں ہے۔ ان میں ایک شخص ہے۔ ہزار روپیہ لیتا ہے۔ اور زیارت رسول مقبول صلعم کرا دیتا ہے
آپ نے تبسم فرمایا۔ کہ ہمارا ایک آشنا نور محمد نامے پنجاب میں ہے وہ لیتا دیتا کچھ نہیں۔ اور خدا دکھا دیتا ہی
دکھا نہیں بلکہ ملا دیتا ہے۔ **دیگر**۔ ایکدن حضرت غریب نواز دولت خانہ سے بعد تناول طعام تشریف
لا رہے تھے۔ غلام راستہ پر زیارت کا منتظر تھا۔ پابوسی کی سعادت حاصل کی۔ حضرت محل معلّےٰ کو روانہ ہوئے
اور داخل ہو کر بحالت تنہائی ٹہلنے لگے۔ غلام بھی سنت کا طریقہ ادا کرتا رہا۔ اِدھر اُدھر کے ذکر کے بعد غلام
رگل محمد خان انسپکٹر پولیس بلوچستان) نے عرض کیا۔ کہ گامن نامے ایک شخص نے ذکر کیا ہے۔ کہ میاں قادر بخش
ورپشتی سنگھ جھنگ کو ملکیت آنر دے آپ کا مقدمہ پیش آیا۔ مقدمہ میں میری گواہی لکھائی۔ چونکہ قادر بخش

میرا پیرزادہ ہے۔ اور مجھے اسکا ادب اور اسکے حکم کی تعمیل ضروری ہے۔ اور بالخصوص وہ روبروئے خانصاحب
نور محمد خان تنگوانی نہایت منت و سماجت سے آکر کہنے لگا کہ گامن! حلف اٹھاکر کہہ دینا۔ کہ فلاں جگہ تک
اراضی میاں قادر بخش کی ملکیت ہے۔ اور نیز اس کا قبضہ ہے۔ حالانکہ یہ جھوٹ تھا۔ گامن کہتا تھا۔ کہ میں
نور محمد خان کی طرف دیکھتا تھا۔ اور وہ کہنے لگے کہ مرشد جو کہوا مان لو۔ اسپر حضرت غریب نوازنے فرمایا۔ کہ نور محمد خان
نے یہ سنا ہوگا۔ ؎ بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید۔ کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا۔
پھر ایک حکایت فرمائی کہ ایک درویش حضرت فخر جہان حضرت خواجہ فخر الدین صاحب دہلوی قدس سرہٗ
کی خدمت میں رہتا تھا۔ اور اس شعر کو اسنے استفسار کیا مکہ یا حضرت! اس شعر کا کیا مطلب ہے۔ حضرت
ممدوح نے فرمایا۔ کہ درست ہے۔ سالک اگر کہہ دیوے۔ تو سجادہ کو شراب سے رنگین کرنا چاہیئے۔ کیونکہ سالک
سلوک سے باخبر ہوتا ہے۔ اس درویش نے عرض کیا۔ کہ غریب نواز۔ مصلےٰ پاک چیز ہے۔ ناپاک شراب اُسپر
کیوں کر ڈالی جاوے۔ یہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ خواجہ فخر جہاں رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کہ تمہاری سمجھ میں آجائیگا
خدا کی قدرت۔ کہ اس واقعہ کو سال دو سال گذر گئے۔ اور وہ درویش بد قسمتی سے ایک طوائف پر
مفتون ہوگیا رفتہ رفتہ یہ خبر حضرت فخر جہان رضہ تک پہنچ گئی۔ آپ نے اس درویش صفا کیش کو خلوت میں
یاد کیا۔ اور کیفیت دریافت فرمائی۔ درویش نے تمام حال عرض کر دیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ عشق بُری چیز ہے
اگر تم اس عورت کے ہاں رہنا چاہو۔ تو بیس پچیس روپیہ جو خرچ ہوں۔ وہ ہم گنڈ سے دے دینگے۔ اس
درویش نے اس بات کو استعجاب سے سنا۔ اور نہایت شرمندہ ہو کر کہا۔ کہ حضور! زنا کس طرح کروں۔
آپ نے فرمایا۔ ہم تم کو زنا کا نہیں کہتے۔ اگر خرچ کی ضرورت ہو۔ تو ملاقات کے واسطے ہم روپیہ دے دینگے
اسنے کہا۔ کہ نہ غریب نواز۔ ؎ چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی۔ فقیر اٹھکر چلا گیا ہفتہ عشرہ کے
بعد حضور میں اطلاع ہوئی۔ کہ فقیر سخت بیقرار ہے۔ آپ نے یاد فرمایا۔ تو اس نے گریہ شروع کیا۔ اور اس امر کی
اپیل کی۔ کہ میری شادی اس عورت سے ہو جاوے۔ آپ نے متانت سے فرمایا۔ کہ بابا۔ اگر خرچ کی ضرورت
ہو۔ تو لے جاؤ۔ شادی میرے اختیار میں نہیں ہے۔ درویش اس مرتبہ بھی چلا گیا۔ تیسری مرتبہ پھر آیا۔
اور روپیہ لے کر چلا گیا۔ جب سب لوگ سو گئے تو درویش اپنی محبوبہ کے ہاں پہنچا۔ ایک دوسرے کے
وطن کا حال پوچھا۔ وہ عورت بلخ کی رہنے والی تھی۔ اور یہ نوجوان بھی بلخی تھا۔ رہائش محلہ وغیرہ معلوم
کرنے سے معلوم ہوا۔ کہ وہ عورت تو اس فقیر کی منکوحہ ہے۔ سبب مفارقت کا یہ تھا۔ کہ مرہٹوں کی لڑائی میں

وہ عورت گرفتار ہوئی تھی۔ اور یہاں طوائفوں نے خرید لیا تھا۔ دونو منہ پھاڑ پھاڑ کر روئے۔ صبح کو فقیر حضور میں آیا۔ اور جب خلوت میں اس سے کیفیت ملاقات دریافت کی گئی۔ تو اس نے عرض کیا۔ کہ غریب نواز وہ تو میری منکوحہ نکلی۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ اب تم کو حافظ کے اس شعر کا عقدہ کھلا۔ ؎ کہ بمے سجّادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید۔ تم کو زنا نظر آتا تھا۔ مگر نعوذ باللہ میں تمکو زنا کی اجازت کب دیتا۔ مجھے معلوم تھا۔ کہ یہہ تمہاری زوجہ ہے۔ تمت حکایتہ۔ اسکے بعد حضرت غریب نواز نے فرمایا۔ کہ مرشد بھی ایسا مرشد ہو میاں قادر بخش جیسا نہ ہو۔ دیگر۔ جہالت کے ایام میں ایک دفعہ مجرم (گل محمد خان انسپکٹر پولیس) عرس شریف پر حاضر نہ ہوا۔ اور اپنے اشیانہ ویرانہ میں بُوم صفت بیٹھا رہا۔ ختم کے دن خیال آیا۔ کہ آج تو جاؤں اور نماز ظہر میں داخل ہو وؤں۔ اور بشمول صفوف جماعت مسلمانان جو سلطان وقت کو مسجد میں تشریف لاتے وقت دو دستی سلامی ہوتی ہے۔ وہاں پر میں بھی اوروں کی طرح سلام کر لوں۔ اجلاس میں جا کر پابوس نہ ہووں۔ کیونکہ حضور والا خیال کرینگے۔ کہ یہ شخص آج ہی آیا ہے۔ اور اب تک اپنے گھر بیٹھا رہا ہے الغرض مجرم ایک صف میں موجود تھا۔ کہ حضور لامع النور نے دکن کے کونہ سے سہیل ستارہ کی طرح جلوہ دکھایا۔ ایک نور خدا نظر آیا۔ ہم سب نے مشکرانہ کے طور پر دو دستی سلام کیا۔ مجرم کا چھپ چھپاؤ بھی اسمیں آگیا نماز ظہر کے بعد مخلوق کا اجتماع منتشر ہوا۔ اور علاقہ کے لوگ اپنے اپنے گاؤں کو چلے گئے۔ مجرم بھی اپنے بوم خانہ میں پہنچا۔ صبح کو کسی مطلب کیلئے مجرم حضور والا میں بموقعہ مراقبہ حاضر ہوا۔ پابوسی کی سعادت سے مشرف ہوا۔ حضرت صاحب نے التفات فرمائی۔ اور پوچھا کہ گل محمد! ہماری جماعتیں دیکھی تھیں۔ مجرم خاموش ہو گیا مکرر فرمایا۔ کہ نماز کی جماعتیں کہتا ہوں۔ اول تو تھوڑی تھیں۔ پھر بڑھ گئی تھیں۔ مجرم سمجھ گیا۔ کہ یہہ اشارہ کسطرف ہے۔ دست بستہ معافی مانگی۔ اور رخصت ہوا۔

نوٹ ملا: مولف آئینہ نورانی یعنی خاکسار الٰہ بخش بلوچ ملغانی نے اس حکایت میں انہی الفاظ کو بعینہ لکھدیا ہے۔ جو خانصاحب مرحوم نے اپنے بیاض میں لکھے تھے۔ تاکہ ناظرین کو معلوم ہو۔ کہ اصل واقعہ اصل مولف نے کن الفاظ میں لکھا ہے۔

دیگر۔ ایک دن قیلولہ کے وقت مجرم حضور والا کے پیر مبارک دباؤں رہا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ گل محمد! تمہارا باپ کیوں حضور خواجہ غریب سے بیعت نہ ہوا۔ مجرم نے عرض کیا۔ کہ حضور والا کی بیعت جو ہوا پھر کیا حاجت رہی فرمایا۔ کہ میں تو ایسا ہوں۔ کہ پانی نہ ہو۔ اور تیمم کیا جاوے۔ اسپر غلام نے عرض کیا۔ کہ اس کا کیا سبب ہے۔

کہ میرا دل حضور والا کے سوائے اوروں کو نہیں چاہتا۔ فرمایا۔ کہ تم نے خواجہ علیہ الرحمۃ کا دیدار جو نہیں کیا۔ میں نے بڑے بڑے اولیا کرام کے سوانح ایام کا مطالعہ کیا ہے۔ ان سب کے حالات یکجا کر کے جب خواجہ صاحب سے مقابلہ کرتا ہوں۔ تو مساوی نہیں ہوتے۔ مبادا تم خیال کرو۔ کہ میں پیری مریدی یا حسن اعتقاد کی وجہ سے کہتا ہوں۔ نہیں بلکہ انصاف کی نظر سے کہتا ہوں۔ ع آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔ حضور والا نے واقعی سچ فرمایا۔ حضرت خواجہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات کو کون پہنچ سکتا ہے۔ انہی کو معلوم ہیں جنہوں نے انہیں دیکھا ہے۔ گر کچھ یقین میرا نہ ہو۔ اگر یہ تو نسی دیکھ لو۔ پھر آپ اندازہ کرو۔ ہی راست یا جھوٹا سخن ما

دیگر۔ ایک جناب نے دوپہر کیوقت قیلولہ کے واسطے قد دراز فرمایا۔ اور سلسلہ گفتگو میں ارشاد کیا۔ کہ مولوی مرید غوث صاحب داجلی کے پاس آٹھ سو روپیہ چاولوں کی خرید کیواسطے بھیجا گیا تھا۔ کہ لنگر شریف کے لئے درکار تھے۔ چاول آ گئے۔ مگر ٹوٹے ہوئے اور ناقص۔ میں نے مولوی صاحب کو لکھا۔ کہ یہ کیسے چاول بھجوائے۔ انہوں نے یہ چاول پیر بخش ملا تھانیدار سنر وقلات کی معرفت خرید کئے تھے۔ جو میاں غلام نبی تنا کا ہمشیرزادہ ہے۔ مولوی صاحب نے وہ کاغذ بجنسہٖ میاں غلام نبی تنا کو دکھلایا۔ اس نے کچھ بکواس کی۔ چونکہ حضرت صاحب (خواجہ علیہ الرحمۃ کی طرف اشارہ ہے) کی عادت ہے۔ کہ اپنے آشنایان کو جلد سزا دیتا ہے۔ اسلئے میاں پیر بخش انہی دنوں میں تھانیداری سنر وقلات سے ڈسمس ہوا۔ اور ایک گھوڑی ۲۰۰ روپے کی مر گئی۔ (یہ جرمانہ بھی پڑا) میرے آگے روتا ہوا آ کھڑا ہوا۔ مگر وہ تنا آج تک نہیں آیا۔ اسکی انتظار میں بیٹھا ہوں انتہی

ع۔ چوں خدا خواہد کہ پردۂ کس درد ٭ میلش اندر طعنۂ پاکاں زند

دیگر۔ ایکدفعہ کا ذکر ہے۔ کہ حضرت غریب نواز ملتان میں رونق افروز تھے۔ نماز ظہر کے بعد بگھی پر سواری فرمائی اور سیر کو تشریف لے گئے۔ حضرت صاحبزادہ خواجہ محمد محمود صاحب بھی ساتھ تھے۔ مجرم کو بھی بگھی پر جگہ ملی۔ ایک قبرستان سے گذر ہوا۔ جہاں نواب حاجی غلام مصطفےٰ صاحب خاں کوانی علیہ الرحمۃ کی تربت ہے۔ اور وہاں شہر خموشاں میں آرام کر رہے ہیں۔ آپ نے شاہزادہ محمود صاحب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ محمود ا۔ پارسال بھی ہم نے تیرے نانے کی مدد نہ کی تھی۔ آؤ تو اب ان کی مدد کرتے جاؤ۔ آپ بگھی سے اترے۔ اور حاجی صاحب کی قبر پر فاتحہ پڑھا۔ لوٹتے وقت ایک کچی قبر پر جو ذرا دور تھی۔ حضرت کی نگاہ پڑ گئی۔ اس پر کاشی کی اینٹ لگی ہوئی تھی۔ آپنے ایک سے فرمایا۔ کہ ذرا پڑھو۔ یہ کس کی قبر ہے۔ اس نے آ کر کہا۔ کہ غریب نواز لکھا ہوا ہے۔ فلانی ملتان کا ...... حضرت غریب نواز نے میری طرف دیکھکر تبسم فرمایا۔ اور ارشاد کیا۔ کہ گل محمد وہاں جہاتی ہیں

تو مسل منگانی پڑتی ہے۔ سو اس کیلئے مسل منگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی نوشت کو دیکھتے ہی جو بیوکی
مزار پر زار شروع ہو جائیگی۔ دیگر ایک دن حضور والا نے ارشاد فرمایا۔ کہ حضرت خواجہ علیہ الرحمتہ ایک دن میرے
شانے پر سہارہ کئے ہوئے تشریف لا رہے تھے۔ کہ سامنے شادو لنگاہ مل گیا۔ اور کھڑا ہو کر کہنے لگا۔ کہ اسیطرح
ان کو حضرت رسول کریم صلعم کی کچہری میں لے جاؤ۔ حضرت کریم نے مجھ سے ہاتھ اُٹھا لیا۔ اور فرمایا۔ کہ مجھے تو
طاقت نہیں ہے۔ تم لے جاؤ۔ میں دل میں کہنے لگا۔ کہ حضور کو نور باطن سے معلوم ہے۔ کہ میں نے شادو کو
کسی قسم کی سفارش کا نہیں کہا۔ اس نے از خود یہ معاملہ کہا ہے۔ پس آپ ایک لحظہ تک ہاتھ اُٹھائے رہے۔ پھر
میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔ اور فرمایا۔ کہ چلو۔ شادو کا بولنا اور خر کا گوز برابر ہے۔
دیگر جب خاکسار سیوی بلوچستان میں انسپکٹر پولیس تھا۔ تو رخصت لے کر دربار میں حاضر ہوا۔ ایک شخص
میاں غلام محمد نام جو ملازمت پولیس سے مستعفی ہو چکا تھا۔ میرے ساتھ تھا۔ اس نے مجھے راستہ میں کہا
تھا کہ اپنے حضرت سے مجھے کچھ فقیری لے دو۔ میں نے عرض کیا۔ کہ یہ ناممکن ہے۔ اسنے جواب دیا۔ کہ ناممکن تو
ایک چیز ہے۔ اور بس۔ کہ بعد وفات پیغمبر علیہ السلام کسی اور آدمی کو پیغمبری نہیں مل سکتی۔ رات کیوقت
اعلیحضرت نے استفسار فرمایا۔ کہ گل محمدؐ! یہ دوسرا ہمراہی تیرا کون ہے۔ میں نام و تعریف عرض کی۔ آپ نے نام لیکر
بلایا۔ کہ غلام محمدؐ! میرے پاس آؤ۔ جب وہ حاضر ہوا۔ تو آپ نے باجرے کے دانے جو خود بدولت نوشجان فرماتے
تھے اسے عطا کئے۔ یہ تبرک خاکسار کو بھی ملا تھا۔ اسپر میں نے موقع دیکھکر عرض کیا۔ کہ یہ شخص مجھے راستہ میں
کہتا تھا۔ کہ مجھے اپنے حضرت صاحب سے کچھ فقیری لے دو۔ مینے اسے کہا۔ کہ یہ غیر ممکن ہے۔ بولا۔ کہ پیغمبری
کسی کو نہیں مل سکتی۔ باقی ہر ایک چیز مل سکتی ہے۔ آپ نے پوچھا کہ پیغمبری کیوں نہیں مل سکتی۔ میں نے
عرض کیا کہ اسکے متعلق تو عدہ ہو چکا۔ یعنی نص قرانی نے فیصلہ کر دیا۔ اور پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا۔ کہ لا نبی
بعدی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ فقیری کیواسطے ایسا ہی سمجھ لو۔ اسکے بعد سلطان روم اور سلاطین یورپ کا ذکر
ہونے لگا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ سلطان روم بھی (رام بھاویں) اتنا فرمایا۔ اور خاموش ہو گئے۔ اور یہ شعر تھوڑی دیر کے
بعد زبان مبارک پر فرمایا۔ ؎ ہمکو کیا گر بہار آتی ہے دل وہ غنچہ نہیں کہ وا ہووے
دیگر۔ ایک دن صبح کی نماز کیوقت خاکسار کو وسواس ہوا۔ کہ آج سورج طلوع ہو چکا ہوگا۔
حضور بعد فراغت نماز روضہ مبارک میں تشریف لے گئے۔ اور اسکے بعد عبادت خانہ میں تشریف لائے۔
اور مجھ سے فرمایا کہ گل محمد رام رام۔ اور اسکے بعد حافظ محمد و کو بھیجا۔ کہ چھت پر چڑھکر دیکھو۔ کہ سورج نکل آیا ہے

حافظ محمد وسے کہا۔ کہ حضور ابھی طلوع نہیں ہوا۔ میں دل میں سخت شرمندہ ہوا۔ مگر قلب کا اطمینان ہوگیا
(یہ حکایت خاتم سلیمانی میں مفصل درج ہے۔ دیگر ایک دن خاکسار نے حضور عالیجاہ سے اجازت طلب کی
کہ سوکڑ میں یہ جانا ضروری ہے تاکہ میں اپنی خواشدامن صاحبہ کی تعزیت کو آؤں (حاضرین کو معلوم ہو کہ
کہ خانصاحب گل محمد خان کی اہلخانہ کا بلوچستان میں انتقال ہوگیا تھا) آپ نے فرمایا۔ کہ ہاں ساس کی
اچھی طرح دلداری کرنی۔ اور وہ تمہیں ملامت کرینگے۔ مگر یہ تمام ملامت تو میرے ذمہ ڈال دینا۔ میں نے
عرض کیا۔ کہ حضور ملامت آپ کے ذمہ کیسی۔ آپ نے تو اور ذمہ لیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ وہ لوگ کہتے ہیں۔
کہ حضرت صاحب نے ہی اسے الوزی میں بھجوایا۔ اور وہ وہاں مرگئی۔ میں خاموش ہوگیا۔ ایک دو را میں سوکڑ
میں رہا کر۔ اور اسکے بعد جو اسکے زیور وغیرہ تھے۔ سب لاکر حضور کی خدمت میں دیدیے۔ کیونکہ متوفیہ کی وصیت یہی تھی حضور نے
فرمایا۔ کہ ہمیں حاجت نہیں ہے۔ ہم تو نوکری تم سے اس واسطے کراتے ہیں۔ کہ تمہارا نفس قبضہ میں رہے۔ ورنہ
اس مغضوب سے ہمیں کیا واسطہ۔ دیگر انہی دنوں میں خاکسار نے ارادہ کیا۔ کہ خفیہ طور پر روزہ رکھوں۔
چنانچہ چند روز اسیطرح گذرے۔ جس مکان میں میری رہائش تھی۔ وہ مکان لنگرخانہ کا تھا۔ اور وہاں ایک
درخت بیری کا تھا۔ ایکدن میں نے دیکھا۔ کہ ایک بڑا شہد کا چھال ہے۔ خیال آیا۔ اور نفس نے آمادہ کیا۔ کہ
مکھن اور شہد ملا کر کھاؤں۔ چنانچہ حافظ محمد وسے جو مہتمم اس مکان کا تھا۔ شہد اتارنے کی اجازت لے لی
اور مکھن موضع سوکڑ سے منگوایا۔ پس شہد اور مکھن لے کر حضور میں پہنچا۔ بعد نماز مغرب حضور گرم خانہ میں رونق
افروز تھے۔ یہ اظہار کرنا ضروری ہے۔ کہ میرے دل میں تمنا یہی تھی۔ کہ حضور اسے تناول فرمائینگے۔ اور پھر
تبرک مجھے عطا کرینگے۔ اور خوب کھاؤنگا۔ جب آپ کی خدمت میں وہ اشیاء گیا۔ تو آپ نے تجاہل عارفانہ سے
پوچھا۔ کہ کیا ہے؟۔ حاضرین میں سے ایک نے عرض کیا۔ کہ غریب پرور۔ مکھن اور شہد ہے۔ گل محمد خان حضور
کیواسطے لایا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ لے جاؤ۔ میں کیا کروں۔ ڈیوڑھی پر دیدو۔ کہ گل محمد خان کیواسطے
صبح کے کھانے میں بھیجیں۔ ملازم دربار نے حکم کی تعمیل کی۔ اسکے بعد حضور دولت سرائے میں عشا کا کھانا
تناول فرمانے کیواسطے تشریف لے گئے۔ اور جب وقت مقررہ پر تشریف لائے۔ تو آپ نے پوچھا۔ کہ یہ
شہد کہاں سے آئی تھی۔ میں نے عرض کیا۔ کہ فلاں بیری جو لنگر شریف کی ہے۔ اسپر آپ نے حضرت حافظ
محمد موسیٰ صاحب کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ کہ دیکھ لیا صاحب!۔ یہ فقرہ آپ نے کچھ اس لہجہ سے ادا کیا۔ کہ
میرا دل کانپ اٹھا۔ میں اپنے فعل پر سخت منفعل ہوا۔ بعد نماز عشا آپ نے حضور صاحبزادہ میاں غلام صدیق صاحب

فرمایا۔ کہ وہ کسی مرید پر ناراض ہو گئے تھے۔ اور جلال آ گیا۔ لگے اس کو بد دعا کرنے۔ یہاں تک کہ اسے تلف کر دیا۔ نماز عشا کے بعد گرم خانہ میں تشریف لائے۔ اور خاکسار بدستور اپنے کئے پر پشیمان تھا۔ میرے حضور سپار پائی پر بیٹھے تھے۔ خود بخود ذکر کیا۔ کہ ایک عورت تھی۔ جو حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ سے بیعت ہوئی تھی۔ اس سے کوئی قصور ہوا۔ اور آپ ناراض ہو گئے۔ عفو کی ملتجی ہوئی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ گیارہ لاکھ تسبیح استغفار پڑھیے۔ جب اس نے یہ ورد تمام کیا۔ تو حضور خواجہ صاحب نے فرمایا۔ کہ فلانی! اب تیرا ایمان کامل ہوا۔ خاکسار نے اس حکایت سے یہ نتیجہ اخذ کیا۔ کہ یہ وظیفہ مجھے بتایا گیا ہے۔ چنانچہ جتنا ہو سکتا ہے۔ میں پڑھتا ہوں۔ دوسرے دن صبح کا کھانا آیا۔ تو مکھن اور شہد موجود پائی۔ میں نے ندامت کی وجہ سے نہ کھائی۔ بلکہ ایک اور شخص کو دیدی۔ رات کو پھر آپ نے استفسار فرمایا۔ کہ کل محمدؐ! عسل کھائی تھی۔ میں نے عرض کیا۔ کہ نہیں!۔ آپ نے پوچھا بھلا کیوں نہ کھائی۔ اسے تو میں نے اپنے ہاتھ سے ملایا تھا۔ مجھے بخوبی یاد ہے۔ کہ یہ سن کر میں نے سکوت اختیار کیا۔ اور دل میں یہ عہد کر لیا۔ کہ باقی عمر شہد نہ کھاؤنگا۔ مگر یہ بات حضور کو منظور نہ تھی۔ اور اگرچہ میری زبان سے کوئی کلمہ اس بارہ میں نہ نکلا۔ لیکن پھر میرے واسطے مکھن و شہد بھجوائی گئی۔ پس مجھے لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ والا واقعہ یاد آ گیا۔ اور لنگر شریف کی عسل کھائی۔ کیونکہ مجھے بخوبی معلوم ہو گیا۔ کہ شہد کھانے میں میری بہتری اور نہ کھانے میں ایمان کا ضرر ہے۔

نوٹ:۔ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ کی تفسیر اس طرح پر ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے اپنی کسی زوجہ محترمہ کے گھر سے شہد کھانے کے متعلق پختہ ارادہ کر لیا۔ کہ آئندہ میں شہد نہ کھاؤنگا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ کہ اے پیغمبر! جو چیز ہم نے حلال کر دی ہے۔ کیوں آپ اپنے اوپر حرام کرتے ہیں۔ کیا آپ کو اپنی ازواج کی خاطر داری منظور ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ تو آپ نے فوراً نقض عہد کیا۔ اور برابر شہد کا کھانا شروع کر دیا۔ اس حکایت کو اگر غور سے دیکھا جاوے۔ تو معلوم ہو گا۔ کہ قرآن کریم کا یہ معجزہ ہے۔ کہ واقعی وہ کلام الٰہی ہی اور یہی وجہ ہے۔ کہ معترضین کے اعتراضات کے کافی و شافی جواب دیئے جا سکتے ہیں۔ آنحضرت کا شہد کو اپنے اوپر حرام کرنا۔ گویا ایک تواریخی واقعہ ہے۔ اور پھر اس آیت کا بطور ہدایت نازل ہونا اس امر کی روشن دلیل ہی کہ قرآن شریف منجانب اللہ ہے۔ نہ آنحضرت صلعم کا بنایا ہوا ہے۔ وہ تو امی تھے۔ اگر نعوذ باللہ وہ خود قرآن تصنیف کرتے۔ تو کیا اس میں اپنی یہ کمزوری یا سہو ظاہر کرتے۔ فافہم وتدبر۔

دیگر۔ ایک دن آپ مثنوی شریف حضرت مولینا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ فرماتے تھے۔

یکایک کتاب میرے ہاتھ میں دی۔ اور فرمایا۔ کہ دیکھو گل محمدؐ! یہ کتاب میں نے بڑے شوق سے لکھوائی تھی۔ اور مطالعہ کرایا تھا۔ مگر فرصت نہیں ہے۔ کہ اسکا مطالعہ کروں۔ اسپر میں نے عرض کیا۔ کہ غریب نواز بھلا مصنف علیہ الرحمۃ کو اسقدر فرصت کہاں سے مل گئی۔ کہ اتنی بڑی کتاب کو تصنیف کیا۔ آپ ایک لحظہ خاموش رہے۔ پھر فرمایا۔ کہ سارا جہان تو ایسا نہیں۔ یہ تو ہم بیکار ہیں ہزاروں شغل ہیں۔ مریدوں کی خبر۔ زمانہ سے تعلق۔ وہ لوگ باکمال تھے۔ سُبْحَانَ اللہ۔ (خانصاحب گل محمد خان لکھتے ہیں۔ کہ میری دانست میں تو حضرت خواجہ صاحب ذکر الٰہی میں اسقدر مصروف ہیں کہ انہیں کتاب اللہ کے سوا اور کتاب پڑھنے کی فرصت نہیں۔ دیگر۔ ایک شخص تھا۔ سفید ریش۔ جو ایکدن نماز عصر کے بعد حضورؐ کے دربار دُربار میں بیٹھا تھا۔ آپ نے اسے فرمایا۔ کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ اسجگہ مت بیٹھو۔ اور چلے جاؤ۔ اسنے عرض کیا۔ کہ قبلہ میرے کپڑے ناپاک تھے۔ اسواسطے نماز نہیں پڑھی۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ میاں یہاں رات کو نمازی آئینگے۔ اور تجھے آرام نہ کرنے دینگے۔ چلے جاؤ۔ اس نے عرض کیا۔ کہ حضور اسقدر ناراض اور سخت نہ ہوویں۔ میں تو آپ کا مرید ہوں آپ نے فرمایا۔ نہیں نہیں چلے جاؤ۔ پس وہ بیچارا چلا گیا۔ حضور کو بے نماز سے سخت نفرت تھی۔ اسواسطے اسی رخصت کر دیا۔ چنانچہ ایکدفعہ مولوی خدابخش صاحب سے فرمایا۔ کہ ہمکو وہ حدیث شریف بہت پسند ہے۔ جانور پلید کہتا ہے۔ کہ باری تعالیٰ! ہزار بار تیرا شکر ہے۔ کہ تو نے مجھے بدجانور بنایا۔ لیکن بے نماز نہیں کیا۔ گویا بے نماز خنزیر سے بھی بدتر ہے ؎ روز محشر کہ جاں گداز بود   اولیں پرسشش نماز بود

دیگر۔ حج شریف کے ایام میں۔ آپ کراچی میں مقیم تھے۔ کہ حضرت بہلولؒ دانا کا ذکر ہوا۔ میں نے عرض کیا۔ کہ بہلول سے کسی بزرگ سے پوچھتا تھا۔ کہ تمہارے پاس کیا کیا چیزیں ہیں۔ اس نے جواب دیا۔ کہ فلاں۔ فلاں فلاں (یعنی ہر ایک کا نام لینا شروع کیا) پھر اس بزرگ نے بہلول سے یہی سوال کیا۔ بہلول نے جواب دیا۔ کہ بس بہلول دیک لچکول۔ حضرت غریب نواز نے فرمایا۔ کہ بہلول کا تو کچکول تو تھا۔ مگر میرے پیر کا (حضرت خواجہ محمد سلیمانؒ) کچکول بھی نہ تھا۔ اسپر شہزادہ محمود صاحبؒ نے عرض کیا۔ کہ قبلہ! بعض اولیا کرام اسقدر تارک الدنیا ہوئے ہیں۔ کہ چالیس سال تک برابر انہوں نے پاؤں میں کفش تک نہیں لی۔ آپ نے فرمایا بیشک۔ مگر وہ لوگ دنیا کو چھوڑ کر صحرا میں چلے جاتے تھے۔ لطف یہ ہے۔ کہ دنیا میں رہیں۔ تعلقات دنیاوی قائم رکھیں عرش سے تحت الثریٰ تک حکومت کریں۔ پھر دیکھیں۔ کہ وہ کس درجہ تک باخدا یا وار خلق بڑا سمجھے جاتے ہیں۔ اور انہی دنوں مجھ مسکین کو حکم ملا تھا۔ کہ اسٹیشن رُک تک حاضر ہو کر لنگر کی گھوڑوں کے

پہنچانے کا انتظام کروں۔ چنانچہ حاضر ہوا۔ دیگر عرصہ سے شوق زیارت دل میں تھا۔ اور موقع رخصت کا نہ ملتا تھا۔ اسی حالت میں سال گذر گیا۔ دس یوم رخصت ملی۔ استانہ متبرکہ پر حاضر ہوا۔ غالباً تین یوم حضور کی خدمت میں حاضر رہا۔ آپ نے استفسار فرمایا۔ کہ کتنے دن یہاں رہے۔ عرض کیا۔ کہ تین یوم آپ نے فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ ع تم آگئے۔ یعنی تھی کیا آئے کیا ملے۔ اس کے بعد مولوی عزیز الدین صاحب بہاولپوری (مرحوم) کی طرف جو اسوقت موجود تھے۔ توجہ فرما کر بولے۔ کہ گل محمدؐ بہت بارد۔ یعنی سرد ہے۔ تھوڑی سی آگ لے کر چلا جاتا ہے۔ مگر نہ اتنی کہ گھر بھی جل جاوے۔

دیگر۔ ایک دن فرمایا۔ کہ گل محمدؐ! اس بیلوں کے جوڑے کو دیکھا۔ جو آپ کی ملکیت تھا؟ پھر فرمایا۔ کہ گل محمدؐ! اس شخص کو پہچانتا ہے۔ یہہ صاحب میاں غیاث الدین ہندوستانی تھے۔ جو ریاست بہاولپور میں ملازم تھے۔ اور ہمیشہ حضور میں آیا کرتے تھے۔ پھر فرمایا۔ کہ وہ شخص بھی پہچانتے ہو؟ حافظ محمد بقا نام۔ وطن اسکا پہاڑ میں تھا۔ اور بزدار قوم میں سے ایک مشہور عالم کی اولاد میں سے تھا۔ میں نے عرض کیا۔ کہ نہ قبلہ!۔ آپنے فرمایا۔ کہ یہہ بھی عجیب شخص ہے۔ سبق پڑھتا تھا۔ اب اسکا والد آکر اسے پہاڑ میں لے جاتا ہے۔ مگر یہہ دس پندرہ یوم کے بعد پھر یہاں آجاتا ہے۔ پھر اسے والد آکر لے جاتا ہے۔ مگر اسے قرار نہیں آتا۔ پھر فرمایا کہ نام کی برکت ہے۔ ایک محمد بقی نام ڈیرہ غازیخان میں تھا۔ بہت مجذوب۔ دوسرا محمد بقی نام اسکا ہے نیک طالب علم تھا۔ بس خیال میں پڑ گیا ہے۔ اب خوار پھر رہا ہے (خوار پھر رہا ہے۔ یا کہ لطف عبادت حاصل کر رہا ہے۔ اور صراط مستقیم پر چلا جا رہا ہے مؤلف) میں نے ایک مصرع پڑھا۔ ع نخواہد ایں چمن از لالہ خالی آپنے فرمایا۔ کہ میں تو کوئی چیز نہیں ہوں۔ لوگوں نے بنا رکھا ہے۔ اور مجھ سے تو کچھ بھی نہ ہوا۔ ع نہ یار ملا نہ وصال صنم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے دیگر۔ دس یوم کی رخصت جلد گذر گئی۔ اور بندہ نوکری پر واپس آیا۔ اس عرصہ میں میری تبدیلی علاقہ ژوب میں ہو گئی۔ عیال ہمراہ تھا۔ میری اہلیہ اثنائے وضع حمل میں بمقام اپوزی فوت ہو گئی۔ اس نے وصیت کی۔ کہ جو میرا گہنا کپڑا ہے۔ سے حضور کی میری طرف سے پیش کریو۔ الغرض ابھی چھہ یوم ہی متوفیہ کو اس دنیا سے گذرے تھے۔ کہ میں تین ماہ کی رخصت لیکر تونسہ شریف میں روانہ ہوا۔ بارہ دن کے سفر کے بعد میں پہنچا۔ حضور پر نور بڑے محل پر تشریف فرما تھے۔ میں نے قدمبوسی کا شرف حاصل کیا۔ آپ اٹھے۔ معانقہ فرمایا۔ اور بیٹھ گئے۔ ذکر اذکار شروع ہوا۔ اور تعزیت دولداری کے طور پر ہمدردی و محبت کے الفاظ فرمائے۔ اور ارشاد کیا۔ کہ وہ تو شہید ہے۔ اور تمہارا حال

کسی کو معلوم نہیں ہے۔ کوئی دیکھ کر واپس نہیں آیا۔ تین مہینے کی رخصت کافی ہوتی ہے۔ اس عرصہ میں
جو کچھ واقعات پیش آئے۔ قلمبند کرتا ہوں۔ دیگر ایک دفعہ پچیس ۲۵ یوم کی رخصت لیکر پاکپتن شریف روانہ
ہوا۔ حضور اکثر فرمایا کرتے تھے۔ کہ گل محمد کوئی سندھی کافی گانے والا ہماری طرف نہیں لائے۔ اس واسطے میں
چار پانچ یوم سکھر شکارپور اتر پڑا۔ اور بہت کوشش کی۔ کہ حسب فرمان حضرت غریب نواز کوئی سندھی کافی
گانے والا مل جاوے۔ مگر نہ ملا آخر کار ان پانچ یوم کی تلاش کے علاوہ چار یوم سفر میں لگ گئے۔ جب میں حضور کی
خدمت میں آیا۔ تو آپ نے پوچھا۔ کہ کتنی رخصت ہے۔ اور کتنے یہاں رہو گے۔ میں نے عرض کیا۔ کہ دس گیارہ یوم آپ نے
فرمایا۔ یہ جو لوگوں میں مشہور ہے۔ کہ میں نے پیر کا نورانہ دیتا ہے اسکا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب ہے
کہ کم سے کم نو شب تو اپنے پیر کی خدمت میں رہے۔ اگر زیادہ رہے۔ تو اچھا ہے۔ ورنہ اس سے کم تو ہرگز نہ رہے۔ دراصل
یہ اشارہ میری طرف تھا۔ مگر میں نہ سمجھا۔ اور ارادہ کیا۔ کہ دس بارہ یوم یہاں حضور میں حاضر رہونگا۔ جب نو یوم
گذر گئے۔ پھر تو وہ طوفان بارش شروع ہوا۔ کہ الامان پانچ چھ یوم تک سفر نہ کر سکا۔ ملازمت کا معاملہ تھا
بہت کچھ جواب طلبی ہوئی۔ مگر حضور کی برکت سے کچھ گزند نہ پہنچا۔ یہ حکایت پہلے بھی لکھی جا چکی ہے۔

دیگر عرس شریف کا موقعہ تھا۔ دور دور کے لوگ نظر آتے تھے۔ میں انہیں دیکھ دیکھ کر حیران تھا۔ کہ اسقدر
مخلوق کہاں سے آگئی۔ کئی نواب اور کئی امیر اور کئی راجے مہاراجے دکھائی دیتے تھے۔ دل میں حیرت
تھی۔ کہ اسقدر زیادہ لوگ کہاں سے آگئے ہیں۔ پہلے تو ڈیرہ اسماعیل خان کے نواب آیا کرتے تھے۔ وہ جب
علاقہ ژوب کی مہم پر فوج انگریزی کے ہمراہ چلے گئے تھے۔ اور تمنداران ڈیرہ غازیخان اگرچہ عرس شریف
کے موقع پر آیا کرتے۔ مگر اسدفعہ سب کے سب منزوقالات تھے۔ اور وہاں کار سرکار میں مصروف تھے اگرچہ
بعض صاحبان نے رخصت لی۔ مگر سوائے خان محمد حسین خان سردار کے کوئی بھی نہ آیا۔ خانصاحب احمد خان
تمندار لنڈ اور سردار فضل علی خان تمندار قیصرانی نے باوجودیکہ رخصت لی تھی۔ مگر عرس شریف پر اسدفعہ
شامل نہ ہو سکے تھے۔ بعد نماز ظہر حضور نے بگی تیار کرنے کا حکم دیا۔ فوراً تیار ہوئی۔ حضور سوار ہوئے۔ سیاہ
غلاف بھی بنظر بد کیواسطے ہمرکاب ہوا۔ باعقیدہ راہگذر جو ہجوم عرس شریف کی وجہ سے زیارت سے محروم تھے۔
خدایو دقت کو دیکھ کر خدا کا شکر بجا لائے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ ہر چیز کہ در کان نمک رفت۔ نمک شد سنا ہے
کہ یہ مقولہ بالکل صحیح ہے۔ اور کھیوڑہ کی جو کان ہے۔ اس میں اگر آدمی گر پڑے تو کچھ عرصہ کے بعد
وہ آدمی بھی نمک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی گدھا بھی گر پڑے۔ تو وہ نمک ہو جاتا ہے۔ اس پر میں نے

جو جنت میں ۔۔۔ تھا۔ کہ صحبت حضور عالی سے اسقدر مرتبہ بلند ہوا۔ کہ سلطان وقت کی بگھی پر سوار ہوں
دیگر آپ نے ایکدفعہ مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ فرمایا۔ کہ شاعر بھی تھے۔ باکمال بھی تھے۔ اور جب زیارت روضہ
منورہ کیواسطے جایا کرتے تھے۔ تو یہ بیت فرماتے تھے۔ ؎ سیدا سرورا نومولائی ۔ بسفرے روم چہ فرمائی
کہتے ہیں جواب آتا تھا۔ ؎ بسفر رفتنت مبارکباد ۔ بسلامت روی و باز آئی۔
مصرع اول سے مقصود کونین حاصل ہوجاتے تھے۔ اور مصرع ثانی سے اس امر کی بشارت ہوتی تھی۔ کہ پھر ہمارے
پاس تم نے آنا ہے۔ (معلوم نہیں۔ کہ یہ واقعہ عالم رویا کا ہے۔ یا ظاہر کا۔ کیونکہ حیات النبی مشہور مقولہ ہے)
جب آخری بار تشریف لائے۔ تو کہتے ہیں کہ بسلامت روی و باز آئی کا جواب نہ ملا۔ سمجھ گئے۔ کہ یہ آخری دفعہ
ہے۔ کہ میں مدینہ منورہ آیا ہوں۔ دیگر ایکدفعہ کا ذکر ہے۔ کہ خاکسار نے کچھ اراضی خرید کی۔ بعض کہتے تھے
کہ یہ اراضی گراں قیمت ہے۔ اور بعض کہتے تھے۔ کہ نہیں عمدہ ہے۔ اس موقعہ پر حضور نے ارشاد فرمایا۔ کہ زمانہ
روز بروز خراب و تبدیل ہوتا جاتا ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ ایک شخص تھا۔ اسکے پاس بیل تھا۔ بالکل ناقص اور خراب جب
اس کو ہلوں میں جوتتے تھے۔ تو کسا ان کا پاؤں تناڑ دیتا۔ دو قدم چلتا۔ اور بیٹھ جاتا تھا۔ غرضیکہ کسی مصرف کا
نہ تھا۔ وہ اسے فروخت کرنیکے واسطے گیا۔ دوسرا ایک شخص تھا۔ اسکے پاس ایک گائے تھی۔ جب بچہ کو چھوڑتے
تو وہ اسے مارتی۔ اور جب دودھ دوہنے کیلئے بیٹھتے۔ تو ایک بوند دودھ کی حاصل نہ ہوتی۔ اور برتن بھی لات لگا کر
توڑ دیتی۔ دونوں شخصوں نے آپس میں سودا کیا۔ مگر ایک دوسرے سے عیوب بخوبی بیان کر دیے۔ خدا کی
قدرت۔ کہ دونوں جب اپنے اپنے جانور تبدیل شدہ کو گھر لیگئے۔ تو گائے والے کو خاصہ دودھ حاصل ہوا
بیل والے نے جب بیل کو جوتا۔ تو خوب ہل چلائے۔ سو گل محمد کی نیت اچھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اوزمین کا نفع
دیگا۔ پھر قیلولہ کے بعد فرمایا۔ کہ خدا اسے لنگر کا گھاس دانہ نصیب کرے۔ چند روز کے بعد مجرم نے وہ اراضی
لنگر میں بخشدی۔ اور اب مجھ کو گھاس، دانہ لنگر کا نصیب کرے" کا مطلب سمجھا گیا۔ یعنی جیلی بالکیت گھاس ہے
اور ثواب عقبے دانہ ہے۔ دیگر۔ ایکدن حضور والا اپنے بچپن کا ذکر فرماتے تھے۔ کہ حضور خواجہ صاحب کی
خدمتمیں جب خلیفہ صاحب تشریف لاتے تھے۔ تو کئی دن قیام فرماتے۔ بندہ بھی انکی خدمتمیں جایا کرتا تھا جب
میں انکی خدمتمیں پہنچتا۔ تو پوچھتے۔ کہ کہاں رہتے ہو۔ کیا پڑھتے ہو۔ میں کہتا تھا۔ کہ فلانہ سبق فلاں مقام پر
پڑھتا ہوں۔ پھر مجھے بٹھائے رکھتے۔ اور لقمان کو حکم دیتے۔ کہ لاؤ مٹھائی۔ مگر میرے بھائی صاحبزادہ خیر محمد صاحب
جب آتے۔ تو دور سے دیکھکر لقمان کو حکم دیتے۔ کہ صاحبزادہ خیر محمد صاحب کا حصہ لاؤ۔ مٹھائی ہاتھ پر رکھتے۔ اور

فوراً وہ لیکر چلے جاتے۔ مگر مجھے پہر دن تک بٹھائے رکھتے ہیں اسوقت عالم طفلی میں کہا کرتا تھا۔ کہ یہ بھی عجیب کھیل ہے۔ کہ وہ بھی تو میرا بھائی ہے۔ جھٹ اپنی مٹھائی لیکر چلا جاتا ہے۔ اور مجھ غریب کو خلیفہ صاحب نے قید کر رکھا ہے۔ (یہ حکایت پہلے بھی آ ہی چکی ہے) وہ باتیں مجھے یاد آتی ہیں۔ تو واقعی معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ صاحب کا منشا کیا تھا۔ اور کیوں مجھے اتنی دیر بٹھائے رکھتے تھے؟! ہونہار برواکے چکنے چکنے پات۔ خلیفہ صاحب کو معلوم تھا۔ کہ خواجہ الہ بخش صاحب نے مسند نشین تخت سلیمانی ہونا ہے۔ اسواسطے وہ انکو باوجودیکہ خردسال تھے۔ اپنے پاس بٹھانا فخر سمجھتے تھے۔ جیسا کسی والئے ملک کے ولیعہد کو نہایت اشتیاق سے دیکھا جاتا ہے۔ اسی طرح خلیفہ صاحب اس والئے ملک ولایت تاجدار خلافت کے دیکھنے کے آرزومند تھے یہی سبب تھا۔ کہ انکو اپنے پاس سے جدا نہ کرنا چاہتے۔ فافہم وتدبر۔ (مؤلف)

دیگر۔ ایک سب انسپکٹر پولیس تھے۔ تونسہ مقدسہ کے پولیس اسٹیشن پر تعینات ہوئے۔ مگر حضور کے خدام کو دق کرتے تھے۔ میں انکا نام نہیں لکھنا چاہتا۔ چند روز کے بعد سنجر سیداں میں بلوہ عظیم ہوا۔ تھانہ دار سوری لنڈان و تھانہ دار تونسہ مقدسہ ہر دو تفتیش کو گئے۔ ابھی بلوہ کی تحقیقات کر رہے تھے۔ کہ صدر سے حکم آیا۔ کہ سب انسپکٹر فلاں کو معطل کیا جاتا ہے۔ فلاں تاریخ کو جوابدہی کیواسطے ڈیرہ غازیخاں میں حاضر ہووے تین ماہ گذر گئے۔ کہ وہ معطل ہے۔ اب وہ حضور والا میں حاضر ہو کر سوسو التجا کرتا ہے۔ اور فقط عفو تقصیر کیلئے اب تونسہ مقدسہ میں آیا ہوا ہے۔ دیکھا جاوے۔ کہ اسکا کچھ بنتا ہے یا نہیں۔ دیگر ایک دفعہ بادشاہ دہلی (غالباً سراج الدین ابوظفر بہادر شاہ) کے حضور میں کچھ گفتگو ہوئی۔ اور کسی خوشامد خورے نے یہہ کہا۔ کہ حضرت خواجہ صاحب تونسوی ۱۲ برس کے تھے۔ کہ انکے پیر و مرشد حضرت قبلہ عالم صاحب نے انتقال فرمایا۔ یہ بات عقل نہیں مانتی۔ کہ اتنی عمر میں سب کمالات خواجہ علیہ الرحمۃ صاحب نے حاصل کر لئے ہوں۔ اتفاق سے ایک راست گو بھی بیٹھے تھے۔ انہوں نے کہا۔ کہ حضور! ہمارا سلسلہ تو بالکل کورا ہو گیا۔ کہ اگر حضرت صاحب تونسوی کو ۱۲ سال میں نعمت ملی ہوگی۔ یہہ نکتہ بادشاہ کو پسند آیا۔ اور بولے۔ کہ کون بیعقل کہتا ہے۔ کہ حضرت فخر صاحب کو کمال نہیں تھا۔ بس بس حضرت فخر سائیں رح بھی صاحب کمال تھے۔ اور حضرت خواجہ صاحب تونسوی بھی کامل تھے۔

دیگر ایکدن میرے حضرت غریب نواز نے قیلولہ (خواب دوپہر) کیواسطے چارپائی پر قد دراز فرمائی۔ اور غلام کو ماتھے دیکھہ دیکھہ فرمایا۔ قلم ربانی نہ ولدی ہے (لکھی پیشانی پیش آتی ہے) میاں عبداللہ جعفر بھی اسوقت بیٹھا ہوا تھا اسکی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ عبداللہ لکھی کون کون موڑے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ کہ حضور نے راقم کی پیشانی میں کیا

کیا نوشت نوشت ملاحظہ فرمائی۔ دیگر۔ ایکدن حضور غریب نواز نے میری طرف توجہ فرمائی اور یہ شعر پڑھا۔ سہ

نفس اژدرہا ست باصد شور و فن	شیخ را روئے زمرد دیدہ کن

یعنی نفس اژدر ہے۔ تجھ سے سو سو فریب اور مکر کریگا۔ اسے شیخ کامل کے سپرد کر۔ تاکہ اس سے تجھے خلاصی ملے دیگر۔ ایک مہدی جو ملک مصر میں پیدا ہوا تھا۔ اسکی بابت اخباروں میں بڑا چرچا تھا۔ ایکدن جناب سے استفسار کیا گیا۔ کہ کیا واقعی وہ امام مہدی ہے۔ آپنے فرمایا۔ ہرگز نہیں۔ مگر وہ بیچارہ بزرگ ہے۔ صرف ایک خارق عادت اس سے ظاہر ہوئی۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ لڑائی کیوقت اس نے اپنی دو انگلیوں سے مٹی اٹھا کر دشمنوں کیطرف پھینکی۔ اور دشمن اندھے ہو گئے۔ پس اس کرامات کے دیکھنے سے لوگ اس کو خوار کرتے پھرتے ہیں۔ کہ یہ مہدی ہے۔ ورنہ امام مہدی علیہ السلام ایک اور مقام سے آئینگے۔ چنانچہ جیسا کہ ہمارے حضرت صاحب کا خیال تھا۔ وہ مہدی کاذب انگریزوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اگرچہ جنرل گارڈن کے خرطوم پر مارے جانیسے وہ مہدی اپنی تاریخی واقعات کے سبب عرصہ تک یادگار رہیگا۔ مگر تھا کاذب۔ دیگر۔ ایکدن حضور والا نے استفسار فرمایا۔ کہ گل محمد! تمکو شادی کرنیکا جو خیال تھا۔ عرض کیا۔ کہ نہیں۔ اسپر حضور نے فرمایا۔ کہ دو روز کی خوشی کیلئے ساری عمر کا غم گلے میں ڈالنا پڑتا ہے۔ اس واقعہ سے کوئی صاحب یہ نہ تصور کرے۔ کہ آپ نے معاذ اللہ نکاح سے منع کیا ہے۔ نہیں۔ بلکہ گل محمد خان ایک معمر آدمی تھے۔ اسواسطے آپ نے انکو خدا جانے کس مصلحت سے کہدیا۔ دیگر۔ ایکدن فرمایا۔ جب ہم عرب شریف سے اپنے وطن میں واپس آتے تھے۔ تو یہاں آکر سُنا۔ کہ جاتے وقت بمبئی میں حضرت صاحب (میرے) کے آگے وہابیوں نے ایک زندہ آدمی میت بنا کر لایا۔ کہ اس کا جنازہ پڑھو۔ حضرت صاحب نے جنازہ کی نماز پڑھی۔ تو اسکے ہمراہی کہنے لگے۔ کہ اب اُٹھو۔ تو نہ اُٹھ سکا۔ دیکھا تو مرا پڑا ہے۔ حالانکہ یہ کرامات حضرت عبدالخالق رودلوی علیہ الرحمۃ کی بابت مشہور ہے۔ بیوقوف لوگوں نے تہمت مجھ پر لگادی۔ ورنہ من آنم کہ من دانم۔ دیگر۔ ایک دو موقع ایسے ہوئے۔ کہ میں جو حضرت غریب نواز کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو ملازمت کا معاملہ تھا۔ کچھ تنزل وغیرہ ہو گیا۔ لیکن مجھے اس کی کیا پرواہ تھی۔ حضور نے ہی مجھے ملازمت پر بھیجا تھا۔ حضور نے ہی ملازمت دلائی تھی۔ اور اگر حضور نہ فرماتے تو میں ملازمت نہ کرتا۔ ایکدفعہ میں دربار عالیہ میں حاضر خدمت تھا۔ کہ آپنے ارشاد فرمایا۔ ایک درزی تھا۔ نہایت چالاک اور عیار۔ جب کبھی کوئی شخص کپڑا سلانے کیواسطے آتا۔ تو فوراً وہ اپنی عیاری سے اس کا کپڑا کاٹ لیتا۔ اور کتنی ہی کوشش اور احتیاط کرتا۔ مگر اسکی کترپیونت سے کبھی نہ بچ سکتا۔ ایک شخص جو اپنے تئیں بڑا فہمیدہ اور ہوشیار سمجھتا تھا۔ اسنے کہا۔ کہ درزی کی چالاکی ہیں تو کچھ شک و

شبہ نہیں ہے۔ پس اگر میں خود بھی اس کی دکان پر موجود رہوں۔ اور اپنے سامنے قبا سلواؤں۔ تو یقین ہے
کہ اس درزی کی کچھ پیش نہ جائیگی۔ چنانچہ اس شخص نے کمخواب کی قبا سلوائی تھی۔ خود درزی کے پاس آیا۔ اب درزی
ناپنے کیواسطے اٹھا۔ اور کوئی ہنسی کی بات سُنائی۔ کہ وہ شخص ہنسی سے لوٹنے لگا۔ اس نے اسی حالت میں کپڑا
کاٹ لیا۔ پھر اس کے بعد کوئی اور بات مذاق کی کی۔ جس سے وہ شخص بے اختیار ہو گیا۔ اور ہنسی کو ضبط نہ کر سکا۔
درزی نے پھر اپنا کام کر لیا۔ اور قبا کی سلائی میں مصروف ہوا۔ اتنے میں کچھ دیر کے بعد وہ شخص بولا۔ کہ ہاں کاریگر صاحب
کوئی اور بات مذاق کی سنائیے۔ درزی نے دبی زبان سے کہا۔ کہ قبا تنگ مے شود۔ سو گل محمد یہاں آتا ہے
تو کچھ تنزل ہو جاتا ہے۔ اب اگر زیادہ تنزل کرایا جاوے۔ تو اس کی گذران تنگ ہو جائیگی۔

دیگر۔ ایک دن حضرت نے فرمایا۔ کہ الف خان افغان کی عورۃ مسماۃ گوہر (گالہوز ملتانی تلفظ ہے) نے اپنی
دختر کی شادی کھوی بہاران میں کردی تھی۔ مسماۃ گوہر ہمیشہ حضور میں آیا کرتی تھی۔ اور بہت گستاخ تھی۔
آخری مرتبہ جب آئی۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ یہاں ہو۔ کہ میں تیرا جنازہ پڑھونگا۔ گوہر نے جواب دیا۔ کہ میرا جنازہ آپ نہ
پڑھیں۔ سکھ پڑھ لینگے۔ (ان دنوں سکھوں کی حکومت کا اثر باقی ہوگا) مجھے رخصت دی جاوے۔ آخر از راہ
کرم نے رخصت دی۔ اور دس روپے اسکا معمول تھا۔ کہ لنگر سے ملتے تھے وہ بھی حوالے کیئے۔ سو وہاں جا کر
مر گئی۔ ایک دن حضرت خواجہ صاحب نے گھر میں ذکر کیا۔ کہ آج مسماۃ گوہر کو خواب میں دیکھا ہے اور تو احوال پوچھا ہے
وہ اسی لب و لہجہ میں مجھ سے گفتگو کرتی ہے۔ کہ خدا نے مجھے بخشدیا۔ مگر تیرے توسل سے نہیں۔ بلکہ اس سبب سے
کہ ایک رات مجھے حاجت غسل کی پڑی تھی۔ اور میں نے کنیز سے کہا۔ کہ پانی گرم کرے وہ غافل سوئی تھی۔ جب
میں باہر آئی۔ تو دیکھا۔ کہ کنیز لکڑیاں جمع کر رہی ہے۔ اور آگ جلانے کی فکر میں ہے۔ میں نے اس سے کہا۔ کہ نماز کا
وقت جاتا ہے۔ پس میں نے ٹھنڈے پانی سے غسل کیا۔ اور نماز قضا نہ ہونے دی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے
مجھے اسی سبب سے بخشدیا ہے۔ (یہ حکایت پہلے بھی درج ہو چکی ہے۔)

دیگر۔ ایک دن آپنے فرمایا۔ کہ حضرت خواجہ فخر صاحب دہلوی کا قصہ ہے۔ کہ اجمیر شریف کے راستہ پر ایک عالیشان
مسجد انیسی جھیل کے کنارے پر بنی ہوئی ہے۔ جہاں ہندوؤں کے بہت سے مندر ہیں۔ اور ہزاروں لاکھوں
جاتری اس تیرتھ پر آتے ہیں۔ شاہجہان بادشاہ نے بھی ایک عالی شان مسجد بنائی ہے۔ اور موسم زمستان میں
وہاں ہندو لوگوں کا میلا ہوتا ہے۔ اور اجمیر شریف میں جیسا کہ گیارہ سو گھر مجاوروں کا ہے۔ اسی طرح گیارہ سو
گھر اس جگہ برہمنوں کا ہے۔ مولوی خدا بخش جی نے عرض کیا۔ کہ خواجہ فخر صاحب بھی تو اس میلے پر گئے تھے

فرمایا۔ کہ ہاں آپ نے ایک مفلس برہمن سے تبرک کرایا۔ اور گیارہ مہر طلائی اسکو دیں۔ رات کو جب سب برہمن جمع ہوئے تو ہر ایک نے اپنی اپنی پیداوار کا ذکر کیا۔ اس مفلس برہمن نے بھی اپنا تذکرہ کیا۔ سب حیران ہو گئے۔ کہ ایسا کون سا سخی مرد تھا۔ جو گیارہ مہر طلائی ایسے برہمن کو دے گیا جسے ایک روپیہ بھی مشکل سے وصول ہوتا تھا۔ برہمن نے کہا۔ کہ وہ صورت میں تو بار نشین اصل میں بھگوان تھا۔ ان سب نے کہا۔ کہ وہ ہمیں دکھلاؤ تو سہی۔ دوسرے دن وہ برہمن حضرت سے پھر ملا۔ اور دعوت کا اصرار کیا۔ حضرت نے معذرت چاہی۔ آخر وہ برہمن حضرت کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ تاکہ دیکھے یہ شخص کہاں جاتا ہے۔ حضرت فخر صاحب مسجد میں پہنچے۔ وہ برہمن بھی مسجد میں داخل ہوا۔ اور بولا کہ واہ بھائی تم تو مسلمان ہو۔ آپ نے جواب دیا۔ کہ ذاتی اس کلام نے اس نیک انجام پر اثر کیا۔ اور اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ (ا۔ ب) دیگر۔ ایک دن ذکر چلا۔ کہ فلاں آدمی ایسا عقیدت مند ہے۔ کہ باوجودیکہ ملازم سرکاری ہے مگر اسے تو اپنے اللہ و رسول سے سروکار ہے۔ ملازمت صرف ایک شغل ہے۔ اور بس۔ کسی نے کہا۔

گرچہ دنیاے ایں مرد ہماں است - دگر علم عربی ضمیمہ او شود - عالمے ازیں مرد روشن شود

حضرت غریب نواز نے فرمایا۔ کہ روشن شدے۔ پھر فرمایا۔ کہ اسوقت موسم تھا۔ اب موسم نہیں۔ اول تو بوٹی ہیں تو اگتی نہیں۔ اگر اگتی بھی ہے۔ تو ہوتی نہیں۔ یہ دعا کرو۔ کہ عاقبت بالخیر ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نفس کے دھاڑی سے امان دیوے۔ اور یہ بھی ضروری ہے۔ کہ انسان کو خود شناسی حاصل ہو۔ سکندر اعظم سے کسی نے سوال کیا کہ ایک دمڑی مجھے عطا کرو۔ اس نے جواب دیا۔ کہ یہ سوال میرے شان کے لائق نہیں ہے۔ سائل نے کہا۔ کہ اچھا نصف سلطنت مجھ کو دیدو۔ سکندر اعظم نے جواب دیا۔ کہ اس سوال کے لائق تم نہیں ہو۔ ایکدن کاشی مسجد میں بیٹھے ہوئے فرمایا۔ کہ یہاں خدا کی شمولیت ہے۔ اور شمولیت قابل عزت ہے۔

دیگر۔ ایک دن واسطے آرائش اجلاس عرس شریف حضرت غریب نواز کے زیر فرمان حضرت شاہزادہ حافظ محمد موسیٰ صاحب اور انکے ہمراہ سینکڑوں غلام جنہیں خاکسار بھی شامل تھا۔ روضہ مبارک کے آگے مجلس کیواسطے شامیانہ نصب کر رہے تھے۔ جب فارغ ہو چکے تو حضور نے فرمایا۔ کہ حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمتہ نے اپنے وصال کے بارہ یوم پہلے یہ شعر فرمایا تھا۔ ؎ آہن کہ بہ پارس آشنا شد ۔ فے الحال بصورت طلا شد۔ مولوی نصر اللہ غزنوی نے اس موقع پر آپ سے پوچھا۔ کہ کدام آہن حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا۔ کہ آہن یعنی بالکل لوہا۔ سو حضرت خواجہ صاحب نے ۸۰ سال کی عمر میں یہ الفاظ فرمائے تھے۔ کیونکہ اسوقت دوستی اور محبت پختہ ہو چکی تھی۔ اور جب حضرت شیخ عالم صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت ہوئی۔ تو اسوقت ایسے الفاظ زبان

مبارک پر نہیں لائے۔ کیونکہ ابتدا تھی۔ آجکل کے لوگ یہہ چاہتے ہیں۔ کہ سارا کام ایکدن میں ہی ہوجاوے۔ یوہ محال بلکہ غیر ممکن ہے۔ پھر فرمایا۔ کہ حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ کے حضور میں کوئی نقدی گذارتا۔ تو آپ دیکھتے تھے۔ جو خدام حاضر تھے وہ نقدی اٹھا کر لے جاتے تھے۔ اگر کوئی نذر کے لینے والا نہ ہوتا۔ تو خود کیسے میں ڈال لیتے تھے۔ دیگر ایکدن غروب آفتاب کیوقت حضرت غریب نواز کاشی مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ کہ شاہزادہ محمد موسن صاحب کو جو دور تھے۔ باواز بلند فرمایا۔ کہ فلاں مہمان کو رضائی بھجوائی ہے۔ کہ نہیں۔ اللہ یار خادم درگاہ پر بھروسہ نہ رکھو۔ کہ میں اور اللہ یار اب دونوں بوڑھے ہیں۔ اور دونوں (پنشن) کے لائق ہیں۔ میں تو انعام پاچکا۔ ہمارے اللہ یار کو کون دیتا ہے۔ اس پر منشی عبدالرحمان نے عرض کیا۔ کہ قبلہ اللہ یار کو بھی انعام مل رہا ہے۔ فرمایا کہاں۔ اگر مجھ جیسا انعام ایکدن بھی ملتا۔ تو اسی وقت دم نکل جاتا۔

دیگر ایکدن ارشاد فرمایا۔ کہ میں خود سوال کرتا ہوں۔ اور آپ اس کا جواب دیتا ہوں۔ کہ مہدی خان کیوں منزل مقصود کو نہیں پہنچا۔ پھر کہتا ہوں۔ کہ خاتمہ بالخیر ہوا۔ دیگر ایکدن آپ نے اپنی زبان حقائق ترجمان کو فرمایا۔ کہ حضرت خواجہ عثمان ہرونی رضہ نے تین دعائیں مانگی ہیں۔ ایک تو یہ ہے۔ کہ میری قبر مکہ میں ہو۔ دوسرا میری مزار کی نشانی گم نہ ہو۔ تیسرے سلسلہ چشتیان میں میرے مرید خواجہ بزرگ اجمیری جیسا نہ کوئی ہوا اور کوئی ہوا ہو۔ کیونکہ حضرت خواجہ ہرونی صاحب کو خواجہ اجمیری صاحب سے بہت الفت تھی۔ خدا کی فضل و کرم سے ہر سہ دعائیں مقبول ہوئی ہیں۔ مکہ شریف میں حضرت کی مزار شریف مکہ کے محل میں واقع ہے۔ محل شریف کی عمارت بڑی لاگت سے تیار ہوئی ہے۔ روم سے اسکی ساخت کیواسطے نقشہ بن کر آیا تھا۔ خرچ تعمیر سلطان نے خود دیا تھا۔ کئی لاکھ روپے خرچ ہوئے ہیں۔ تین مرتبہ محل تیار ہوتے ہی اسی کونے سے جہاں حضرت کی قبر ہے۔ گرجاتا تھا۔ آخر لاچار اس کونے کو بیٹر طلعا کر کے اوپر گنبد بنا دیا گیا۔ مزار مبارک کے گرد لوہے کا کٹہرا لگا ہے۔ جب میں مکہ شریف میں تھا۔ تو حضرت کی خانقاہ مبارک پر ہر دن زیارت کیواسطے جایا کرتا تھا۔ راستہ میں عرب مجاور بیت اللہ وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے۔ آکر گھیر لیتے۔ کہ تبرکات کی زیارت کریں۔ جہاں خاتون جنت بی بی صاحبہ جنکی پیستی تھی۔ وغیرہ وغیرہ دو دن تو میں تبرکات کی طرف مجاوروں کی مطالبہ سے گیا۔ اور ہر روز بارہ بارہ روپے انکو دینا پڑا۔ بعد و حضرت ہرونی صاحب کی خدمتمیں جاتا۔ مگر تیسرے دن انکے اصرار پر میں نے انکار کردیا۔ انہوں نے سبب پوچھا میں نے کہا۔ کہ تبرکات کی زیارت پر تم ہم سے روپے مانگتے ہو۔ اور ہم حضرت ہرونی کی زیارت کو جاتے ہیں۔ وہاں ہم سے کوڑی بھی نہیں مانگی جاتی۔ اور مقاصد کونین ہمیں

حاصل ہوتے ہیں۔ یہ جواب سُن کر وہ اپنا سا مُنہ لیکر رہ گئے۔ اور ہر دن میر پیاسۂ ہجوم ہوتا تھا۔ تو عرب لوگ ایکدوسرے
پوچھتے۔ کیا یہہ کہاں جاتے ہیں۔ دوسرا جواب دیتا۔ کہ ایک ہندی کی قبر ہے۔ وہاں جاتے ہیں۔ مگر نخیدہ
نگاہوں سی ہمیں دیکھا کرتے تھے۔ دیگر ایکبار حضرت غریب نواز نے فرمایا۔ کہ ہم تو نہ کسی کو بلاتے ہیں۔ نہ کچھ
دینے دلاتے ہیں۔ خودبخود لوگ چلے آتے ہیں۔ ع

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست ے برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

مجھ سے ایک پیر برادر ذکر کرتے ہیں۔ کہ ننگر سے جس کھانیکی تمنا کرتا ہوں۔ وہی مِل جاتا ہے۔ بھلا یہ کرامات نہیں ہے
تو اور کیا ہے۔ حالانکہ ایک ادنی بات ہے۔ دیگر ایکدفعہ خاکسار رخصت پر آیا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ گل محمد
کب تیاری ہے۔ میں نے عرض کیا۔ کہ منگل کے دن ارادہ ہے۔ مگر اسدن بادل محیط آسمان ہوگئے۔ اور کچھ
ترشح ہونیلگا۔ آپنے پوچھا۔ کہ کیا آج جانا ہے؟ عرض کیا۔ کہ قبلہ خیر۔ آج بارش ہو رہی ہے۔ تکلیف
ہوگی۔ اب جمعہ پڑھکر جاؤنگا۔ فرمایا۔ شکر ہے۔ اسکے بعد تمثیل فرمائی۔ کہ جب سرکار انگریزی نے پہاڑ پر چڑھائی
کی۔ اور قوم بزدار کی سرکوبی کا ارادہ ہوا۔ تو بزدار لوگ بہت خوف زدہ ہوئے۔ اور میاں نور محمد مکھتی والا
کے پاس پہنچے۔ کہ کوئی دعا کرو۔ یا عمل بتاؤ۔ میاں نے فرمایا۔ کہ لال نشان فوج کے آگے کردینا۔ تمام فوج اندھی
ہوجائیگی۔ پھر اُنکا سامان لُوٹ لینا۔ اور آپس میں بانٹ لینا۔ مگر میں حیران ہوں۔ کہ تم ہاتھیوں کو کہاں
لے جاؤگے۔ یہہ نہ تو چھپائے چھپ سکتے ہیں۔ اور نہ تمہارے کسی کام آسکتے ہیں۔ خیر فلاں قطعۂ زمین پر کانہہ
(سرکنڈہ خرد) بہت ہیں۔ یہ ہاتھیوں کی خوراک ہے۔ وہاں انکو بھیج دینا۔ بزدار لوگ بہت خوش ہوئے
فوج انگریزی پہاڑ میں داخل ہوئی۔ ایک توپ چھوٹی۔ پھٹ اڑاڑا دھوں۔ بہت سے بزدار مارے گئے
دوسری چلی۔ تو بھاگ نکلے۔ تیسری نہ چلی تھی۔ کہ مطیع ہوگئے۔ اور جو شرائط کہ سرکار نے پیش کیں۔ سب
تسلیم کر لیں۔ بظاہر یہ حکایت حضور کی بلا توجیہ نظر آتی تھی۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ یہ ظاہر کرنا چاہتے
تھے۔ کہ دنیا میں ایسے پیر بھی موجود ہیں۔ جنکی لاف گزاف کی کچھ انتہا نہیں ہے۔ مگر حقیقت میں کچھ بھی نہیں ہوتا
دیگر ایک دن حضور والا نے ذکر فرمایا۔ کہ ایک ہندو تھا۔ لالہ نام کھتری۔ بزمانہ سفید ریش میرے والد بزرگوار
کی خدمت میں آبیٹھتا تھا۔ اور والد بزرگوار رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ زمانہ بلوغت میں اس ہندو سے میری
کمال درجہ کی محبت تھی۔ یعنی محبت عشق کے درجہ پر پہنچ گئی تھی۔ اور چونکہ بفضل کریم اس محبت میں نفسانیت کا
کوئی شائبہ نہ تھا۔ محبت صادق تھی۔ اور اس سے اسقدر صفائی باطن حاصل ہوگئی تھی۔ کہ لالہ مذکو اپنے جانور کو

چاوز ہو والر پر پانی پلانے لیجاتا تھا۔ میں اپنے مکان پر بیٹھے ہوئے۔ اسے دیکھتا رہتا تھا۔ بلکہ تمام علاقہ انکی نظر
اسکا نظارہ موجود تھا۔ اور اسکے جمیع افعال و کردار سے باخبر تھا۔ دیگر ایک دن کا ذکر ہے۔ کہ حضرت غریب نواز
رواق سلیمانیہ میں نشست فرمائے تھے۔ کسی نے آکر اطلاع دی۔ کہ چالیس شتر بار کردہ ایک دچونا تعمیری آگیا ہے
فرمایا۔ کہ گنبد شریف کی ساخت کیلئے کل سارا دن کام کرنیکو چونہ مکتفی نہ تھا۔ سو خدا تعالیٰ نے اور بھیجدیا۔ ارادہ الٰہی
آج تک معلوم نہیں ہے۔ کہ یہ کام اخراجات کا کیوں کر چل رہا ہے۔ اوائل میں جب کہ نواب بہاول خان سے
ادرار بند ہو گیا تھا۔ اور بنا ہو بقال نے برداشت لنگر کے واسطے جواب دیدیا تھا۔ کیونکہ اس کا چھ ہزار روپیہ
قرض ہو چکا تھا۔ میں نے اسی وقت تین ہزار روپیہ تو زیورات وغیرہ سے لیکر ادا کیا۔ باقی کی اقساط مقرر
کی گئی تھیں۔ سو اس اثنا میں خدا بخش لانگری نے ساٹھ روپے کا غلہ گندم معمولی اخراجات لنگر کیواسطے خرید
کیا تھا۔ اس سے میں نے کہا۔ کہ قرض اٹھا کر خرید نہ کرو۔ کہ پہلے مقروض ہیں۔ انہی دنوں ایک شخص نے ذکر کیا
کہ فلاں شخص بیمار ہے۔ اور اس نے ایک پتھر (۲۲ من پختہ) جس کو چار شتر اٹھاتے ہیں۔ بطور نذرانہ بھیجا ہے
میں نے کہا۔ کہ لنگر میں دیدو۔ سو یہ غلہ چند روز میں خرچ ہو گیا۔ بعدہ ذرا مجھے تشویش پیدا ہوئی۔ کہ کیا
کرینگے۔ یہ کارخانہ یعنی لنگر بھی بند نہیں کرنا ہے۔ اور کیفیت یہ ہے کہ مقروض ہو چکے ہیں۔ پھر ایک شخص نے ایک سو
آکر نذرانہ دیا۔ اسکے بعد دوسرے نے پچاس روپیہ تیسرے نے چار صد نقد۔ اسی طرح کام کھلتا گیا۔ اور ہم بھی
جتنی چادر ہو اتنے پاؤں پھیلاؤ۔ جیسا کہ لڑکا روتا ہے۔ اور ماں باپ سے کہتا ہے مجھے فلاں چیز لے دو۔
وہ لے دیتا ہے۔ پھر لڑکا روتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ مجھے فلاں چیز لے دو۔ پھر وہ لے دیتے ہیں۔ الغرض
اسی طرح کام چلا جاتا ہے۔ دیگر۔ ایک دن حضرت غریب نواز بعد نماز عصر تخت سلیمانی پر نشست فرمائی تھی
کہ وقت معینہ سے کچھ پہلے کچہری برخاست فرمائی۔ اور آہستہ آہستہ خانقاہ مبارک کے دروازہ تک پہنچے
اور فرمایا۔ کہ صاحبزادہ صاحب تشریف لاتے ہیں۔ صاحبزادہ میاں غلام صدیق صاحب ولد حضرت
خواجہ قبلہ عالم مہاروی سے ہیں۔ ان سے ملاقات کر کے مقام جلوس کو واپس آئے۔ پس میں نے
معلوم کیا۔ کہ آپ نے نور باطن سے حضرت صاحبزادہ صاحب کی آمد معلوم کر لی۔ جبھی مرشدزادہ کی تعظیم و
تکریم اور خصوصاً استقبال کیواسطے دروازہ معلی تک تشریف لائے۔
دیگر ایک بات حضرت غریب نواز نے ارشاد فرمایا۔ کہ دانا آدمی اسی طرح پھنس جاتے ہیں۔ جیسا کہ بچارا
میرزا دہلوی ہے۔ کہ ہر روز جس کھانے کا وہ خیال کرتا ہے۔ کہ حضرت لنگر سے بھجوا دے۔ ویسا ہی اسی دن جاتا ہے

پس وہ اسے کرامات نہ سمجھے تو کیا سمجھے۔ حالانکہ یہ محض اتفاق ہے۔ دیگر ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ ایک انگریز عہدہ دار
جس کے ساتھ میم صاحبہ اور بابا لوگ بھی تھے۔ مکانات کی سیر کے شوق سے حضور کی خدمت میں آیا۔ آپ اسکے ہمراہ
بہت دیر تک اپنے مکانات شیش محل۔ بارہ دری۔ قصر علی۔ وغیرہ وغیرہ دکھاتے رہے۔ اسکے بعد قبلہ
کیواسطے کرمخانہ میں تشریف لے آئے۔ اور شاہزادہ حافظ محمد موسن صاحب کو حکم دیا۔ کہ دیگر مکانات بھی اس
یورپین منتظمین کو دکھا دو۔ اور روضہ مطہرہ کا گنبد شریف تیار ہو رہا تھا۔ اسکی بھی زیارت کرا دو۔ جب آپ سماع خانہ
میں نشست فرمائے ہوئے۔ تو زبان مبارک سے فرمایا۔ کہ میں کہتا ہوں میرے پاس کوئی نہ آوے۔ اگر
کوئی آوے۔ تو خوش ہو کر جاوے۔ مجرم نے عرض کیا۔ کہ آپ میں سب کا حصہ ہے۔ دیگر جب میری رخصت
کے ایام ختم ہو گئے۔ اور مجھے آستانہ متبرکہ سے کچھ عرصہ کے واسطے جدا ہونا پڑا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ گل محمد اب
جاؤگے؟۔ پھر فرمایا۔ نہ تو تیری جدائی برداشت کر سکتے ہیں۔ اور نہ تجھ سے ملازمت ترک کرا کر تیرا نقصان
برداشت کرنا پسند ہے۔ رات کو غلام بڑی دیر تک خدمت والا میں حاضر رہا۔ یہاں تک کہ آپ نے خود زبان
مبارک سے فرمایا۔ کہ جاؤ گل محمد آرام کرو۔ یا کچھ کہنا ہے۔ میں نے عرض کی۔ کہ کچھ نہیں۔ فرمایا۔ کہ ہاں سمجھ گیا
کافی ہے۔ ؎ کہنی کیا غیر سے کچھ دل کی شکایت اپنی | ہاں اسی یوں ہی خبر ہووے تو جانوں جانوں

دیگر ایک دفعہ حضور بوقت شب جب آرام گاہ کو تشریف لے جانے لگے۔ فرمایا۔ کہ گل محمد کوئی دعا ہم کو بھی کر۔
اور شاہزادہ ... کیلئے بھی دعا کرو۔ مجرم نے عرض کیا۔ کہ میں آج شاہزادہ صاحب کی خدمت اقدس
میں گیا۔ آپ فرماتے تھے۔ کہ حضرت غریب نواز قبلہ مجھ پر واسطے مارنے چپراسی تحصیل کے خفا ہو گئے ہیں۔
میں نے خیال کیا۔ کہ اگر خاموش رہوں تو زیادہ خفگی فرمائینگے۔ لہذا اپنی باتیں میں نے بھی بیان کیں۔
میری عادت ہے۔ کہ جب مجھے غصہ آتا ہے۔ تو زبان میں لکنت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور حضرت صاحب چاہتے ہیں
کہ میں غوث بن جاؤں۔ بالغرض اگر غوث ہو جاؤں۔ تو کیا میرے ملازم باہر نہیں جائینگے۔ اور اگر انکو کوئی مارے
یا تکلیف دے۔ تو کیا ہم خاموش رہینگے۔؟ (اس تقریر سے پایا جاتا ہے۔ کہ حضرت صاحبزادہ صاحب نے کسی
چپراسی کو اپنے ملازم کی حمایت میں سرزنش کی ہوگی۔ واللہ اعلم) اس پر میں نے عرض کیا۔ کہ اللہ تعالیٰ حضور کو
بزرگی بخشے۔ تو فرمایا۔ کہ مجھ کو؟؟؟ کئی ہزار سال ہوگئے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کارخانہ دنیا بنانا شروع کیا تھا
اب یہ کائنات کچھ بنی ہے۔ اگر مجھے بزرگی دیوے۔ تو اسکی دنیا کو لحظہ میں نیست کر دوں۔ میں حیران ہوں
کہ کیمیاگر نسخہ کیمیا کو چھپاتے پھرتے ہیں۔ اگر مجھے کیمیا ملتا۔ تو میں تو بالمروا اس تحصیلدار کو بتلا دیتا۔ اسپر میں نے

عرض کیا۔ کہ آپ جیسے فیاض کو جو تھیلدار کو رنجیدگی ہیں فرمائے۔ کہ کیمیا جیسی چیز بتا دونگا۔ تو باقی جہان کو بھلا کیونکر فیض نہ پہنچائینگے۔ اور نیست کرنا چہ معنی۔ حضرت غریب نواز اپنے پیارے فرزند حضرت صاحبزادہ محمود اطال اللہ عمرہ کی یہ باتیں کھڑے ہوئے سنتے ہے۔ اور مجرم نے رخصت طلب کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ روزمرہ کی چٹھیات لکھنے پر مضبوط رہنا۔ اور الف خان کا حال مفصل لکھنا۔ دیگر کچھ عرصہ کے بعد پھر مجھے شوق آستان بوسی کا غالب آیا رخصت لیکر حاضر ہوا۔ موسم گرمی کا تھا۔ تونسہ شریف کی گرمی خصوصیت سے مشہور ہے۔ کیونکہ شمالی مغربی سرحد کوہ سلیمان نے روک رکھا ہے۔ ریت کا ٹبلہ ہے۔ جس پر شہر آباد ہے۔ اندریں حالات جولائی اگست کا مہینہ۔ غضب کا پسینہ رات کو مچھر اور دن کو گرمی۔ حضور غریب نواز سردخانہ میں رونق افروز تھے (جو ایک نہایت سرد جگہ ہے) اور قیلولہ وہاں کرتے تھے۔ بندہ نے کسی تقریب سے ذکر میاں عبدالحکیم صاحب تھل چوٹیالی والے کا کیا۔ کہ پہلے ان کا مقام قندھار تھا۔ وہاں سے کسی دنیادار سے تنازعہ اور جھگڑا ہوا۔ ناراض ہو کر علاقہ تھل میں چلے آئے۔ فرمایا۔ کہ بزرگ کسی سے نہیں لڑا کرتے۔ فقر چیست۔ فقیر کیست۔ خاک کے بنجیۃ۔ آب کی بروے ریختہ۔ کف پائے را نہ ازو دردے۔ نہ پشت پا را ازوے گردے۔ اس پر میں نے عرض کیا۔ کہ مولانا روم فرماتے ہیں۔ ؎

نخوتے دارند و کبرے چوں شہاں ۔۔۔ چاکرے خواہند از اہل جہاں

فرمایا۔ کہ فقرا کا آغاز نیاز اور انتہا ناز ہے۔ ظاہر میں نیازمند۔ اور باطن میں از ہمہ بلند ہوتے ہیں۔ جیسا کہ خواجہ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔ ؎

دماغ کبر گدایان خوشہ چیناں بین ۔۔۔ بخرمن دو جہاں سر فرو نمے آرند
بزیر دلق مرقع کمندھا دارند ۔۔۔ دراز دستی ایں کوتہ آستیناں بہ بیں

کہ لوگوں کو استنبول (قسطنطنیہ) اور روم سے کھینچ رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ کہ بہت مظلوم جہان میں ذلیل ہیں۔ خاک کے بنجیۃ کی طرح سارے جگ میں کوئی نہیں ہوگا۔ فرمایا۔ کہ میری نظر میں تو کوئی نظر نہیں آتا۔ شاید کوئی ہو۔ دیگر۔ ایک دن ارشاد فرمایا۔ کہ نواب صاحب ممدوٹ یہاں آ کر مرید ہوا ہے۔ جب واپس گیا۔ تو شام کے وقت آرام کرسی پر لیٹا ہوا تھا۔ اور دستر خوان کا وقت تھا۔ اچھا عقیدہ رکھتا تھا۔ اب مجھے لکھا ہے۔ کہ آپ ملتان آئیں۔ تو مستورات بیعت کراؤں۔ غیر نواب ہاں کرسی پر تھا۔ کہ اتنے میں ایک بندوق چلی۔ نواب نے حیران ہو کر پوچھا۔ کہ یہ بندوق کیسی ہے۔ اتنے میں دوسری کی آواز سنائی دی اور چھرے سامنے لگ کر زمین پر آ رہے۔ اور کچھ پہلو میں لگے۔ زبان سے نکلا۔ کہ مجھے اپنے پیر و مرشد

بچالیا۔ لوگ دوڑے۔ تاکہ دشمن کو گرفتار کریں۔ معلوم ہوا۔ کہ بندوقچی ریاست کا پنشن خوار ہے۔ اور ساٹھ روپیہ
اسکی پنشن تھی۔ حضور نے یہ الفاظ اشارتاً کچھ کنایۃً طوعاً و کرہاً بیان فرمائے۔ مگر خانصاحب گل محمد خان انسپکٹر
پولیس اس موقع پر تحریر کرتے ہیں۔ کہ میں نے یہ واقعہ زبانی حضرت صاحبزادہ محمد محمود کی مفصل سنا ہے۔ ناظرین
کی آگاہی کیواسطے لکھا جاتا ہے۔ وھو ھذا۔ ایکدن مجرم شام کیوقت شہزادہ ممدوح کی خدمت میں
حاضر تھا۔ ایک عمدہ گھوڑی اصطبل میں دیکھی۔ میں نے استفسار کیا۔ کہ حضور! یہ گھوڑی کہاں سے آئی۔ آپنے
مسکراتے ہوئے فرمایا۔ کہ اس کی عجب حکایت ہے۔ کہ خان نظام الدین خان نواب ممدوٹ نے پہلے بہت سی
عرضیاں اخلاص و عقیدت کی حضور میں روانہ کیں۔ اور اسکے بعد جب شوق غالب آیا۔ تو خود تشریف لائے۔ عالمشاہ
صاحب ساتھ تھے۔ سات آدمی ہمرکاب تھے۔ عالمشاہ کی تحریک بموجب اسٹیشن پر سواری کا انتظام کرلیا گیا تھا۔ اور
کئی سانڈنیاں اور رتھ بھیجے گئے تھے۔ جب یہاں آئے۔ تو سرائے میں انکا ڈیرہ تھا۔ قریب سرس کے درختوں کو
پھول۔ موسم بہار عجب لطف آیا۔ آخر بیعت ہوئے۔ کئی دن بابِ عالی میں حاضر رہے۔ نماز آغاز کی جب گھر گئے
تو ایک شخص خان محمد نامی ان کا اتابیک تھا۔ ساٹھ روپیہ ریاست سے پنشن ملا کرتی تھی۔ اتابک کے پاس ایک
گھوڑی تھی۔ وہ گھوڑی کسی انگریز نے نواب سے مانگی۔ انگریز کی خاطر نواب نے اتابک سے طلب کی۔ اس نے نہ دی
نواب ناراض ہوئے۔ اور اگرچہ پھر اتابک نے وہ گھوڑی بھیج دی۔ مگر نواب کی ناراضگی دور نہ ہوئی۔ کیونکہ تیر از کمان
رفتہ باز نہ آید۔ ایکدن خان محمد کا بیٹا نواب صاحب کی خدمت میں آیا۔ نواب ایک گھوڑی کدا رہا تھا۔ اتابک کے
بیٹے نے کہا۔ کہ اگر میں اس سرکش گھوڑے پر سوار ہو جاؤں۔ اور اسے بخوبی رام کر دوں۔ تو کیا ملیگا۔ نواب نے کہا۔
کہ چار سو روپیہ۔ پھر نواب نے فرمایا۔ کہ اگر تو سوار نہ ہو سکا۔ تو کیا جرمانہ دیگا۔ اس نے بے تکلفی سے عضو نہانی کی
طرف اشارہ کیا۔ نواب کو اس کی حرکت ناشائستہ سے سخت طیش آیا۔ اپنے آدمیوں سے خوب پٹوایا۔ اور
وہ کندی کی۔ کہ توبہ ہی بھلی جب وہ مار کھا کر واپس آیا۔ باپ سے کہا۔ کہ میں مرتا ہوں۔ مجھے نواب صاحب نے پٹوایا ہے۔
اتابک بولا۔ کہ میں بوڑھا ہوں۔ میں مرونگا۔ پس دوسرے دن نواب کی خدمت میں آیا۔ اور کہا۔ کہ توشہ خانہ سے
فلاں فلاں بندوق مجھے دو۔ کہ نشانہ کا شوق ہے۔ نواب صاحب اسی ماموں کے خطاب سے مخاطب کرتے تھے
بولے کہ ماموں تمہارے ہمارے درمیان وہ بے حجابی اور بے تکلفی نہیں رہی۔ اب وہ سابقہ امیدیں مجھ پر مت
رکھو۔ شام کیوقت نواب صاحب آرام کرسی پر لیٹے ہوئے تھے۔ وہ اتابک موقع پا کر ایک درخت کی آڑ میں کھڑا ہوا
اور بندوق کا نشانہ لگایا۔ مگر وار خالی گیا۔ پھر دوبارہ نشانہ لگایا۔ ایک چھرا نواب کے گوش سر یا ہوش پر لگا۔ دوسرا

آنکھ کے نیچے لگا۔ مگر اندر نہ گیا۔ اسپر نواب نے پوچھا۔ کہ یہہ بندوق کس نے چلائی۔ وہ شمن سمجھ گیا۔ کہ وار خالی گیا۔ دوبارہ فیر کیا۔ مگر یہ بھی خالی گیا۔ اتنے میں سپاہیوں نے اُسکو پکڑ لیا۔ کسی نے پوچھا۔ کہ تو ایسا ہوشیار بندوقچی تھا۔ کہ اندھیری راتوں میں چار سو قدم کے فاصلہ پر ہرن مار لیتا تھا۔ اب تجھے کیا ہو گیا۔ اس نے کہا۔ کہ میں کیا کرتا۔ ہر دفعہ جو میں نشانہ لگاتا تھا۔ ایک ہاتھ ظاہر ہو کر میری بندوق کی نلی موڑ دیتا تھا۔ یہہ گھوڑی انہی نواب صاحب کی عطیہ ہے۔ اور انیس پشت سے اصیل نسل چلی آئی ہے۔ اور چار سو روپیہ نقد نذرانہ بھی بھیجا ہے۔ دیگر۔ خانصاحب عطا محمد خان نے ایک باغ شجاع آباد میں نذر کیا تھا۔ اور اسکے متعلق کاغذ رجسٹری شدہ حوالہ کیا۔ حضور نے فرمایا۔ کہ اب ہم باغ کھا چکے چودھویں صدی آگئی ہے۔ اور امام مہدی کا ظہور ہوگا۔ اس موقع پر حافظ عزیز الدین دہلوی جو ایک خاص بندہ دردمند اور ارادتمند تھا۔ اس ہما سعادت کے سایہ سراپا رحمت میں آرام حاصل کرنے اور اسی سرچشمہ ولایت کے طغیان فیض سے اپنی پیاس بجھانے کیواسطے آیا تھا۔ آنکلا۔ اسکے آنے کی نسبت حضور والا نے یار محمد خان خاکوانی مغفور کو مخاطب کر کے ارشاد کیا۔ کہ حافظ عزیز الدین آنکلا ہے۔ اس نے عرض کی۔ کہ غریب نواز زندہ آدمی آملتا ہے۔ آپنے فرمایا۔ کہ یہاں کا ملنا کیا ہے۔ ملنا ہے تو وہاں کا۔ یعنی اشارہ عقبیٰ کا کیا۔ اسی دن میاں روشن درویش نے کہ مدت سے اپنا گھر بار چھوڑ اور ہجرت کر کے تونسہ شریف میں اقامت گزین ہے۔ ایک عرضی نہایت رقت آمیز اور درد انگیز بھیجی تھی جب وہ عرضی بسمع خداوندی پہنچی۔ آپ نے حافظ عزیز الدین سے فرمایا۔ کہ حافظ جی! یہہ عجب شخص ہے۔ دوسرے دن بپاس خاطر خانصاحب یار محمد خان خاکوانی مغفور جو باغ شجاع آباد کا مہتمم ہے۔ آپ باغ کے ملاحظہ کو تشریف لے گئے۔ اور نماز عصر سے پہلے بگھی پر سواری فرمائی۔ اور حافظ عزیز الدین اور غلام کو پاس بٹھا لیا۔ راستہ میں فرمایا۔ کہ حافظ جی۔ اگر مجھے فراغت ہوتی۔ تو تم سے دہلی چھڑا دیتا۔ نیز ایک موقع پر شجاع آباد میں حضور پرنور حافظ صاحب کو ارشاد فرماتے تھے۔ کہ حافظ جی صدہا لوگ وادی توکل میں روانہ ہوتے ہیں۔ وہاں منزل مقصود پر تو ایک دو آدمی پہنچتے ہیں۔ باقی سب راستہ میں فوت ہوئے ہیں۔ اور شہید اکبر کون ہیں۔ وہی ہیں جو راستہ میں طلب حق میں فوت ہوئے ہیں۔ دیگر ایکدفعہ خاکسار بمقدار سیلوی سے آیا۔ تو اپنے ہمراہ ایک ملازم فالتو نام بھی لے آیا۔ یہ ذات کا میراسی کچھ دیوانہ سا تھا۔ اور اول جلول بکا کرتا تھا۔ حضور پرنور اسکی شکل و عادات کو دیکھکر تبسم فرماتے تھے۔ اور یہ دیوانہ ہر وقت میرے ساتھ رہتا تھا۔ ایکدن آپنے فرمایا۔ کہ فالتو تمہاری نسبت کیا کیا ریمارکس دیتا ہوگا: ایک کشتی پر چند عورتیں سوار تھیں اتفاقاً

بادِ مخالف کے چلنے سے کشتی بے قابو ہوگئی۔ کسی نے کہا۔ کہ ہر ایک آدمی جو کشتی پر سوار ہے۔ اپنے وقت کی کوئی سچی سچی بات بے کم وکاست بیان کرے۔ تو یقین ہے۔ کہ کشتی کنارہ پر پہنچ جائیگی۔ ایک عورت نے کہا۔ اب تو میں پیرزال ہوں۔ لیکن جب جوان عمر تھی۔ تو چار چار یا پانچ پانچ مردوں سے سیر نہ ہوتی تھی دوسری نے کہا۔ کہ میں جب جوان عمر تھی۔ تو اگر کوئی مجھے صرف لفظ وطن سے مخاطب کرتا۔ تو میں فوراً بلا حیل و حجت اسکے ہمراہ جاکر مباشرت کرتی۔ تیسری نے بھی اپنی بد چلنی کی بابت ایسے ہی کلمات واہیات بیان کئے۔ اسپر کسی نے ملاح سے کہا۔ کہ آپ بھی اپنی زندگی کا سچ سچ واقعہ بیان کریں۔ تاکہ سچ کی برکت سے کشتی کنارہ پر جا پہنچے۔ ملاح نے جواب دیا۔ کہ سچی بات تو یہ ہے۔ کہ میری ڈاڑھی سپید ہوگئی ہے اور ہزاروں لاکھوں پور عبور کرلئے ہیں۔ مگر تم جیسا گانڈو پور کبھی نہیں سوار کیا۔ سو فالٹو کہتا ہوگا۔ کہ میں نے بہت بہت پور مخلوق کے دیکھے ہیں۔ لیکن ایسا نکما پور نہیں دیکھا۔ کہ روٹی کھا کر سو جاتے ہیں۔ پھر نماز پڑھتے ہیں پھر سو جاتے ہیں۔ کوئی کام نہیں کرتے۔ ایک دن فرمایا۔ کہ تمہارا ملازم کہتا ہوگا۔ یار وگل محمدؐ کو کیا ہوگیا ہے وہاں سیوی میں نوکر ہر وقت اسکے روبرو پنکھا ہلاتے تھے۔ اور یہ لوگوں کو ہتکڑیاں لگاتا پھرتا تھا۔ اب اور دل کی جوتیاں اٹھائے پھرتا ہے۔ یہاں کوئی اسے پوچھتا بھی نہیں۔ اسکے بعد یہ نقل فرمائی۔ ہم نے یوں ہی گپ سنی ہے۔ خدا جانے جھوٹ ہے یا سچ۔ کہ کسی بادشاہ کے عہد میں ایک عامل تھا۔ جسوقت عمل کرلیتا تھا۔ تو موکل اسکے آگے حاضر ہوجاتے تھے۔ انکو حکم دیتا تھا۔ کہ فلاں رئیس یا راجہ ہے۔ اسکی لڑکی کو حاضر کردو۔ وہ اٹھا لے جاتے اور وہ اپنا کام کرلیتا۔ اور غسل کرکے پھر عمل پڑھتا تھا۔ اور یہی کیفیت روزمرہ اسکی جاری تھی ایک لڑکی بہت ہوشیار تھی۔ اس نے ایک درخواست لکھی۔ اور بادشاہ کے محل کے دروازہ پر پھینکدی۔ کہ آپکی سلطنت میں ایسے ایسے ظلم ہم پر ہورہے ہیں۔ بادشاہ نے حکم دیا۔ کہ اسکا پتہ لگاؤ۔ آخر معلوم ہوگیا۔ کہ فلاں شخص جادوگر ہے۔ بادشاہ نے مختصر سی فوج بھیجی۔ کہ اسے گرفتار کرکے لاؤ۔ اسنے عمل پڑھا۔ سپاہی کور ہوگئے بادشاہ بہت خوف زدہ ہوا۔ کہ مبادا میری تمام سپاہ کو نابینا کردے۔ اسواسطے وزرا کو مشورہ کیواسطے طلب کیا انہوں نے یہ رائے دی۔ کہ پلید آدمی کا عمل نہیں چلتا۔ اگر کسی طرح اس عامل کو ناپاک کرلیا جاوے۔ تو یقین ہے کہ اس طریقہ سے وہ جلد گرفتار ہوجائیگا۔ اس مطلب کیلئے ایک بڑھیا زال منتخب ہوئی۔ جو نجاست لیکر اسکے گھر گئی۔ اور اسکے برتن اور چاہ کو ناپاک کردیا۔ اب دو سپاہیوں نے جاکر اسے گرفتار کرلیا۔ اور بادشاہ کے حکم سے جیلخانہ بھیج دیا گیا۔ ملازمان جیل کو ہدایت کی گئی۔ کہ جاوے ناپاک غسل کرے۔ اور پاک ہوکر کوئی مصیبت سرپر لاوے

مگر اتفاق سے اُسے ایک بلوچ پاک پٹنی کا مل گیا۔ اس نے اپنا عمل پڑھا۔ بیڑیاں قید کی جدا ہو گئیں۔ اور وہ آزاد ہو کر چلا گیا۔ اپنی اس عادت ذمیمہ میں مصروف ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک شخص ملا۔ جو اسی کا بچپن کا دوست تھا۔ اسی بہت لعنت ملامت کی۔ کہ اب تمہاری عمر ختم ہونیوالی ہے۔ اپنی سیاہ کاریوں سے توبہ کرو۔ اس نے کہا کہ توبہ کرنیکو تو میرا دل چاہتا ہے۔ مگر پچھلے گناہوں کا انبار اس قدر وزنی ہے۔ کہ اس کے بوجھ سے دبا مرا ہوں کوئی ایسا شخص بتاؤ۔ جو میرے گذشتہ گناہوں کو معاف کرا سکے۔ اس شخص نے کہا۔ کہ یہ طاقت تو حضرت نصیر الدّین چراغ دہلویؒ کے تئیں ہے۔ ؎

سنگ را ولی کنند مگس را ہما کنند	آنانکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند

عامل بولا۔ کہ دہلی یہاں سے چار سو کوس ہے۔ میں وہاں کیونکر جا سکتا ہوں۔ (تھوڑی دیر سوچ کر) اچھا میں کوئی تدبیر کرتا ہوں۔ غسل کیا۔ اور عمل پڑھا۔ بمجرد پڑھنے عمل کے موکلان کو حکم دیا۔ کہ خواجہ صاحب کو لے آؤ۔ موکل روانہ ہوئے۔ جب حضرت کی خدمت میں پہنچے۔ تو دیکھا کہ حضور پر نور وضو کر رہے ہیں۔ آپ نے تبسم فرمایا۔ اور تجاہل عارفانہ سے پوچھا۔ کہ کس طرح آنا ہوا۔ انہوں نے عرض کیا۔ حضور کو سب کچھ معلوم ہے۔ آپ نماز سے فارغ ہوئے۔ اور انہی موکلان کو حکم دیا۔ کہ اپنے عامل کو حاضر کرو۔ چنانچہ عامل صاحب بحالت نگون حضرت صاحب کی خدمت اقدسہ میں پہنچے۔ آپ نے پوچھا۔ کہ میاں! عمل وہ اچھا یا یہ اچھا۔ وہ نادم ہو کر خموش رہا۔ پھر اس نے اس پیر کامل کے ہاتھوں پہ توبہ کی۔ اور زمرہ مقبلان حق میں داخل ہوا۔ دیگر ایک دن رمضان شریف میں حضور نے سردخانہ میں قیلولہ فرمایا۔ جب اٹھے۔ تو فرمایا۔ کہ آج ہم تین چار گھنٹے سوئے رہے۔ اسکا افسوس ہے اگر کوئی آدمی میرے ساتھ بیٹھا رہے۔ تو میں بھی رہوں۔ یہ مناسب نظر نہیں آتا۔ کہ اور لوگ تو سوئے رہیں اور میں بیٹھا رہوں۔ اس پر خاکسار نے عرض کیا۔ کہ حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ کی عمر ۹۵ سال کی ہو گئی تھی۔ لیکن کتب سیر میں لکھا ہے۔ کہ آپ نے وفات سے پہلے قد دراز نہیں فرمائی۔ کیا ان کیساتھ بھی کوئی باتیں کرتا اور بیٹھا رہتا تھا۔ حضور نے فرمایا۔ کہ انکے ساتھ تو خدا باتیں کرتا تھا۔ سو اگر میرے ساتھ خدا تعالےٰ باتیں کرتا۔ تو تم لوگوں کو میں کیا کرتا۔ (نکال دیتا)، مگر چونکہ خدا تعالیٰ میرے ساتھ باتیں نہیں کرتا۔ اسلئے کہتا ہوں۔ کہ کوئی دو آدمی اگر میرے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتا رہے تو میں بھی نہیں سوؤنگا۔ دیگر ایک دن حضور والا نے قد دراز فرمائی اور مجھے فرمایا۔ کہ جب سیلوی واپس جاؤ۔ تو مجھے ریل کا احوال لکھنا کہ ہرات میں مجھ کو کام ہے۔ پس ایک ماہ بعد جب میں بلوچستان واپس آیا۔ تو خبر مشہور ہو گئی تھی۔ کہ کمیشن انگریزی آنیوالی ہے۔ اور ہرات جائیگی۔

دیگر ایک دن مجرم کو وساوس شیطانی سے بہت تشویش رہی۔ اور حضور والا کی بلشی میں بھی بہت کم گیا البتہ ان کی کچہری میں حاضر ہوا۔ اور دو زانو مجلس میں جاکر بیٹھ گیا۔ اسوقت حضور فرماتے تھے۔ کہ جس سلسلہ شریف پر حضرت خواجہ غریب نواز کیواسطے حضرت قبلہ عالم صاحب رضی اللہ عنہ نے دستخط فرمائے تھے۔ ان کے دو غلاف تو کپڑے کے تھے۔ اور ایک غلاف چرمی تھا۔ آپ چھ سات ماہ کے بعد ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ کہ گل محمد کی والدہ میری کتاب اُٹھا لے آ۔ آپ کچھ دیکھ کر دے دیتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے۔ کہ اس کتاب تک کسی کا ہاتھ نہ پہنچے۔ اس موقع پر غلام حسن خان چاندپوری نے عرض کیا۔ کہ غریب نواز اسی سلسلہ شریف پر بھی یہی عبارت درج ہے۔ کہ بکربت و غربت آپ نے فرمایا۔ نہ آشنا زیادہ ہے۔ بمشتہ و کرمہ۔ اور فرمایا۔ کہ مولوی محمد عابد سوکڑی علا بجو مرید حضرت نارہ والے صاحب کا تھا۔ اسکے متعلق ہم نے مولوی یار محمد سے پوچھا ہے۔ کہ کوئی سلسلہ دستخط کردہ بھی انکے پاس تھا۔ اس نے کہا۔ کہ میں کتابیں دیکھونگا۔ ایک دن سلسلہ لے آیا اس میں بھی ایک لفظ زیادہ تھا۔ اب یاد نہیں آتا۔ کہ وہ لفظ کون سا تھا۔ اور حضرت قبلہ عالم رضا اور حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ اور نارہ والے صاحب تینوں کا خط ایک ہی نمونہ کا ہے۔ اور حضرت خواجہ فخر عالم قدس سرہ العزیز پہلے حضرات عظام یعنی اپنے پیران جس عبارت میں چاہتے تھے۔ سلسلہ پر دستخط فرماتے تھے۔ یہ عبارت کہ بکربت و غربت خاک راہ دردمنداں۔ خواجہ فخر الدین صاحب دہلوی علیہ الرحمۃ کی ہے۔ اور دیکھو۔ بے پایان علم حضرت کا کیا عمدہ عبارت ہے۔ کربت اور غربت اور انکسار کو دیکھو۔ کہ خاک راہ کس کی ہے۔ دردمنداں کی۔ اور مرتبہ دردمندوں کا خیال کرو۔ دیگر اثنائے تقریر بالا میں فرمایا۔ کہ حضرت قبلہ عالم صاحب کے پاس حضرت فخر عالم رضہ کی عطیہ ایک گدڑی (پنجابی) روئی دار مرزائی چھینٹ کی تھی جسکی آستین دراز تھیں۔ اور ایک پگڑی زرکنار بطور تبرکات ملی ہوئی تھیں۔ اور حضرت اعلیٰ خواجہ علیہ الرحمۃ کے پاس حضرت قبلہ عالم سے ایک پاجامہ سلوار چار تختے۔ اور ایک ٹوپ سبز تھا۔ جب بہت ضرورت ہوتی تھی۔ یا کوئی بیمار ہوتا تھا۔ تبرکات نکالکر بیمار کے سر پر رکھ دیتے تھے۔ اور پھر اپنے سر مبارک پر رکھکر دعا مانگتے تھے۔ اسکے بعد آپ نے کچھ تذکرہ حضرت شہید صاحب فرزند حضرت قبلہ عالم مہاروی رضہ کا فرمایا۔ اور مجھے بلند آواز سے پکارا۔ کہ گل محمد مہمان طبیعت کو خیر ہے۔ ہاتھ باندھکر عرض کیا۔ کہ ہاں غریب نواز۔ مگر اس دن مجرم گوناگون تشاویش اور وساوس شیطانی میں مبتلا تھا۔ اور دل میں طرح طرح کے خیالات فاسد گذرتے تھے۔

اس کے بعد آپ نماز عشاء کے واسطے مسجد معلی کی طرف تشریف لے گئے۔ کئی درویش دیگر اور مجرم بھی آکر

عـ۱ سوکڑ کے ایک عالم باعمل ہو گذرے ہیں

حاضر ہوئے۔ اس اثنا میں مولوی حسن نیمان صاحب کنی کا ذکر آیا کہ ہندوستان میں بڑے پایہ کا عالم ہے۔ اور جناب
محمد علی شاہ صاحب سے بیعت ہے۔ اب عرس شریف حضرت خواجہ بزرگ اجمیری رح پر بھی حاضر ہوا تھا۔ جیسا کہ
صاحبزادہ حافظ محمد موسیٰ صاحب کے مراسلہ سے معلوم ہوا ہے۔ اور سنا گیا ہے۔ کہ ایک کتاب محبوب سبحانی رح
اور محبوب الٰہی کے حالات میں لکھا ہے۔ اور انکی محبوبیت کا مباحثہ کچھ عرصہ سے چلا آتا ہے۔ صاحبزادہ صاحب
غلام نبی جی مہاروی نے اس گفتگو میں عمدہ جواب دیا تھا۔ کہ دونوں محبوب ہیں۔ مگر سبحان اسم صفت ہے۔ اور اللہ
اسم ذات ہے۔ پس وہ محبوب صفات اور یہ محبوب ذات کے ہیں۔ اور فرمایا۔ کہ عام لوگ کہتے ہیں کہ امیر خسرو رح
جو حضرت محبوب الٰہی کے پیارے اور ادبی دنیا میں ایک روشن ستارے ہیں۔ ایکدفعہ حضرت بو علی قلندر رح
پانی پتی کی خدمت میں گئے۔ قلندر صاحب نے فرمایا۔ کہ میں سلطان المشائخ کی ولایت کا تو مقر ہوں۔ لیکن اجلاس
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں ان کو کبھی نہیں دیکھا۔ درحالیکہ دیگر اولیائے کرام کو دیکھا کرتا ہوں۔ جب
امیر خسرو صاحب اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں گئے۔ تو اس معاملہ کا ذکر کیا۔ جب پھر پانی پت جانیکا اتفاق ہوا
تو حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا۔ کہ فلاں عدد قلندر صاحب پڑھکر سوئیں۔ تو کچھ عجائبات معلوم ہونگے۔ جب
قلندر صاحب نے اس پر عمل کیا۔ تو دیکھا۔ کہ آنحضرت صلعم کے خیمے کے مقابل ایک اور خیمہ ہے۔ اس کا پردہ اٹھایا
گیا۔ تو حضور سلطان المشائخ وہاں موجود تھے۔ قلندر صاحب دیکھکر حیران ہو گئے۔ اور یہ نکتہ استماع فرمایا۔
کہ قلندر محبوب بے پردہ نہیں ہوتے۔ صبح کو حضرت بو علی قلندر نے امیر خسرو صاحب سے یہ ذکر فرمایا۔ کہ وہ خیمہ تو میں
ہمیشہ دیکھا کرتا تھا۔ مگر مجھے معلوم نہ تھا۔ کہ حضرت محبوب الٰہی صاحب وہاں رونق افروز ہوتے ہیں۔ الآن
مقر و یکماله وجماله۔ اسکے بعد حضرت غریب نواز نے اس امر کی تحقیقات کیواسطے کہ حضرت بو علی قلندر صاحب کو
کہاں سے فیض ملا ہے۔ کتاب مرآت کھولی۔ مگر پتہ نہ ملا۔ فرمایا۔ کل روز دیکھینگے۔ پھر دن کو بھی ملاحظہ فرمایا۔ مگر کچھ نہ
معلوم ہوا۔ کیونکہ کتاب مرآت الاسرار کے آخری اوراق ندارد تھے۔ دیگر۔ ایکدن حضور والا نے ارشاد
فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اول تو انبیاء کے معجزات و کرامات سے کام لیا ہے۔ اب ان کے دکھلانیوالا کوئی
نہیں رہا۔ اسلئے ریل و تار کہ طرفہ نما ہیں۔ ان سے کام لینے لگا۔ حقیقی تاثیر بخش (خدا) ہے اگر مادہ کی تاثیر بند کر دیوے
تو ریل کو چلنے کی طاقت نہ ہو۔ اور اگر برق کی تاثیر چلی جاوے۔ تو تار کام نہ دیوے۔ انگریزی ڈاکٹر بخار وغیرہ
ادویہ کیواسطے کونین اور دیگر نباتی بوٹیاں تلاش کیا کرتے ہیں۔ اور اپنی عمر تجربوں اور تحقیقات میں صرف کر دیتے
ہیں۔ مگر خود تو کچھ نہیں بنا سکتے۔ خَتَمَ اللّٰہُ عَلیٰ قُلُوْبِھِمْ وَعَلیٰ سَمْعِھِمْ ط اللہ تبارک و تعالیٰ ان سے کام

لے رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے پاس سب سامان موجود ہے۔ قہار۔ جبار۔ مفضل یہ سب اسکے اسماء ہیں۔ انکی صفت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ بادشاہوں کے پاس شیر گرگ۔ باروت۔ ڈائنامیٹ۔ کروز۔ ڈریڈناٹ وغیرہ سب کچھ ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ درندگان اور باروت ڈائنامیٹ ہلاک کنندگان ہیں۔ مگر بادشاہ کیواسطے یہ خزانے سب برکت ہیں۔

ایک دن تعمیرات کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ میں نے عرض کیا۔ کہ بنگلہ سنگ مرمر کب بنایا جائیگا۔ فرمایا۔ کہ تھک گئے ہیں۔ مگر اسکا سامان بارہ ہزار روپیہ کا خرید کیا پڑا ہے۔ اسلئے بعد انتقام سبھی وجاہ اسکو بنایا جائیگا۔ کیا کریں نکمے جو ہوئے پھر فرمایا۔ کہ حاجی خان کاتب (یہ شخص حضرت خواجہ خواجگان محمد سلیمان علیہ الرحمۃ والغفران کے خاص غلاموں سے تھا۔ اور خوش نویسی میں شہرۂ آفاق تھا۔ (ب) ذکر کرتا تھا۔ کہ ایک لڑکا پاؤں سے لنگڑا اور ہاتھوں سے لولا تھا۔ منگروٹھ غربی میں رہتا تھا۔ شہر کے سب لڑکے اس کے زیر فرمان تھے۔ کوئی ایک سو کے قریب اطفال شہر اسکے تابع تھے۔ وہ تمام لڑکے اس لولے لڑکے کو ایک پلنگڑی پر اٹھا لیجاتے تھے۔ اور منگروٹھ شرقی کے لڑکوں سے جنگ کیا کرتے تھے۔ وہ حکم دیتا تھا۔ کہ فلاں لڑکے کو ڈھیلے مارو۔ فلاں کو اتنے چابک لگاؤ۔ فلاں کو پکڑ لو۔ کہ کل یہ حاضر نہ تھا۔ کبھی کوئی لڑکا منت کرتا۔ کہ میں معافی طلب ہوں۔ آیندہ میں حاضر ہوا کرونگا۔ اس زمانہ میں ایک بزرگ وان فاری کا آیا ہوا تھا۔ سردار مستو خان رئیس و حاکم منگروٹھ کو اس سے بہت اعتقاد تھا۔ خیال یہ تھا۔ کہ وہ بزرگ صاحب کشف ہے۔ اس بے دست و پا لڑکے کی سرگذشت اس صفا باطن کے کانوں پڑی۔ دیکھنے کا مشتاق ہوا۔ اور جا کر اطفال کی فوج کو دیکھا۔ بشرہ سے دیکھ کر فرمایا کہ اس لڑکے کی پیشانی پر حکومت اور بادشاہت لکھی تھی۔ چندے صبر کرتا۔ تو ضرور کہیں کا حاکم ہو جاتا۔ مگر بے صبر کر سکا اسکی حکومت ابناء اطفال کی فرمانروائی میں طے ہو جاتی ہے۔ اسکے بعد خانصاحب گل محمد خان لکھتے ہیں۔ کہ اگر حضور والا یہ عمارات طلائی و سنگ مرمر وغیرہ سامان شاہی کا انصرام نہ کرتے۔ تو بادشاہی دنیوی جو آپ کے نام ازل سے لکھی تھی۔ کہاں ادا ہوتی۔ دیگر ایک شخص نے حضور کی عدم موجودگی میں نایابی ذات الہی کا ذکر کرکے مایوسی کا اظہار کیا۔ میں بھی اس کی رائے سے متفق تھا۔ کچہری میں حضور پرنور نے مجھ مجرم کو بلاتحریک خود بخود یہ فرمایا۔ کہ خدا تعالے را طلب نہ یابد تاہم طالب یابد یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کا ملنا طلب پر موقوف نہیں مگر پھر بھی ملتا ہے۔ تو طالب کو ملتا ہے۔ طالب کے سوا دوسرے سوئے ہوئے کو نہیں ملیگا۔

دیگر۔ ایک دن حضرت غریب نواز نے مولوی عبدالرحمن متوطن سکھر کا حال پوچھا۔ میں نے عرض کیا۔ کہ اپنے مرشد کی تعریف

فرماکران تعمیرات شستہ حضور کے بارہ میں اعتراض کرتا تھا۔ فرمایا۔ کہ یہ عمارات ہمارے جوانب کی بہتری ہیں۔ یہ موٹا گناہ
تو دیکھ سکتے ہیں لیکن آگے کو نہیں دیکھ سکتے۔ آگے کا احمق دیکھیں۔ دیگر ایک بات ذکر فرمایا۔ کہ بزعز
غلامانی جو کوہ ورگ کی رہنے والا تھا۔ راہ زنی اور سرقہ بالجبر کا عادی ہو چکا تھا۔ لوگوں کو لوٹتا رہتا تھا۔ اور حضرت
خواجہ صاحب کی والدہ ماجدہ قلعہ کے اندر سلاتی تھیں۔ اور آدمیوں کا پہرہ ہوتا تھا۔ مبادا یہ میرا بیٹا بھاگ جاوے
(یعنی مہار شریف چلا جاوے) ایک رات حضرت خواجہ صاحب کو اپنے پیر و مرشد حضرت قبلہ عالم رض کی محبت نے
غلبہ کیا۔ خواجہ صاحب دیوار قلعہ سے کوٹ پر چڑھ گئے۔ کوٹ کے گرد کانٹوں کی لمبی چوڑی باڑ تھی۔ خواجہ صاحب
حیران تھے۔ کہ کس طریقہ سے یہاں سے چلا جاؤں۔ آخر اپنا تمدہ اٹھایا۔ اور اسے چار تہ کر کے کانٹوں کی باڑ پر
پھینکدیا۔ اور پھر اوپر سے چھلانگ لگائی۔ اور دیوار سے نیچے اپنے تمدہ پر آرہے۔ پاؤں میں ایک کانٹا بھی نہ لگا
کچھ حصہ رات کا باقی تھا۔ فوراً حضرت قبلہ عالم رض کی خدمت میں جانیکی تیاری کی۔ اور بغیر اطلاع روانہ ہوگئے۔ راستہ
میں پانی کا چشمہ تھا۔ وہاں صبح کی نماز پڑھی۔ ایک شخص ملاقی ہوا۔ اور کہنے لگا۔ کہ میاں کہاں جاتے ہو۔ سو وقت
مت جاؤ۔ کہ راستہ میں بزعز غلامانی راستہ لوٹتا ہے۔ اور مال اسباب چھین لیتا ہے۔ پھر کہا۔ کہ اس راستہ نہ لو۔ دوسرے
راستہ سے جا سکتے ہو۔ خواجہ صاحب نے فرمایا۔ کہ میرا کیا لوٹ لینگے۔ یہ کپڑے ہیں۔ اتار لیں۔ میں ان سے نہیں
ڈرتا۔ الغرض خواجہ صاحب روانہ ہوئے۔ آگے دیکھا۔ کہ تین چار شخص کھڑے ہیں۔ خواجہ صاحب ان سے سلام علیکم
کر کے چلے گئے۔ پیچھے دیکھا۔ کہ کبھی وہ دوڑتے تھے۔ کبھی ٹھہر جاتے تھے۔ آخر انہوں نے آواز دی۔ کہ کھڑے ہو جاؤ۔
خواجہ صاحب فرماتے تھے۔ میں ٹھہر گیا۔ اتنے میں ایک شخص جو بزعز وہی تھا۔ نزدیک آیا۔ بولا تو فقیر ہے۔ کہا
کہ ہاں پوچھا۔ کدھر جاتے ہو۔ کہا پیر کی خدمت میں۔ پوچھا پیر تمہارا کہاں رہتا ہے۔ میں نے کہا۔ کہ ملتان سے
پرے۔ اتنے میں وہ راہزن میرے پاؤں پر گر پڑا۔ کہ میں غارت گر ہوں۔ مگر آج سے اس بیہودہ اور ظالمانہ
کردار سے توبہ کرتا ہوں۔ مجھے دعا کرو۔ خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ وہاں سے رخصت ہوئے۔ پہلی رات دائرہ
دین پناہ شرقی اور دوسری رات مخدوم رشید جا کر گذاری۔ اور اسی دن عشا کیوقت مہار شریف پہنچ
گئے۔ وہاں حضرت قبلہ عالم رضی اللہ عنہ کی طبع مبارک بہت علیل تھی۔ صاحبزادہ صاحب شہید صاحب کو
آپ نے بلا کر فرمایا تھا۔ کہ میرا ایک کام کرو۔ وہ یہ ہے۔ کہ اس پہلا لڑکے کو کہیں سے جا کر تلاش کرو۔ شہید صاحب کا
نام نور الصمد اور دوسرے صاحبزادے کا نام حضرت نور احمد اور ثالث فرزند حضرت قبلہ عالم کا اسم شریف
نور الحسن تھا۔ اگرچہ شہید صاحب نے تیاری کر لی تھی۔ مگر بہت متفکر تھے کہ حضرت قبلہ عالم رض کی یہ کیفیت ہے

ضعف کمال ہے۔ اب میں ایسی نازک حالت میں خواجہ صاحب کو کہاں تلاش کرنے جاؤں۔ پھر دوبارہ حضرت قبلہ عالم رح
نے شہید صاحب کو طلب فرمایا۔ اور پوچھا۔ کہ تیاری کی ہے؟ عرض کیا۔ کہ ہاں غریب نواز۔ آج رات جاؤنگا۔ فرمایا
اب مت جا۔ خداوند کریم خود اسے لے آئیگا۔ عرض کیا۔ کہ غریب نواز میں نے تیاری کر لی ہے۔ فرمایا۔ کہ نہیں
اب میں کہتا ہوں کہ نہ جا۔ یہہ وہی شب تھی۔ کہ خواجہ صاحب حضرت قبلہ عالم رح کی خدمت اقدس میں پہنچ گئے۔
حضرت قبلہ عالم نے خواجہ صاحب کو اپنی چارپائی پر بٹھایا۔ اور آہستہ انکے کان میں کچھ فرماتے تھے۔ لانگری نے
خوشامدًا کہا۔ کہ میاں رشید ہیلہ لٹو۔ تمہارا دیرہ کراؤں۔ فرمایا۔ کہ اس کو اب رہنے دو۔ دیرہ ہو جائیگا۔ میری طبیعت
لاچار ہے۔ لوگوں کو اٹھا دو۔ سب لوگ اٹھا دیا گیا۔ صرف حضرت قبلہ عالم رض و حضرت خواجہ صاحب رض بلا رقابت احد سے
تنہا رہ گئے۔ ازاں بعد جو کچھ فرمانا تھا۔ فرمایا۔ کہ کمال شہید صاحب کا دیکھو۔ کہ حضرت خواجہ صاحب سے جب ملے۔
تو تمام کمال باتیں بیان کر دیں۔ کہ یہ یہ حضرت اقدس نے آپ سے فرمایا ہے۔ جب حضرت خواجہ صاحب خلافت
سے مشرف ہو کر وطن میں تشریف لائے تو بزعم غلامانی صدق دل سے آکر مرید ہوا۔ اسکے بعد آپ نے یہ شعر پڑھا

انصاف تو کر چھوٹ نہ سکا تجھ سے اک رقیب   میں نے کیوں کر تیری الفت میں زمانہ چھوڑا

دیگر ایک رات ہندوستانی شیخ نامعلوم الاسم نے میرے روبرو حضور میں کہا۔ کہ پیر دستگیر قدس سرہ العزیز فرماتے
ہیں کل ولی اللہ میرے قدم کے نیچے ہیں۔ آپنے فرمایا۔ کہ ہم عصران اولیاؤں سے مراد ہے۔ بلکہ بغداد شریف
کے اولیائے کرام سے مقصود ہوگا۔ شیخ اپنی بات پر کچھ اصرار کرتا تھا۔ حضور نے فرمایا۔ کہ حضرت صدیق اکبر رض اور
حضرت علی رض تو اولیا ہیں۔ کیا ان پر بھی قدم ہے۔ یہ دخل بے ادبی ہے۔ اور ادب کرنا بزرگوں کا کام ہے
ادب کوئی ان سے سیکھے۔ حضور نے یہ بیان کچھ ایسے پر رعب لہجہ سے فرمایا تھا۔ کہ حاضرین بہت خوف زدہ ہو گئے
اور شیخ مذکور بھی بہت ڈر گیا تھا۔ شیخ کے حق میں بکثرت فرماتے رہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔
دیگر ایک رات آپ نے عبداللہ قوال کا بیٹا کو سرحنی (سی حرفی) سنانے کیواسطے ارشاد فرمایا۔ آپ کی عادت
مبارک تھی۔ کہ گاہے گاہے یہہ کلام سنا کرتے تھے۔ قوال گانے لگا۔ حق نواز خان سدوزئی جو اس وقت حاضر
خدمت تھا۔ نہایت رقیق القلب اور خدا دوست آدمی تھا۔ حالت وجد میں آیا۔ اور نعرہ مارنا شروع کیا۔ یہانتک
کہ محل معلی کے باہر نکل گیا۔ اور حالت مدہوشی میں تھا۔ آپنے حافظ محمد کو ارشاد فرمایا۔ کہ خان بہرور کے پیچھے جاؤ
مبادا وہ آپ کو نیچے گرا دیوے۔ اور قوال کو حکم دیا گیا۔ کہ گانا بند کرے۔ اور سب حاضرین کو رخصت ملی دوپہر کو وقت
آپنے اس عاجز کو ارشاد کیا۔ کہ آؤ بڑے صوفی صاحب۔ رات تمہارے چھوٹے صوفی نے کمال کیا۔ اور تو ہنستا تھا

عرض کیا۔ کہ میرا سننا تو خاص آواز پر تھا۔ کہ حق نواز خان عجب نعرے لگاتا تھا۔ نیز خیال تھا۔ کہ بناوٹی معاملہ ہے لیکن جب مجھے معلوم ہو گیا۔ کہ وہ مدہوش ہے۔ تو ہنسی جاتی رہی۔ فرمایا۔ کہ نواب بہاول خان کی بینائی کم ہو گئی تھی۔ اگر کوئی ہلال دیکھ لیتا۔ تو خان مذکور کہا کرتا تھا۔ کہ دیکھو بھلا کوئی پہلی کا چاند بھی دیکھ سکتا ہے۔ ؟ سو ہم کو جو وجد نہ ہو۔ تو دل میں بھی یقین نہیں آتا۔ میں نے عرض کیا۔ کہ وجد نہ آنے کے دو سبب ہیں۔ ایک تو جب ہوا چلتی ہے۔ تو معمولی شاخیں ہلتی ہیں۔ نہ پتھر سخت۔ دوسرا اول دریا (عمیق بحر ذخار) کو یہ ہوائے خفیفہ بھلا کب ہلا سکتی ہے۔ فرمایا ہم ان دونوں اوصاف سے خالی ہیں۔ عرض کیا۔ کہ دونو صفتیں ایک دوسرے کا ضد ہیں۔ ایک تو ضرور ہو گی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ نہ میں پتھر سخت کی طرح ہوں۔ اور نہ دل دریا۔ پھر فرمایا۔ پہلی شادی محمد موسیٰ (حافظ صاحب جو آپ کے بعد سجادہ پر بیٹھے) پر ہم ہیر گئے تھے۔ ہمارے بہت دوست شادی میں شریک تھے۔ جب دستور ملک کے مطابق پھلیات گھوٹ کوار (دولہا۔ دلہن) کو لاوان دینے لگے۔ (سنگھر میں دستور ہے۔ کہ نکاح خوانی کے بعد دولہا دلہن کو ایک پلنگ پر بٹھایا جاتا ہے۔ اسوقت دلہن گھونگھٹ نکالے ہوتی ہے۔ مراسن آکر پلنگ کے سامنے سہرہ پڑھتی ہے۔ براتی دولہا دلہن پر زر نچھاور کرتے ہیں۔ اسی رسم کا نام لاوان ہے۔ ا۔ ب بلوچ) پردہ داری کے سبب اندر تو اور لوگ نہ آئے تھے۔ عورات مطربان گانے لگیں۔ مجھے بے اختیار گریہ آیا۔ ہر چند کہ میں چھپاتا تھا۔ اور خیال تبدیل کرتا تھا۔ مگر یہ ضبط نہ ہوتا تھا۔ ایک مستورہ کا نام لیا۔ میری یہ حالت گریہ کی دیکھ کر رونے لگی۔ کہ یہ کیا ہو گیا۔ دوسرا حضرت شاہزادہ احمد مغفور کی شادی کا ذکر تو نے سنا ہے۔ عرض کی۔ کہ نہ۔ غریب نواز نے فرمایا۔ کہ انکی شادی پر میں لنگر خانہ کی چھت پر انتظام طعام مہمانان میں مشغول تھا۔ بارہ بجے کو فراغت ہوئی۔ خانصاحب غلام قادر خان میرے پاس آیا۔ اور قوالوں کی سفارش لایا کہ ان کو گانے کی اجازت عطا کی جاوے۔ میں نے کہا۔ کہ ان کو دو سو روپیہ تو میں نے دیدیا ہے۔ اور کیا چاہتے ہیں۔ خانصاحب نے مکرر کہا۔ میں نے منظور کر لیا۔ استانہ شریف کے اندر غربی دیوار کے متصل فرش بچھائے گئے میں بھی گیا۔ احمد مغفور کو بھی میلی پوشاک میں غلام قادر خان نے بیچ منگوا لیا۔ قوال کہنے لگے۔ ع۔ جنج کوا دیخ کل عالم دیکھے۔ میں بھی ڈیکھن گئی ہاں۔ میں ڈیکھاں لکھ تیرا۔ الخ۔ مجھکو بے اختیار گریہ آیا۔۔ حضرت غریب نواز اس موقعہ پر بھی آبدیدہ ہوئے۔ کہ مجھکو احمد کا کوئی خیال نہ تھا۔ صرف حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کا تصور کرنے سے کہ منہ میرا خانقاہ مبارک کی طرف تھا۔ بے اختیار گریہ آیا۔ محرم بھی اسوقت آبدیدہ تھا۔ پھر حضرت غریب نواز نے فرمایا۔ کہ مجلس میں بہت سے لوگ رونے لگے۔ اور میں نے گانا بند کرا دیا۔ اور کہا۔ کہ اب تو فائدہ اٹھایا۔ جب میں دولت سرائے میں گیا

تو والدہ ماجدہ نے مجھے فرمایا۔ کہ تم نے کیا کیا۔ کہ شادی میں گریہ کرایا۔ میں نے کہا۔ کہ امر بے اختیاری تھا۔ سو
پیچھے احمد و کے انتقال و وصال کا نتیجہ آنکلا۔ اور یہ گریہ بے اختیار تھا۔ اسکے بعد آپ نے حق نواز خان کے نیک آدمی
ہونیکی تصدیق فرمائی۔ میں نے عرض کیا۔ کہ غریب نواز۔ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنروں کو کس قدر رعونت ہوتی ہے۔ اور
حق نواز خان کو ذرا بھی نہیں۔ فرمایا۔ کہ حضرت خواجہ صاحب کے دست مبارک کی تاثیر ہے۔ انہی تذکروں میں آپ
ہر امر کی بابت حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کا حوالہ دیتے تھے۔ میں نے عرض کیا۔ کہ حضرت خواجہ صاحب بھی حضرت قبلہ عالم صاحب
کا حوالہ دیتے ہونگے۔ آپ نے تبسم فرمایا۔ اور زبان دُرافشان پر لائے۔ کہ حضرت کے ساتھ بھلا کون بات چیت کرسکتا
اور ان سے پوچھنے کی کس کو طاقت تھی۔ اسکے بعد ارشاد فرمایا۔ کہ کسی آستانہ پر ایک فقیر بھی ایسا نہ ہوگا۔ جیسا کہ
آجکل یہاں جمع ہیں۔ ہمکو لاکھ روپے سے اسقدر خوشی نہیں ہوسکتی۔ جیسا کہ ایک فقیر کے آجانے سے فرحت
ہوتی ہے۔ اور میاں غلام حسن ہندوستانی کی بوجہ ترقی شغل و اوراد تعریف فرمائی۔ ظہر کی نماز کے بعد جب
حق نواز خان بابِ عالی سے مرخص ہو کر وطن کو چلا گیا۔ تو مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ حق نواز خان کو پہنچا آئے
عرض کیا۔ کہ ہاں غریب نواز۔ فرمایا۔ کچھ لوٹ آنیکا فرمایا تھا۔ عرض کیا۔ کہ آپ نے کچھ نہیں کہا۔ مگر ضرور آئیگا۔ خوش
ہو کر گیا ہے۔ ؏ کہ مزدور خوشدل کند کار بیش۔ خانصاحب گل محمد خان کی تقریر کا مطلب معلوم ہوتا ہے۔ کہ خانصاحب
حق نواز کمالات دیکھ گیا ہے۔ اور آئینہ دل کو آپ کے انوار صحبت سے منور کرلیا ہے۔ پھر کیوں نہ آئیگا۔ آپ نے
فرمایا۔ کہ میں تو سب کا خادم ہوں۔ **دیگر** ایک دفعہ آپ نے مجھسے استفسار فرمایا۔ کہ گل محمد بتاؤ۔ کہ روتا آنا اور ہنستا
جانا اچھا ہے یا ہنستا جانا اور روتا آنا اچھا ہے۔ عرض کیا۔ کہ درد و محبت میں روتا جانا اچھا ہے۔ فرمایا۔ لوگ اس کو پسند
کرتے ہیں۔ کہ روتا آنا اور ہنستا گیا۔ اور میں اسکے برخلاف ہوں۔ کہ ہنستا آنا اور روتا جانا اچھا ہے۔ فرمایا جب
ہم مکہ شریف میں گئے تھے۔ تو جمیع ہمراہی ہمارے روتے گئے۔ اور ہنستے آئے تھے۔ اور جب بیت اللہ میں
ہم داخل ہوئے تھے۔ ایک سو آدمی ہمراہ ہو گئے۔ سب کے سب بے اختیار روتے تھے۔ ایک مرتبہ تو حرم میں زلزلہ ڈال
دیا۔ یہاں تک کہ لوگ کہتے تھے۔ کہ یہ بلائیں کہاں سے آئیں۔ لیکن لوٹتے وقت سب ہنستے آئے۔ خدا نے سوقت
یوں لایا۔ کہ بیماری ہیضہ کی آپڑی۔ اور بہت سے لوگ آناً فاناً اس بیماری کا شکار ہوئے۔ میں نے عرض کیا۔ کہ
نفحات میں ذکر ہے۔ کہ ایک ولی کہیں سے چلا گیا۔ اسکے نام دوسرے ولی نے خط لکھا۔ کہ جب سے آپ یہاں سے
چلے گئے ہیں۔ سب صوفیوں کو ایک دوسرے سے بغض و عناد ہے۔ اسنے جواب میں لکھا کہ یہ رشک الہی ہے۔ کیا
صوفی بہرے سو ایک دوسرے سے دوستی نہ رکھیں۔ سو یہ بھی تیری غیرت ہے۔ اگر یہ لوگ بیت اللہ سے رو آئے

تو پھر کہاں چین ملتا۔ پھر مجلس برخاست ہوگئی۔ جب سب لوگ چلے گئے۔ مجھے پھر ارشاد فرمایا۔ کہ حضرت اعلیٰ خواجہ اللہ [illegible]
فرماتے تھے۔ جب ہم دہلی گئے۔ تو سنا۔ کہ امیر خسرو رح کے روضہ میں جو کوئی جاتا ہے۔ روتا ہوا باہر آتا ہے۔ دو طوائف
بہ لباس فاخرہ امیر کے روضہ میں گئیں۔ میں نے خیال کیا۔ کہ دیکھوں۔ ان پر بھی کچھ تاثیر ظاہر ہوتی ہے۔ سو جب وہ
باہر آئیں۔ تو آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ مگر ہم جو گئے۔ تو جیسے گئے تھے ویسے باہر آ گئے۔ رونا نہ آیا۔ میں نے عرض کیا
کہ امیر خسرو آپ کو رولا سکتا ہے۔ تو کئی امیروں وزیروں کو رُلا دیوے۔ دیگر ایک دن آپ نے ارشاد فرمایا۔
کہ مصنف مرآت نے ایک روایت لکھی ہے۔ کہ جب بادشاہ گردیز حضرت یوسف شاہ (جنکا روضہ مبارک بوہڑ دروازہ
اور لوہاری دروازہ کے مابین ملتان شریف میں ہے۔ اور اب تو وہاں مرثیہ خوانی کا زور رہتا ہے) اس دارِ ناپائیدار
سے انتقال کر گئے۔ تو انکی قبر پر جو کوئی بیعت کیواسطے جاتا۔ قبر سے ہاتھ نکلتا تھا۔ اور لوگ بیعت ہوتے تھے۔ کہتے ہیں
حضرت غوث بہاؤ الحق صاحب زکریا ملتانی کی خدمت میں کسی نے جاکر کہا۔ کہ یہ کیفیت دیکھی اور سنی جاتی ہے۔ حضرت
زکریا خود تشریف لے گئے۔ اور فرمایا۔ کہ یہہ ہاتھ کا نکلنا خلاف شرع ہے۔ اسوقت سے ہاتھ نکلنا بند ہوگیا۔ اسکے بعد
آپ نے فرمایا۔ کہ ہم تو اس واقعہ کو تسلیم نہیں کرتے۔ اور اگر صحیح ہو تو بھی قابل اعتراض ہے۔ کہ شاہ گردیز صاحب بعد
وفات بھی اپنے مریدوں کی بلا سر پر اٹھاتے رہے۔ دیگر ایک دن ذکر فرمانے لگے۔ کہ لوگوں میں مشہور ہے۔ کہ
کعبے کے اوپر پرندے نہیں جاتے۔ مگر میں نے دیکھا تھا۔ کہ پرندے کعبہ شریف کے اوپر اڑتے پھرتے ہیں۔ ہاں لوگوں نے
کبوتران حرم کو دیکھا تھا۔ کہ روضہ متبرکہ رسول خدا صلعم کے اوپر سے نہیں جاتے تھے بلکہ روضہ شریف سے پہلو کترا کر
چلے جاتے ہیں۔ مگر وہ کبوتر لاغر اور کمزور ہوتے ہیں۔ ہمارے دیسی کبوتروں کی طرح بھاری بھرکم نہیں ہوتے۔
اگرچہ کبوتران حرم کیلئے بادشاہ سے بہت اناج مقرر ہے۔ مگر وہ سب کھا جاتے ہیں۔ اور کبوتر بھی ہزاروں ہیں
جب باہم اڑتے ہیں۔ تو بادل کی سی آواز آتی ہے۔ کعبہ شریف میں عجیبات میں نے یہ دیکھی ہے۔ کہ جن جن مقامات
میں کبوتروں کے کھانے کیلئے دانہ ڈالا جاتا ہے۔ وہ اس جگہ ہرگز بیخال نہیں کرتے۔ میں نے انکے چوگاں کی
جگہ کو خوب غور سے ٹٹول ٹٹول کر دیکھا تھا۔ کسی جگہ بیخال کا نام و نشان نہ تھا۔ ہمارے کبوتر تو بکثرت بیخال
کرتے ہیں۔ دیگر ایک دن حضرت غریب نواز نے مجرم کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ او کوئی آ۔ اے کوئی! الہٰی اے
گل محمد کوئی حال تو سناؤ۔ عرض کیا۔ کہ خیر و عافیت ہے۔ دعا کرتا ہوں۔ فرمایا۔ کہ وزیر نامی ایک شخص متوطن
سوکڑ یہاں تونسہ شریف میں رہتا تھا۔ وہ اتنا سادہ لوح تھا۔ کہ دو آدمیوں کا نام جانتا تھا۔ اور بس۔ اور
حضرت کریم قدس سرہ العزیز نے اس کی روٹی لنگر میں مقرر فرمائی ہے۔ اور فقیروں سے کہا کرتا تھا۔ کہ او کوئی فقرا

میری روٹی لنگر سے لے آنا۔ اسکے بعد فرمایا۔ کہ حضرت خواجہ صاحب قدس سرہ العزیز کے زمانہ میں دو شخص بڑے حکم ماننے والے تھے۔ ایک کا نام نور ادنگا اور دوسرے کا نام میر تھا۔ اور موخر الذکر ایسا آزاد طبع تھا۔ کہ کسی کا نام بھی نہیں جانتا تھا جسدن لنگر شریف میں گوشت ہوتا تھا۔ یا عرس۔ تو میر دروازہ دولت سرائے پر جاکر آواز دیتا۔ او کانی کنیز۔ او کوئی کنیز تیسری مرتبہ کہتا تھا۔ کہ برتن لنگر میں بھیج دو۔ تاکہ نان خورش ارسال ہو۔ ان کلمات مبارک سے استغنا اور بافنا یار اور بیزار کا مضمون پایا جاتا ہے۔ دیگر ایک دفعہ مولوی یار محمد بنڈی والا سے حضرت نے سوال فرمایا کہ مولنا روم نے مثنوی شریف میں جملہ بزرگان عالی مراتب کا ذکر درج فرمایا ہے۔ مگر حضرت پیر دستگیر کا کہیں ذکر درج نہیں ہے۔ اس کا کیا باعث ہوگا۔ مولوی یار محمد صاحب نے کچھ دلائل بیان کیں۔ مگر حضور نے فرمایا۔ کہ غلام حسین خان اور بڑے مولوی صاحب جو حضرت مولوی خدا بخش صاحب سے بیعت ہوئے۔ اس امر کا جواب شافی نہیں دے سکے۔ آپ تو چھوٹے مولوی ہوئے۔ اور یہ بھی فرمایا۔ کہ غلام حسین خان چانڈیہ نے کہا تھا۔ کہ حضور پیر دستگیر اور مولینا روم علیہ الرحمۃ کے پیر طریقت ہم زمانہ ہوئے۔ پس مولنا روم علیہ الرحمۃ نے بلحاظ ادب اپنے مرشد کے اور دوسرے بزرگان ہم عصر کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن یہ امر صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ تواریخ سے ثابت ہے کہ حضرت پیر دستگیر (حضرت شیخ عبد القادر گیلانی قدس سرہ العزیز) مولنا روم سے ایک سو دس برس پہلے ہو گذرے ہیں اسکے بعد آپ نے یہ تمثیل بیان فرمائی۔ کہ مولوی مکھڈ والے صاحب (یہ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کے برگزیدہ خلفا میں سے تھے) لنگر سے گیہوں کی روٹی ملتی تھی۔ مگر ایک وقت ایسا آیا۔ کہ سنگھڑ میں گیہوں نایاب تھی۔ میاں خدا بخش لانگری حضرت خواجہ صاحب نے ادھر ادھر تلاش کی۔ مگر کہیں نہ ملی۔ غلام نبی نام ایک شخص لنگر کا اناج صاف کیا کرتا تھا۔ انہی دنوں ایک طالب علم خانن طوطا بھی یہاں حلقہ درس میں تھا۔ حضرت خواجہ بزرگوار جمیع طلبہ کی بہت خبرگیری فرماتے تھے۔ لنگر سے ان کو ڈیڑھ پاؤ آٹا ملتا تھا۔ چونکہ ان ایام میں گیہوں نایاب تھے۔ اسواسطے سب طلبہ کو باجرہ کی روٹی ملتی تھی۔ خانن طوطا نے حضور میں عرض کیا۔ کہ قبلہ! باجرہ کی روٹی کھانے سے خارش پیدا ہوگئی ہے خاکسار کو گندم کی روٹی ملا کرے۔ اسپر آپ نے خدا بخش لانگری کو حکم دیا۔ کہ اسکو نان گندم دیا کرو۔ خدا بخش کی عادت تھی۔ کہ حکم ملتے وقت تو قبول کر لیتا تھا۔ مگر جیسا مناسب موقع ہوتا۔ اسی طرح عمل پذیر ہوتا۔ جب خانن طالب علم مذکور لنگر شریف میں حسب معمول روٹی لینے کیواسطے گیا۔ تو اسے توقع تھی۔ کہ آج مجھے گیہوں کی روٹی ملیگی۔ مگر لانگری نے باجرہ کی روٹی دی۔ خانن طوطا نے نہ لی۔ اور حضور کی خدمت میں فریاد کی۔ آپ نے ایک درویش کو ساتھ کردیا۔ کہ لانگری سے گیہوں کی روٹی دلائے۔ جب دونوں لنگرخانہ میں پہنچے۔ تو خدا بخش

وہاں موجود نہ تھا۔ غلامی نام جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے بیٹھا تھا۔ اس فقیر نے غلامی سے کہا۔ کہ حضورؒ نے حکم دیا ہے۔ کہ میاں خانن کو گیہوں کی روٹی دی جاوے۔ غلامی نے جواب دیا۔ کہ کھڈکرڈین والے مولوی کیواسطے کنک نہیں ملی۔ (لفظ ٹونک ڈہے۔ مگر غلامی جاہل مطلق نے یہ لفظ کہا۔) اور اب طوطا لالی بھی کنک مانگتے ہیں۔ یہ طنز سن کر خانن تو سخت برافروختہ ہوا۔ کیونکہ وہ طوطے کے نام سے بہت چڑا کرتا تھا۔ غلامی بھاگ گیا۔ اور خانن غیظ و غضب میں مشتعل ہو کر حضورؒ کی خدمت میں آیا۔ اور داویلا کیا۔ کہ لانگری کا وزیر تو مسخری بھی ساتھ کرتا ہے۔ آپ نے دوسرے درویش سے تمام ماجرا پوچھا۔ اور آپ بہت ہنسے۔ یہہ دلچسپ حکایت بیان کر کے آپ نے مولوی یار محمدؐ سے فرمایا۔ کہ یہہ سوال بڑے مولوی صاحب سے حل نہ ہوا۔ آپ تو چھوٹے مولوی ہوئے۔ **دیگر** ایک رات غلام حسین چانڈیہ نے حضور والا میں عرض کیا۔ کہ وہاں قبر میں بھی وساوس اور خطرات نفسانی ہونگے۔ فرمایا۔ کہ وہاں دو راستے ہیں جنت جہنم۔ عذاب و ثواب۔ اگر جنت مل گئی تو خطرات چلے گئے۔ ورنہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ **دیگر** ایک دن کسی ذکر کی اثنا میں ارشاد فرمایا کہ میں خواب جو دیکھتا ہوں۔ تو اسکی تعبیر بھی اسی نیند میں کر لیتا ہوں۔ اور اکثر بر صواب ہوتی ہے۔ جیسا کہ اگلے دن خانصاحب غلام قادر خان خاکوانی مرحوم کو میں نے خواب میں دیکھا۔ اور اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اور میں نے انہیں اوسط حالت میں پایا۔ نہ بہت خوش اور نہ بہت غمگین۔ اور جیسا کہ خانصاحب کی عادت اپنے صغار رکھنے کی تھی۔ اسقدر صاف بھی نہ تھے۔ یعنی سفید براق لباس نہ تھا۔ میں نے عالم رویا میں خانصاحب سے کہا۔ کہ آپ نے سنا ہے کہ آپ کے پیچھے تیرے فرزندان نے آپسمیں جھگڑا کیا ہے۔ تو اس بات کے کہنے پر انہوں نے کچھ توجہ نہ کی میں نے دوبارہ یہی بات کہی۔ اور پھر خانصاحب نے پوچھا۔ کہ کیا ماجرا ہے۔ میں نے تمام حالات بے کم و کاست بتا دیئے اس پر خانصاحب نے کہا۔ کہ میں نے سنا تھا۔ کہ انکی کچھ شکر رنجی ہوئی ہے۔ پس اس کی تعبیر میں مجھے خیال گذرا۔ کہ اللہ تعالیٰ جس کو زیادہ تکلیف میں ڈالتا ہے۔ اسے صد ہا طرح کے تخیلات اور حسرت میں مبتلا کرتا ہے۔ اور وہ ہر وقت اسی بکھیڑے میں مستغرق رہتا ہے۔ کہ میری فلاں شئے وہ لے گیا۔ فلاں مال وہ لے گیا۔ وغیرہ وغیرہ سو خانصاحب غلام قادر خان مرحوم کو اس قسم کی کوئی حسرت نہیں۔ اور مجھے اُمید ہے۔ کہ خداوند کریم نے اسے بخشدیا ہوگا۔ اسکے بعد فرمایا۔ کہ حاجی قصائی کا دادا (ضمنہ نام تھا۔ یہ لفظ غالباً محمد زمان ہوگا۔ زبان سے زمہ یا ضمنہ ہو گیا) اب حضرت خواجہ صاحب کے حلقہ بیعت میں داخل ہو چکا تھا۔ اور یہ شخص قوم نتکانی کے سردار محمد اسد خان کا کرادہ یعنے محصّل تھا۔ جب اسکی محصّلی سے اسد خان خوش ہو گیا۔ تو اس کو روزہ دار بنایا۔ روزہ ایک عہدہ ہوتا تھا۔ کہ وصولی محصول سرکاری پر مقرر ہوتا تھا۔ اور اس نام پر جو شخص متعین ہوتا تھا۔ جو بڑا بے حیا اور ناخدا ترس ہو۔ اور حاجی

بھی باایں ہمہ اوصاف مذموم تھا۔ جب مر گیا۔ تو ایک مولوی صاحب نے جن کا نام مجھے فراموش ہوگیا ہے۔ اسے خواب میں دیکھا۔ کہ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کے تھلہ پر دوڑا آتا ہے۔ عالم رویا میں مولوی نے پوچھا۔ کہ حاجی! تیرا احوال تو بتا۔ تو تو مر گیا تھا۔ سنا کیا گذری۔ اسنے جواب دیا۔ کہ کچھ نہ پوچھو۔ مرنے کے بعد جو میرے ساتھ ہونی تھی۔ خدا کسی کے ساتھ نہ کرے۔ مگر خدا بھلا کرے۔ خواجہ گل محمد کا اور تا قیامت اسکی اولاد کو آباد و شادان رکھے۔ کہ خواجہ گل محمد صاحب میرے جنازہ پر تشریف لائے۔ اور وہ موکلان عذاب چلے گئے۔ اور پھر میرے پاس نہ آئے۔

دیگر۔ اسی بات ارشاد فرمایا۔ کہ مجھے سات مہینے تک برابر بخار نے بیقرار کیا۔ اور بعض اطبا کا خیال تھا کہ تپ دق ہے میرے والد بزرگوار کو تقاضائے بشری کے سبب بہت تشویش رہتی تھی۔ حضرت خواجہ صاحب کا معمول تھا۔ کہ جب آپ اندر آتے تھے۔ تو اول میرے پاس آکر بیٹھتے تھے۔ اسکے بعد کھانا تناول فرماتے تھے۔ انہی دنوں میں ایک مجذوب سید جمال شاہ صاحب باروائی بیکانیر نے جو حضرت خواجہ صاحب کا غلام تھا۔ استخارہ کیا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد اللہ تعالے کے فضل و کرم سے تمام بیماری جاتی رہی۔

حضرت چراغ تونسوی خواجہ محمد حسن صاحب رض

۱۲ ستمبر ۱۹۲۰ء کو ایک ایسا حادثہ جانگزا اور سانحہ ہوشربا واقع ہوا۔ کہ قلم و زبان کی کیا طاقت۔ کہ اس واقعہ کے متعلق کچھ لکھ سکے۔ ہائے افسوس۔ تونسہ شریف کا چراغ سنگھڑ کا دلارا۔ پنجاب کا فخر۔ ہندوستان کا گوہر۔ گلشن سلیمانی رض کا چہکتا ہوا بلبل۔ رسول پاک کا سچا عاشق خاندان چشت اہل بہشت کی نشانی۔ بزرگان دین کا محبوب۔ اولیائے کرام کا مرغوب۔ خلقت کا ملجا و ماوا غریبوں کا پشت پناہ۔ بیکسوں کا تکیہ گاہ۔ اخلاق محمدی کا نمونہ۔ رحمت الہی کا خزینہ۔ علم و ادب کا حامی فصاحت و بلاغت کا دریا۔ منطق و معانی میں امام فلسفہ اسلامی کا شیدا۔ اہل سخن کا قدردان امیر و غریب کا محبوب۔ شہنشاہوں کا شہنشاہ فقیروں میں فقیر کامل۔ اس کا زہد و اتقا۔ اس کا صدق و صفا۔ اس کی مہر و وفا اسکی جود و سخا کس کس بات کو یاد کروں اسکی مجالس شاہانہ۔ اس کا علمی مذاق اسکے محاسن محمودی۔ کلمات طیبات۔ اسکی تمثیلات و تشریحات ہکی وہ ذات ستودہ صفات۔ اسکے کمالات ظاہری و باطنی کس کس کا اظہار کروں۔ وہ نیکی و پرہیزگاری میں یکتا۔ انتظام دینی و دنیوی میں لاثانی۔ شہسوار بے نظیر فرد۔ شیریں زبانی اور شیریں بیانی میں لاجواب۔ اس کی ہمت مردانہ۔ شان شاہانہ۔ جود و سخاوت۔ حوصلہ و استقلال تکالیف و مصائب میں صبر و خوشی اور مسرت پر شکر ہر معاملہ پر رضائے الہی ہر وقت عبادت سے ذوق خدمت

فلق سے شوق۔ الغرض وہ مستجمع جمیع کمالات تھا۔ اور کیوں نہ ہو۔ حضرت خواجہ فخر الاولیا شاہ سلیمان تونسوی حضرت اعلیٰ کا پوتا۔ اور شاہ فیض بخش خواجہ اللہ بخش صاحب حضرت ثانی رح کا جگر گوشہ۔ اور مسند سلیمانی کا حقیقی جانشین۔ محبوب خاندان چشت۔ محبت الٰہی کا مجسم نمونہ۔ آج ظاہری صورت میں ہماری آنکھوں سے پنہاں ہوگیا۔ یعنی اسی ماہ ستمبر ستمگر میں اس شاہ زماں فخر عالم و عالمیاں، برگزیدہ خاندان۔

خواجہ محمد محمود صاحب تونسوی کا وصال ہوگیا۔ وصل الحبیب الی الحبیب ہے۔ مگر ہم کو اپنے آتش فراق میں پروانہ وار جلایا۔ آنکھیں ہیں۔ مگر اس فیض رسان کی صورت نظر نہیں آتی۔ دل بیتاب ہے۔ مگر تسلی دینے والا کوئی نہیں۔ بیقراری ہے۔ مگر تسکین دلانیوالا نظر نہیں آتا۔ اجمیر شریف میں جاؤ اور دیکھو جناب فیضمآب حضرت متولی صاحب خانقاہ حضرت خواجہ اجمیری صاحب کے کس طرح اشکبار ہو رہے ہیں۔ چشتیاں شریف میں خانقاہ حضرت قبلہ عالم رح میں نظر ڈالو حضرت میاں محمد بخش صاحب زار و زار رہیں جہاں پیارے محمود کا نام سن لیا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کے ستارے ڈھلکاتے رہے ہیں۔ محبت تھی یا عشق۔ الفت تھی یا بیخودی کی بیقراری واللہ باللہ دیکھی نہیں جاتی۔ ؎ تھمتے تھمتے تھمینگے آنسو۔ رونا ہے یہ کچھ ہنسی نہیں ہے

ریاست بہاولپور میں کسی اہل نظر پر نظر ڈالو بے تاب ہے۔ اور اس یوسف کنعانی کی یاد میں یعقوب علیہ السلام کی طرح جگر کباب ہے ؎ جدا کسی سے کسی کا کبھی حبیب نہ ہو   یہ داغ وہ ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو

گولڑہ شریف میں جاؤ دیکھو۔ کہ اس آفتاب ولایت فخر دین و ملت۔ مہر برج سعادت کی کیا کیفیت ہے۔ اسکا ایک برگزیدہ دوست جدا ہے۔ جو اپنے ایک بے تکلف محبت نامہ میں اپنے قلم اعجاز رقم سے چراغ تونسوی کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ اپنی طبیعت کے بارہ میں اس وجہ سے عرض نہیں کر سکا کہ واقعی کیفیت کے عرض کرنے سے جناب کو بمقتضائے فطرت کریمانہ تکلیف ہوگی۔ جناب کے غلام غلام محی الدین (سلمہ ربہ) کو نیاز مند کی علالت کیوجہ سے سخت تشویش رہتی ہے۔ لہذا وہ بھی عرض کرنے سے قاصر ہے۔"

سیال شریف کی سیر کرو۔ کہ ادھر سجادہ نشین صاحب ضیائے پنجاب کا نوحہ ہو رہا ہے۔ تو ادھر اس چراغ تونسوی کی محبت یاد آرہی ہے۔ نوعمر نیک طبع سجادہ نشین کیطرف میرے حضرت کریم النفس اور رحیم الطبع تحریر فرماتے ہیں عزیزا۔ یہ میری آخری چٹھی ہے۔ امید ہے۔ کہ یہ نوازشنامہ جو مشتمل بر تعزیت اس ضیائے شمس نورانی کے تھا۔ سیال شریف کے توشہ خانہ میں محفوظ رکھا جائیگا۔" قدرت خدا کا نمونہ نظر آتا ہے۔ جب اس رحمت مجسم کے اس دن کے واقعہ کا ذکر کرتے ہیں۔ نہ صرف سجادہ نشین صاحب سیالوی حضرت ضیاء الدین صاحب کے انتقال پر ملال کی

چھٹی ہی تھی۔ تو آپ کس قدر غمزدہ ہوئے۔ حرم سرائے میں صف ماتم بچھی۔ الله الله کس قدر رحمت تھی۔ وہ عدالت میں شہادت دیں۔ اور یہاں لطف کا دریا جوش زن ہے۔ ؎

ان کس کہ مرا بکشت باز آمد پیش ۔۔ مانا کہ دلش بسوخت بر کشتۂ خویش

دل نہ چاہتا تھا۔ اس دل شکن ناگوار واقعہ کی طرف اشارہ ہو۔ مگر کیا کروں۔ مورخانہ نگاہوں سے یہ واقعہ کب نظر انداز ہو سکتا تھا یعنی ما معنی کما قال الحافظ ؏ گر لئے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش۔ ایک صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ اور شکار کیواسطے مدعو کرتے ہیں اور لکھتے ہیں۔ ؎

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ بر کف ۔۔ بامید آں کہ روزے بشکار خواہی آمد
بہ لبم رسیدہ جانم تو بیا کہ زندہ مانم ۔۔ پس ازاں کہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد

کوئٹہ سے کلکتہ تک اور پشاور سے دکن تک جس جگہ جاؤ۔ اس برگزیدہ خاندان کے انتقال پر ماتم برپا ہے۔ میں کہتا ہوں۔ کہ ان کے دربار میں جس شخص کو بیٹھنے کا فخر حاصل ہوا۔ وہ تصور کر سکتا ہے۔ کہ آپ کی جدائی سے دنیائے علم و ادب۔ فقر و تصوف کو ناقابل تلافی صدمہ پہنچا ہے۔ ؏ قرن ہا باید کہ تا صاحب دلے پیدا شود۔ اخبارات میں زبردست آرٹیکل لکھے گئے۔ اور آپ کی وفات کو قومی صدمہ قرار دیا گیا۔ گورنر پنجاب کا تار آیا۔ کمشنر بہادر اور ڈپٹی کمشنر بہادر سے تعزیت نامے پہنچے۔ ہز ہائنس نواب بہاول خان بیسیوں والیان ریاست نے اس سانحہ عظیم پر اظہار تاسف و رنج کیا۔ الغرض کون سا قریہ یا شہر ہے جہاں اس محمود عالم کی یاد میں آنسو نہ بہائے گئے ہوں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ط میں اس درد کی داستان کو زیادہ طویل نہیں کرنا چاہتا۔ اب میں حضور عالی کی مختصر سوانح عمری لکھنا چاہتا ہوں۔ زندگی کے چند دن باقی ہیں جو مصالحہ میرے پاس جمع ہے۔ خدا کرے۔ اسے پیر برادران کی خدمت میں پیش کر سکوں۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ ط

پیدائش و عالم طفولیت

حضرت چراغ تونسوی کی پیدائش کا سال سنہ ۱۸۶۴ء ہے۔ جس دن سے آپ دنیا میں تشریف لائے۔ حضرت ثانی کے لنگر میں بیش از بیش وسعت ہوئی۔ غربا و مساکین کو پہلے سے چند آرام ہو گیا۔ یہ جس قدر مکانات اور محل تونسہ شریف میں دیکھتے ہیں۔ سب آپ کی پیدائش کے بعد تعمیر ہونے شروع ہوئے۔ آپ کی ولادت باسعادت گویا ایک شہنشاہ کی آمد تھی جس کیواسطے ضرورت تھی۔ کہ وہ معمولی مکانوں میں یا دربار منعقد نہ کریں۔

بلکہ عظیم الشان دربار کیواسطے اسی کے رتبہ اور شان کے مطابق عالیشان محلات کی ضرورت تھی۔ چنانچہ حضرت ثانی نے اس بارہ میں خاص توجہ فرمائی۔ کہ ایک طرف تو عام سامان مزدوروں اور معماروں کیواسطے سب کیلئے لنگر کا دروازہ کھولا دوسرے اس مسعود کی عزوجاہ کے مناسب بلند پایہ محل تیار ہو گئے۔ آج تونسہ شریف میں حضرت ثانی کے اسی فیض سے ہر قسم کے کاریگر مل سکتے ہیں۔ جو فن تعمیر میں۔ نقاشی۔ منبت کاری۔ سنگ تراشی۔ اور عام دستکاری میں ید طولےٰ رکھتے ہیں اور انکی اس کاریگری کے نمونہ بازار اور گلی کوچوں میں پھیل کر تونسہ کا ایک چھوٹا سا گاؤں باوجودیکہ دیگر تجارتی اور متمدن شہروں سے بالکل ایک کونہ پر واقع ہے۔ بارونق بازار اور پختہ مکانات کی موجودگی سے اچھا خاصہ قصبہ بن گیا ہے جس کی عالی شان عمارات دور سے لوگوں کے دلوں کو کھینچتی ہیں۔ خانقاہ مبارک بجلی کی روشنی سے بقعہ نور نظر آتی ہے۔ حضرت کی والدہ ماجدہ ملتان کے عالی شان اور ذی رتبہ خاندان خاکوانی پٹھان سے ہیں جو عالی جناب نواب غلام قادر خان کی دختر پاک ہیں۔ اور خان بہادر حاجی نواب احمد یار خان صاحب رئیس اعظم المعظم ملتان کی ہمشیرہ ہیں۔ والد بزرگوار حضرت قطب دوران محبوب جہان فیض بخش خواجہ اللہ بخش صاحب علیہ الرحمۃ ہیں۔ جن کی پابوسی کو شاہان وقت اپنا فخر تصور کرتے رہے۔ بڑے بڑے انگریز گورنر آپ کے دیکھنے اور ملاقات کیواسطے آستانہ پر حاضر ہوتے رہے۔

تعلیم و تربیت

حضرت چراغ تونسوی نے ۴ سال کی عمر میں پڑھنا شروع کیا۔ آپ کی پہلی استادی کا فخر حافظ صدیق صاحب کو حاصل ہے۔ آپ کچھ عرصہ ان سے پڑھتے رہے۔ پھر آپ آستانہ مقدسہ کے مشہور حافظ سوہنا صاحب کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ اور انہی حافظ صاحب سے قرآن شریف تھوڑے عرصہ میں ختم کیا۔ حضرت چراغ تونسوی کی ذہن و ذکا کیا لکھا جاوے۔ مگر رعب حسن و جمال بھی ایسا تھا۔ کہ جب آپ مکتب میں حاضر ہوتے۔ تو طالب علم انکے دیکھتے ہی پڑھائی میں مصروف ہو جاتے۔ اور کھیل کود یا بیکاری کی طرف ہرگز مشغول نہ ہوتے۔ اسکے بعد آپ علامہ دہر مولوی خدا بخش صاحب پیش امام حضرت ثانی رح سے فارسی و عربی پڑھنے میں مصروف ہوئے۔ یہہ وہ بزرگ ہیں جنکا ذکر حضرت ثانی کے حالات میں بار بار آتا ہے۔ انکے دادا وہ مولینا مولوی خدا بخش جراح ہیں جنہوں نے امیر خسرو کی خالق باری کی طرز پر نصاب ضروری محض اپنی جودت طبع سے تالیف کی۔ جو آج تک برابر ہر ایک مکتب میں پڑھائی جاتی ہے۔ جس کا طرز بیان ایسا سادہ اور موثر ہے۔ کہ کون سا بچہ یا بوڑھا ہے جس کی زبان پر اس مختصر کتاب کے الفاظ نہ ہوں۔ یہ نصاب بچوں کیواسطے ایک عجیب تحفہ ہے۔ اور اگر آج کل کے ماہرین تعلیم اس طرز پر

انگریزی یا فرنچ زبان کو ہندی کے لباس میں لائیں۔ تو مبتدیوں کو بڑا فائدہ ہو۔ کتاب کیا ہے۔ گویا کوزہ میں دریا بند ہے
آپ کے استاذ مولوی خدا بخش صاحب آپ کی جودت طبع کی ہمیشہ تعریف کرتے تھے۔ تونسہ شریف کے فاضل جناب
مولوی علی گوہر صاحب مد ظلہ جو اب مدرسہ محمودیہ کے مہتمم اور ایک برگزیدہ ہستی ہیں۔ جنکی سادگی اور زہد و اتقا قرون
اولے کے مسلمانوں کا نمونہ ہے۔ آپکے ہم سبق رہے ہے۔ الغرض آپ علوم ظاہری میں فارغ التحصیل ہوئے۔ مگر آپ نے
علم باطنی و روحانی اپنے قبلہ گاہ فیض زماں خواجہ خواجگان حضرت ثانی رح سے حاصل کیا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے
کہ سلطان المشائخ حضرت ثانی علیہ الرحمۃ کو جو محبت اپنے اس فرزند دلبند سے تھی۔ اور کسی سے نہ ہو سکتی ہے۔ نہ
ہوگی۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ حضرت محمد موسیٰ صاحب فرزند اکبر کو بھی خلافت عطا ہوئی۔ مگر جو نعمت اور
برکت اور بالخصوص خلافت اس جوان بخت کے حصہ میں آئی۔ وہ انہی کیلئے مخصوص تھی۔ ہمیشہ سفر میں اپنے ساتھ
ہمراہ لے جانا۔ اور خاص شفقت فرمانا۔ انکی اطاعت اور قلب سلیم عبادت اور طبع لطیف۔ مادۂ خداداد اور سعادت
واقبال سب اس امر کے مقتضی تھے۔ کہ ان پر خاص توجہ کی جائے۔ حج بیت اللہ کیلئے جب آپ (حضرت ثانی)
تیار ہوئے۔ تو بھی اپنے محبوب لخت جگر کو جدا نہ کیا۔ الغرض نعمت الٰہی سب ان کے سپرد کی۔

فقیر محمد روشن صاحب جو حقائق آگاہ معرفت دستگاہ درویش تھے۔ اور دل روشن رکھتے تھے۔ ہماری حضرت
چراغ تونسوی سے کہا کرتے تھے۔ لوٹ لیا۔ سب کچھ لوٹ لیا۔ باتوں باتوں میں لے لیا۔ بلا مشقت لوٹ لیا۔ بڑے
شوم (کنجوس) ہو۔ ہمکو کچھ نہیں دیتے۔ چنانچہ اس وقت مجھے وہ واقعہ یاد آگیا۔ کہ جب قطب العارفین سلطان المشائخ
فیض بخش خواجہ اللہ بخش صاحب رح (حضرت ثانی) کے وصال کا وقت قریب آیا۔ تو دونو صاحبزادے اور چھوٹے
بڑے شاہزادے اور خاص خدام ایک پل جدا نہ ہوتے تھے۔ اتنے میں حضرت چراغ تونسوی خواجہ محمود صاحب
نے فرمایا۔ کہ جاؤ۔ فقیر محمد روشن کو بلاؤ۔ قدر جوہر شاہ بداند یا بداند جوہری کے اصول کے مطابق حضرت چراغ
تونسوی کو بخوبی علم تھا۔ کہ فقیر صاحب کس قدر روشن دل اور روشن ضمیر ہیں۔ اور اس موقع پر انکی عدم موجودگی وہ
خاص طور پر محسوس کر رہے تھے۔ اور فقیر صاحب کی یہ کیفیت۔ کہ کوٹھڑی سے نکل کر دس بار دروازہ تک گئے۔ لوگوں کی
بھیڑ اور ہجوم۔ راستہ نہ ملتا تھا۔ دھکے کھائے۔ ٹھوکریں کھائیں۔ آنسو بہا کر اپنے زاویہ تنہائی اور گوشہ عزلت میں
آبیٹھے۔ دل تڑپ رہا ہے۔ کلیجہ بلبوں اچھل رہا ہے۔ پروانہ وار شمع حسن پہ فدا اور قربان ہونیکو تیار۔ مگر راستہ نہیں ملتا
دریا ہوتا۔ تو کود پڑتے۔ پہاڑ ہوتا۔ تو پھلانگ مارتے مگر اب کیا کریں۔ ؎

کہ با صد بار غم بیچارہ مجنوں باز پس ماندہ	مرا کہ تن دارے عماری وار لیلیٰ حسبتہ للہ

؎ خدا کیواسطے لے ساربان! جلدی نہ تو کرنا | عماری روک لے لیلیٰ کی۔ مجنوں رہ گیا پیچھے

فقیر محمد روشن کی اس وقت کیا حالت تھی۔ باوجود روشندلی دنیا اندھیر ہو رہی تھی۔ مگر نوعیت دخبیت ذات پر غالب آئی۔ تو حضرت چراغ نے اس پروانہ کو منگایا۔ مگر باوجود انتظار شدید فقیر صاحب نہ آیا۔ آئے تو کیونکر۔ ؎

جیسے دیکھو وہی دشمن نظر آتا ہے مجنوں کا | غبار دشت پردہ دار یاں کرتا ہے محمل کی

کئی دفعہ ہمت کی۔ کہ کوئی مرد خدا راہ دیگا۔ بھیڑ اور ہجوم سے نجات ہوگی۔ تو اپنے مرشد شفیق اور قبلہ حقیقی کی خدمت میں جاکر نقد جان نثار کرونگا۔ مگر یہاں ہر ایک کے دل میں شوق اور عقیدت کی آگ بھڑک رہی تھی۔ روشنی در تاریکی کی تمیز نہ تھی۔ کوئی کسی کو پہچانتا تھا۔ امیر فقیر، برنا و پیر اس دھن میں لگا ہوا تھا۔ کہ حضرت اس برگزیدہ خدا کی آواز اللہ ھو۔ اللہ ھو اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا ورد ہو رہا ہے۔ ایک نظر تو انکو دیکھ لیں۔ منتظر اور پیاسی آنکھوں کو ذرا ٹھنڈا کر لیں۔ پس اس وقت ایک طرح نفسی نفسی کا وقت تھا۔ نہ فقیر محمد روشن کی پروا تھی۔ اور نہ کسی اسد خان کی۔ ہر ایک یہہ چاہتا تھا۔ کہ حضرت ثانی کی خدمت میں پہلے میں پہنچوں تاکہ دیدار فرحت آثار سے قلب محزون کو تسلی ہو۔ پس یہی جھگڑا تھی۔ کہ فقیر صاحب کو کوئی نہ آنے دیتا تھا۔ اتنے میں حضرت چراغ تونسوی نے مولوی محمد یار خان صاحب ہیڈ ماسٹر کی طرف ارشاد فرمایا۔ کہ جاؤ۔ فقیر صاحب سے کہو۔ اگر تمہیں کوئی نہیں آنے دیتا۔ تو آؤ میں لے چلتا ہوں۔ اور اگر آپ خود نہیں آتے۔ تو تمہاری مرضی۔ اس پر زبدۃ الاولیا حضرت حافظ موسےٰ صاحب فرزند اکبر جو شاید اپنی تشنگی کو زیادہ بجھانا چاہتے تھے۔ فرمانے لگے۔ کہ وہ خود نہیں آتا۔ حضرت چراغ تونسوی نے مشتعل ہو کر فرمایا۔ کہ نہیں نہیں جاؤ اور لاؤ۔ چنانچہ استادی مولوی محمد یار خان صاحب اس ہجوم سے تیر کی طرح گذرتے ہوئے سیدھے اس ہجر انی دم کے پاس جا پہنچے۔ جو اپنی درماندگی اور پس ماندگی پر آنسو بہا رہا تھا۔ جب پیغام سنا۔ تو کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ کہ ہزار دفعہ ٹکریں مار چکا ہوں۔ کوئی راہ نہیں دیتا۔ الغرض اسی وقت خدمت اقدس میں پہنچے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ حضرت چراغ تونسوی مدت سے اپنا چراغ دل اس شمع ولایت سے روشن کر چکے تھے۔ اور نہ چاہتے تھے۔ کہ فقیر صاحب جیسا شخص محروم رہے۔

حضرت غریب نواز کو کسی وقت درد شدید کی تکلیف ہوتی۔ تو آپ کی بے آرامی اور بے چینی کو دیکھ کر سب کے سب حاضرین لوٹن کبوتر کی طرح لوٹنے لگتے ؏ اس مقدس جان کا بدلہ تو نہیں ہو سکتی۔ مگر اس . . . . درد کا عوض ہو جاوے۔ تو مجھے خوشی سے منظور ہے۔ اور ہزار بار تصدق ہے۔ خدا کی قدرت۔ ان الفاظ کا یہ اثر ہوا۔ کہ حضرت ثانی علیہ الرحمۃ کو پھر درد کی شکایت نہ رہی۔ گو مرض نے غلبہ کیا۔ مگر درد کافور ہو گیا۔ فقیر محمد روشن کا اشارہ

؏ حضرت محمود صاحب نے فرمایا۔ میری جان۔

اسی طرف تمام جو فرمایا کرتے تھے۔ باتوں باتوں میں لوٹ لیا۔ بلا مشقت لوٹ لیا۔ وابستگان دامن حضرت ثانی یا خواجہ حافظ صاحب یا حضرت چراغ تونسوی بخوبی جانتے ہیں۔ کہ فقیر محمد روشن کی کیا قدر و منزلت تھی۔ مگر میری فیاضی کے دستر خوان سے ہزاروں ایسے فیضیاب ہوئے۔ ایک فقیر صاحب کی کیا گنتی ہے۔ ہاں ہالیان سنگھڑ کی بابت میں کہہ سکتا ہوں۔ کہ نزدیکان بے بصر دور اور دوران باخبر در حضور والا مضمون ہے۔ اس دریائے فیض سے جسقدر ہندوستان سیراب ہوا۔ سنگھڑ والوں کے حصہ میں کچھ نہ آیا۔ الا ما شاء اللہ۔ ؎

زلیخا را بہ پرس از وے کہ صد شرح و بیان دارد	حدیث حسن یوسف را کجا دانند اخوانش

حضرت چراغ تونسوی کی خوش اخلاقی اور شیریں بیانی پتھر سے پتھر دل کو موم کر دیتی تھی۔ اہل اسلام تو خیر جانتے ہی تھے کہ حضرت کی فیض رسانی اور مہربانی کمال کی ہے۔ غیر اقوام اور غیر مسلم اشخاص کو میں نے اس شمع سلیمانی اور چراغ رحمانی کے گرد پروانہ وار نقد جان نثار کرتے دیکھا۔ بڈھا سنگھ نوجوان سپاہی حضرت پر اپنا سر تصدق کرنے کو تیار تھا۔ ہر وقت خدمت پر کمر بستہ۔ دربان کی خدمات بجا لاتا ہمیشہ پہرہ پر موجود۔ کیا حضرت کریم نے اسے مقرر فرمایا۔ ہرگز نہیں وہ خود ہی بھونرے کیطرح اس نازک پھول پر قربان تھا۔ اسی طرح سینکڑوں غیر مسلم اشخاص حضرت سے نہ صرف شرف نیاز رکھتے تھے۔ بلکہ عاشق زار تھے۔ ؎ اثر لبھانے کا پیارے تیرے بیان میں ہے ٭ کسی کی آنکھ میں جادو تری زبان میں ہے ابتدا میں آپ کی طبع مبارک میں جلالیت زیادہ جلوہ گر تھی۔ مگر جوں جوں سن شریف زیادہ ہوتا گیا۔ جلال جمال سے تبدیل ہوا۔ یہاں تک کہ آپ بدر کامل بن گئے۔ اس اثنا میں آپ کی یہ کیفیت تھی۔ کہ کسی فرد بشر کو ذرا سی تکلیف رونما ہو۔ تو آپ برداشت نہ کر سکتے تھے۔ ؎

سارے جہان کا درد ہمارے جگر میں ہے	خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر

میں اس طولانی وقت کے چند واقعات لکھتا ہوں۔ جو اظہر من الشمس ہیں۔ لیکن واضح رہے۔ کہ معاذ اللہ میرا کسی کے رنجیدہ کرنے اور دل دکھانیکا ہرگز ہرگز منشا نہیں ہے۔ ؎

آدمی کیا خراب ہوتا ہے	دل دکھانا عذاب ہوتا ہے

آپ پاک پتن تشریف لے گئے تھے۔ واپسی پر ملتان شریف تشریف لے گئے۔ چونکہ مقدمہ شروع ہو چکا تھا اسواسطے خود غرض ملازمین نزاع کی آگ میں تیل ڈال رہے تھے۔ چنانچہ ایکدفعہ ایک شخص سے کوئی فعل ناشائستہ سرزد ہوا یعنی اسنے کسی کی منکوحہ کو بھگا دیا۔ اس شخص کا ہمارے حضرت چراغ تونسوی سے کسی قسم کا تعلق نہ تھا بلکہ وہ ملازم یا میلی دوسرے فریق کا تھا۔ خیر آپ سنگھڑ میں موجود نہ تھے۔ دیگرے از بام افتد و گردن من بشکند والے

مضمون کے مطابق تحصیلدار وقت نے جو قوم کا افغان اور ساکن ملتان تھا۔ الٹا حضرت چراغ دہلوی کے
لازم کو حوالات میں دیدیا یعنی عدم موجودگی میں ایسی شہادت بہم پہنچائی گئی جس سے وہ بیلی گرفتار ہو گیا۔ آپ
ملتان پہنچے تھے۔ تو حضور نواب صاحب نے آپ کی ڈاک سے یہ واقعہ سنایا۔ آپ کو ایک ناحق اور بے گناہ کی گرفتاری
سخت رنجش ہوئی۔ اور یہ سب کارروائی اس پٹھان تحصیلدار کی تھی۔ اتفاق سے وہ تحصیلدار صاحب چند یوم
رخصت لے کر ملتان آیا ہوا تھا۔ جب اس نے سنا۔ کہ حضرت چراغ تونسوی آج شہر ملتان میں جلوہ فگن ہیں
تو وہ ایک اور کے ساتھ حضور کے سلام کو آیا۔ مگر یہاں معاملہ کچھ اور تھا۔ آپ نے از حد رنجش کا اظہار فرمایا۔ پٹھان سرکش
مشہور ہیں۔ دوسرا حکومت کا گھمنڈ۔ آپ کی اس سرزنش سے وہ ناخوش ہوا۔ اور دل میں کدورت ڈال کر
چلا گیا۔ ابھی حضور ملتان میں تھے۔ کہ تونسہ شریف جا کر صاحبزادہ میاں احمد صاحب کے متعلق ایک لمبی چوڑی
شکایت حکام بالا کو بھیجی۔ اور اخیر میں یہ لکھا۔ کہ ان کو مسجد میں آنے سے روکا جاوے۔ چنانچہ صدر ڈیرہ غازیخان
سے ایسا حکم صادر ہوا۔ اس عرصہ میں حضرت چراغ تونسوی جب یہ دل شکن واقعہ سنا۔ تو زبان سے یہ
الفاظ نکلے۔ کہ اس کے ہاتھ بھی نہیں سوجتے تھے؟ جب اس نے مسجد میں ممانعت کیواسطے رپورٹ لکھی۔
وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ۔ فقرا اولیا کا کلام کب خالی جا سکتا ہے

۵۔ گفتۂ او گفتہ اللہ بود | اگرچہ از حلقوم عبداللہ بود

چند روز نہ گذرے تھے۔ کہ اس ظالم کی ہتھیلی پر پھوڑا نکلا۔ کئی دفعہ اپریشن ہوئے۔ مگر درد اس شدت کا تھا۔
کہ توبہ توبہ! آخر دو تین ماہ کی رخصت لیکر گھر پہنچا۔ اور وہاں مختلف جراحوں اور ڈاکٹروں کے زیر علاج رہا
کسی نے مشورہ دیا۔ کہ بازو کاٹ دیا جاوے۔ مگر اسے گوارا نہ ہوا۔ جب کافی عرصہ گذرا۔ تو ایک دن کسی کی زبانی
گل محمد خان ننگوانی نے دربار میں ذکر کیا۔ کہ فلاں شخص سنا ہے۔ کہ اچھا ہو گیا ہے۔ اور واپس ملازمت پر حاضر
ہونیوالا ہے۔ حضرت صاحب نے یہ خبر سنی۔ کسی نے کہا حضرت حافظ صاحب نے دعا طلبی کی ہے تو آپ نے فرمایا

۵۔ قاصد کو اپنے سودا جو کچھ کہ دوں روا ہے | زندہ پھرے تو اجرت ورنہ تو خون بہا ہے

اے گل محمد... تو نے.. کو جینے نہ دیا۔ یہ... تیری گردن پر۔ آخر وہی ہوا۔ جو فرمایا تھا۔ ع زندہ پھرے تو
اجرت ورنہ تو خون بہا ہے۔ اسی طرح سردار نورنگ خان صاحب تمندار کا واقعہ ہر خورد و کلاں میں مشہور ہے
کہ اب لوگوں میں یہ واقعہ زبان زد ہے۔ مگر عمر کے تیسرے حصہ میں جب آپ نے وہ جلالیت ترک کی۔ اور فنافی اللہ
کے درجہ میں پہنچ کر تمام امور سے بیزاری فرمائی۔ تو یہ واقعات کبھی رونما نہ ہوئے۔ چنانچہ چند ایک مثالوں سے

یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ جائیگا۔ کہ آپ کسی سے انتقام لینا بھی پسند نہ فرماتے تھے۔ گویا مولا پاک کی صفت رحیمی آپ کی ذات بابرکات میں جمع ہوگئی تھی۔ مثلاً ایک مراسلہ میں ارقام فرماتے ہیں۔

مدعی صاحب پر دعوی دائر نہیں کیا گیا۔ کہ بخدائے لایزال قسمیہ عرض کرتا ہوں۔ کہ اگرچہ ہر کسی سے کم ہوں اور سب خلق سے بدتر ہوں۔ مگر مقابلہ کسی سے کرنا بھی اپنی ہی تذلیل سمجھتا ہوں۔ یعنی قدرہ نفس الیاسی کرش ہے۔ کہ بادشاہ سے مقابلہ بھی اپنی بے عزتی سمجھتا ہے۔ اور فتح کو لاکھ شکست سے بدتر سمجھتا ہے۔ بقول واقف

گشتم جملہ عالم را	چہ جائے دوستی۔ یک کس عداوت را نمی بینم

اس موقع پر یہ لکھنا بھی قرین مصلحت ہوگا۔ کہ حضرت چراغ تونسوی کا مذاق علمی بہت اعلیٰ تھا۔ شعر و سخن کے پورے مبصر تھے۔ اور یہ عادت مبارک تھی۔ کہ کبھی عنوان پر ایسا پر لطف اور پر مطلب شعر لکھتے۔ جو تمام تحریر کا آئینہ ہوتا۔ چنانچہ اس عاجز ناکارہ کو ایک دفعہ اپنے نوازشنامہ میں تحریر فرمایا۔ ؎

گو ہیں رہا رہین ستمہائے روزگار	لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

سبحان اللہ اس ایک شعر سے میرے دل کا غنچہ شگفتہ ہوگیا۔ کہ حضور کو اس ناچیز کا بھی کچھ نہ کچھ دھیان اور خیال ہے حقیقت یہ ہے۔ کہ آپ محبت و اخلاص کو پسند فرماتے تھے۔ جس میں اخلاص زیادہ تو وہ پیارا زیادہ۔ اور جس میں ذرا تمکنت اور غرور دیکھتے۔ تو اس سے اجتناب فرماتے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ اجمیر شریف سے مولینا طفیل احمد صاحب مدرس اول فارسی دارالعلوم معینیہ عثمانیہ نے کوئی عریضہ ایسا بھیجا۔ کہ آپنے جواب لکھا۔ مولوی صاحب سمجھ گئے۔ کہ کوئی امر خلاف طبع لکھا گیا۔ پس ایک قصیدہ لکھکر بھیجا۔ مگر یہاں سے پھر سکوت رہا۔ بعد و یہ عرضی معافی کے طور پر لکھی۔ جس کی کچھ نقل کی جاتی ہے۔ ۲۵ جنوری ۲۹ء (از اجمیر شریف)

غریب نواز! امیر پرورا۔ بعد شوق قدمبوسی عرض پرداز ہوں۔ کہ برسیں گذر گئیں۔ جب تونسہ شریف میں ..... حاضر ہوا۔ مگر حضرت نے محض اپنے جذبات صادق کی کشش سے شرف حضوری بخشا۔ اور از راہ قدردانی نوازش خاص کا مستحق سمجھا۔ اسکے بعد جب بقصد زیارت حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ وارد اجمیر شریف ہوا۔ تو بھی کچھ کم عنایت نہ فرمائی۔ البتہ ڈیڑھ دو سال سے دست شفقت نیاز مند کے سر سے اٹھا لیا گیا ہے۔ اور باعث بدمزگی مزاج وہاج وہ اشعار ہوئے ہیں۔ جو بذریعہ پوسٹ کارڈ بھیجے۔ خدائے پاک اور اس کا حبیب گواہ ہے۔ کہ تابعدار نے ذات قدسی صفات پر لفظاً اور معناً کنایتہً و اشارتہً کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ میری بدقسمتی سے جو مفہوم تا پہنچا۔ وہ میرے لئے سوہان روح ہے۔ میں سخت پشیمان اور پریشان ہوں۔ حسبۃً للہ معاف فرمایا جاؤں

میرے مدرسہ کی چھٹی ۱۴ شعبان سے ہو جائیگی۔ اُمید کہ حضور بعد عفو تقصیر اجازت حاضری تونسہ شریف مرحمت فرماویں۔ تا اکبسر چشمہ عزت قدمبوسی حاصل کروں۔ اور زبانی بھی بالمواجہہ بریت وصفائی پیش کروں۔

اسکے بعد یہ اشعار تحریر کیئے۔ سہ فی المعذرۃ

مُدتے شد کہ نو عروس سخن ۔۔۔ دربر تحفہ افرستادم

از رہ صورت و سر معنی ۔۔۔ طرفہ تر دلربا فرستادم

طلعتش صدق و خلعتش اخلاص ۔۔۔ ہمہ مہر و وفا فرستادم

بسلیمان وقت خود بلقیس ۔۔۔ گوئیا از سبا فرستادم

قبلہ گاہا بعز عرض نیاز ۔۔۔ چند گویم چہا فرستادم

صد اثر تا دہد قبول سحر ۔۔۔ از پس یک دعا فرستادم

نالہ ارباب خلوت ناز ۔۔۔ بطریق رسا فرستادم

نغمۂ بلبلے بگوش گلے ۔۔۔ با نوائیں نوا فرستادم

معذرت نامۂ نیاز آگیں ۔۔۔ پر ز صدق و صفا فرستادم

از پئے مشت خاک درگہہ تو ۔۔۔ تنگئے از کیمیا فرستادم

حرف من رو نیافت تا در تو ۔۔۔ ہم بصد التجا فرستادم

تا شود پاک خاطرت ز غبار ۔۔۔ آب چشم از قفا فرستادم

بر بنائے عقیدتے کہ مراست ۔۔۔ نظم وصف و ثنا فرستادم

من ویزدان نہ چوں ستائش گر ۔۔۔ بر امید عطا فرستادم

تا ہنوز از جواب محروم ۔۔۔ کہ خلاف رضا فرستادم

خود ضمیر منیر خواجہ گواہست ۔۔۔ کہ بعجلت چرا فرستادم

قصد پابوس داشتم الآن ۔۔۔ پیش از آں نامہ را فرستادم

مخلصانہ نیامدانہ ۔۔۔ نہ بریودر یا فرستادم

بر اُمید حضوری تونسہ ۔۔۔ ایں ہمہ عذرہا فرستادم

خمش عادفے گذارش حال ۔۔۔ دل بہ پیر مدعا فرستادم

حضرت کے اخلاق کریمانہ

یہی وہ عنوان ہے۔ کہ اگر اس پر دفتر کے دفتر قلمبند کروں۔ تو بھی آپ کے اخلاق کریمانہ میں سے ایک شمہ بھی ادا نہ ہو سکیگا (قاعدہ کی بات ہے۔ کہ جس طرح محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق نبوی جسقدر بیان ہوں اسی قدر پڑھنے والے کو مسرت تازہ اور لطف بے اندازہ حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح اس عاشق رسول مقبول کے جسقدر مناقب اور کلمات طیبات بیان ہونگے۔ عقیدتمند۔ مریدوں کو اور زیادہ لطف آئیگا۔ ایک دن ایک بزرگ حضرت موسےٰ علی نبینا علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہوئے اس آیۃ کریمہ کی تفسیر فرماتے تھے۔ کہ جب فرمان الٰہی ہوا۔ وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى۔ یعنی اے موسیٰ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے۔ تو اس کا مختصر جواب یہہ ہو سکتا تھا۔ کہ هٰذَا عَصَاى۔ یعنی یہہ میرا عصا ہے۔ مگر مہتر موسیٰ علیہ السلام کلام الٰہی کو سنکر ایسے مست اور گرویدہ ہوئے۔ کہ فرماتے ہیں۔ قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرٰى۔ الآیۃ فرمایا۔ کہ یہہ میری عصا ہے۔ میں اسکے سہارے چلتا ہوں اور اس سے اپنے ریوڑ کیلئے پتے جھاڑتا ہوں۔ اور اس کے علاوہ اسمیں اور بھی بہت سے فوائد اور مقاصد ہیں مطلب یہ ہے۔ کہ وہ کیف میں آکر مسلسل تقریر فرمانے گئے۔ حالانکہ سوال تو صرف یہہ تھا۔ کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔ اسی اصول پر ہم بھی حضرت چراغ تونسوی کے حالات و مقالات میں جہاں انکے اخلاق کا ذرا سا نمونہ پیش کرینگے۔ وہاں اپنی طبع کی بے خودی سے مجبور ہوکر دیگر واقعات کا سلسلہ بھی جاری رکھینگے۔

المختصر ہمارے حضرت چراغ تونسوی میں اخلاق حسنہ کوٹ کوٹ کر بھرے تھے۔ وہ صفات محمدی کا صحیح نمونہ تھے۔ جب کوئی شخص انکے دربار فیض آثار میں حاضر ہوتا۔ اسی کے حسب مطلب گفتگو ہوتی۔ یہاں تک کے ایک دہقان یا ساربان آپ کی مجلس میں موجود ہے۔ تو آپ کی شیریں بیانی سے وہ بھی مسرور ہوکر اٹھتا۔ اگر کوئی اہل علم ہے۔ تو علمی نکات سے اسکی ضیافت کی جاتی۔ سخن سنج ہے۔ تو وہ شاعرانہ گفتگو اور نکتہ سنجی کی گرم بازاری ہے۔ کہ خاقانی اور انوری کی روح وجد کرنے لگے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ ہندوستان کے ہر مقام سے بیشمار خطوط آپ کی خدمت میں روزمرہ آتے۔ کئی منشی اس کام پر تعینات تھے۔ کہ ہر ایک کے ضروری خط یا عریضہ کا جواب لکھا جاوے۔ حضرت ثانی عطا بخش خواجہ اللہ بخش صاحب قدس سرہ العزیز کے وقت معمول تھا۔ کہ ہر ایک عقیدتمند کے خط کا جواب لکھا جاتا۔ تو لفافہ بالعموم بیرنگ بھیجا جاتا تھا۔ اس میں طالبین تو ہمیشہ اپنی ڈاک جاری رکھتے۔ مگر دیگر اشخاص ایک دفعہ ۲ محصول ادا کرنے کے بعد خاموشی کے گنبد میں بیٹھ جاتے۔ مگر ہمارے حضرت

چراغ تونسوی کا یہ معمول تھا۔ کہ آپ لفافہ یا کارڈ میں جیسا مناسب حال تھا۔ سب کا جواب یا تو خود دست مبارک سے لکھتے۔ یا منشیوں سے لکھوا کر اور اپنے دستخط خاص سے مزین فرما کر بھیجتے۔ تا کسی کی دل شکنی نہ ہو۔ اور اگرچہ بیسیوں روپیہ ڈاک کا خرچ تھا۔ مگر بیرنگ خط کسی کو کبھی نہ لکھوایا۔ گویا یہ فیض عام کر دیا گیا۔ حضرت کی وفات حسرت آیات کے بعد اس ناچیز کو بڑے محل کے اوپر منشی خانہ میں جانیکا اتفاق ہوا۔ تو دیکھا۔ کہ بلا مبالغہ لکھو کھا خطوط رکھے ہیں البتہ یہ امتیاز ضرور تھا۔ کہ معرکۃ الآرا خطوط یا تو ابتدا میں مولوی محمد یار خان سے لکھواتے۔ یا بنفس نفیس خود اپنے قلم سے تحریر فرماتے۔ منشی عثمان خان۔ مولوی غلام علی خان بہت سے خطوط کا جواب تحریر فرماتے۔ مگر اپنے پیارے معتقدین اور غلامان کو خود دست مبارک سے لکھکر افتخار بخشتے۔ چنانچہ بعض احباب کے پاس فاتح دو چار دن پہلے کے لکھے ہوئے نوازشنامے موجود ہونگے۔ چنانچہ جناب محمد سعید صاحب ای ہلے۔ سی کرنال کو جو مراسلہ تحریر فرمایا۔ اوپر کا حصہ آپ نے تحریر فرمایا۔ اور پھر باقی حصہ مولوی غلام علی صاحب سے لکھوایا اور یہ بھی غالباً تحریر کر دیا۔ کہ یہ میری آخری چٹھی ہے۔ اللہ۔ اللہ میاں محمد سعید صاحب سے آپ کی آخیر میں کسقدر الفت ہو گئی تھی۔ کہ روزانہ عریضہ بھی روانہ کرتے۔ اور تار بھی بھیجتے۔ اور بالآخر خود قادر پور آپکے وصال سے شاید ایکدن پہلے یہ مرد سعید کرنال سے (باوجود پابندی ملازمت جسطرح ہو سکا) حضرت کی خدمت میں پہنچ گئے۔ اور اس صاحب کمال ہما ئے اوج سعادت کے پر تیسے سعادت دارین حاصل کی۔ کمال خوش نصیبی ہے۔ اور فرخندہ طالعی ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست		تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ خلاصہ یہ ہے۔ کہ آپ کے اخلاق کی کیا تعریف کی جائے۔ چند ایک حکایات لکھتا ہوں میاں باغ علی ایک عرصہ دراز تک اثنائے ملازمت فریق ثانی حضرت کے غلاموں سے کمال عداوت رکھتا تھا مگر آپ کی طبع رحیم ان باتوں کی کیا پرواہ کرتی۔ خدا کی قدرت کہ وہ ہولناک بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ کسی نے بزعم خود حضرت چراغ تونسوی کے خوش کرنیکیلئے اظہار کیا۔ کہ فلاں شخص اپنے اعمال و افعال کی پاداش میں ایسا گرفتار ہے۔ کہ مجال نہیں۔ جو نکل سکے۔ بس اسکا روح قفس عنصری سے پرواز کرنیوالا ہے۔ حضرت غریب نواز کو اپنی قدرتی رحمدلی سے صدمہ سا ہوا۔ اور فرمایا۔ کہ غریب عیالدار ہے۔ اور ہمارے برادر زادہ کا رکن اعظم۔ اور اعلی رہا ہے۔ اللہ اسے شفا دیوے۔ چنانچہ فاتحہ خیر کیواسطے ہاتھ اٹھائے۔ خدا کی قدرت سل و دق جیسی ہولناک بیماری سے خدا نے اسے صحت بخشی۔ مگر ہمارے خواجہ کی رحمدلی اور کریم النفسی ملاحظہ ہو۔ کہ ایسے آدمی کیواسطے جن سے انکے ملازمین کی ہر وقت پرخاش رہی۔ اور جو بر سر آزار رہا۔ آپ اس کے آزار کے رفع ہونیکے واسطے

دعا طلب کر رہے ہیں۔ سبحان اللہ۔ اسی طرح سیال شریف کے صاحبزادہ صاحب کا جب وصال ہوا۔ باوجودیکہ
آپکے برخلاف پارٹی میں انکی شمولیت تھی۔ مگر آپ نے کھانا تک نہ کھایا۔ اور فرماتے تھے۔ بڑا نیک بندہ تھا۔ بڑا
مخلص تھا۔ وہ واقعی اخلاص کے امتحان میں کامیاب ہوا۔ ایسی علیٰ کامیابی کسی اور کو ہو سکتی ہے۔ کہ اس نے زیادہ
سے زیادہ جرم یہی کیا تھا۔ کہ میرے برخلاف شہادت دی۔ مگر اخلاص کو وزن کیجیے۔ ایک بڑے گروہ کا پیر و
مرشد برابر ۱۲ سال میرے پاس آئے۔ میں روگردانی کروں۔ وہ ناز برداری کرے۔ اور ایسی جگہ بیٹھنا پسند
کر لیوے۔ جو اس کے شان کے شایان نہ ہو۔ یہہ سچا اخلاص نہ تھا۔ تو اور کیا تھا۔ پھر آپ آبدیدہ ہو گئے۔
دیگر... میرے حضرت چراغ تونسوی کی تحریر نہایت پُرمضمون ہوتی۔ ہاں آپ کی تحریر سوائے واقف کار حضرات کے
پڑھنا ذرا دشوار ہے۔ جو گفتگو کا طریقہ تھا۔ وہی طرز تحریر تھی۔ (میرے مکرم محترم اور واقعی محسن معظم عزز کم اللہ تعالیٰ)
(محسن احسن اللہ مونک) (معظما عظمک اللہ) (مکرما کرمک اللہ) آپ کے عام الفاظ تھے۔ جنکے
پڑھنے سے انسان کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ اخیر میں حسب ذیل تحریر فرماتے (فقیر محمود۔ مضطر محمود۔ محمود سلیمانی
عاصی سلیمانی۔) جس سے ترتیب سے یہ الفاظ لکھے گئے ہیں۔ اسی ترتیب سے آپ تحریر فرماتے رہے۔ یعنی
ابتدا میں فقیر محمود ارقام فرماتے۔ پھر کچھ عرصہ مضطر محمود۔ بعدہ سلیمانی لفظ پسند آیا۔ اور عاصی سلیمانی تحریر فرماتے
کبھی آپ سفر میں ہیں۔ اور کشتی دریا میں جاری ہے۔ اور آپ بکس منگا کر اپنے مخلصین اور شائقین کو مراسلات
تحریر فرما رہے ہیں۔ الغرض ڈاک کی آمد معمولی نہ تھی۔ بلکہ بیشمار ڈاک آتی تھی۔ اور روزانہ کوئی نہ کوئی تار برقی
پیغام آجاتا۔ اور خاص خاص موقعوں پر بیسیوں برقی پیغام پہنچتے۔ دیگر..... مولوی عبدالقادر صاحب ابن
استاذی مولوی غلام محمد صاحب ولایت گئے۔ تو واپسی پر اثنائے سفر میں بمقام جدہ انہوں نے خواب دیکھا۔ کہ
سنیچر موت۔ اتوار قبر۔ آگے راحت) کوئی ہاتف کہہ رہا ہے۔ اسپر اول تو بہت حیران ہوئے۔ میاں عبداللہ
دربان ساتھ تھا۔ جدہ شریف اور مکہ شریف یہاں تک مدینہ شریف بھی زیارت کو گئے۔ حج موسم نہ تھا۔ واپس آئے
تو اسی خواب کا بار بار خیال آتا۔ آخر ویسا ہی ہوا۔ تھوڑا سا عرصہ گذرا تھا۔ کہ انہوں نے پیام اجل کو لبیک کہا۔ حضرت
چراغ کو بتقاضائے طبع کریمانہ نہایت صدمہ ہوا۔ جب انکا جنازہ آیا۔ تو روضہ مبارک کے اندر تبرکات (غلاف
خانقاہ) ڈال کر انکی عزت افزائی کی گئی۔ خود قبرستان تشریف لے گئے۔ مرحوم کی قبر افغان نیک بندوں سے
تیار کرائی گئی۔ پس ماندہ یتیموں سے خاص سلوک کیا گیا۔ چھ بوری پختہ غلہ سالانہ۔ بارہ روپے ماہوار وظیفہ مقرر فرمایا
بلکہ چار یا پانچ سو قرض مہاجنوں کا انکے ذمہ تھا۔ جیب خاص سے ادا فرمایا۔ عرصہ دراز تک اسکے واسطے دعائے خیر

فرماتے رہے۔ محمد عبداللہ خان بی اے نے ایک عریضہ اپنے والد بزرگوار کو لکھا جس میں لکھا افسوس کہ بعد لکھنے میں مولوی عبدالقادر ہمارے حضرت کے دربار کا درخشندہ گوہر تھا۔ واقعی وہ قیمتی جوہر تھا جس کی قدر اسی جوہری کو تھی۔ آپ ایک دن فرمانے لگے۔ ہمارا ایک خیر خواہ خیر اندیش تھا۔ وہ بھی چل دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

دیگر... حضرت چراغ تونسوی کے اخلاق کی یہ ادنیٰ مثال ہے۔ کہ مرض الموت میں آپ نے ہر ایک سے دلی طور پر حقوق بخشوا لئے۔ چنانچہ شیخ...... ملازم سے فرمایا مجھے اپنے حقوق بخش دو۔ میں تمہیں کبھی سخت سست کہا تھا۔ یا تو نفس کی سرکشی تھی۔ یا تمہاری بہتری۔ بہرحال تمہارے حقوق بہت ہیں۔ تمام بخش دو۔ مولوی غلام علی صاحب کا بیان ہے کہ وفات سے تین دن پہلے ہر ایک ملازم سے اپنے حقوق بخشوا لئے۔

عموی حاجی گل محمد خان سوکڑی کو جب آپ نے تیاد رپور سے رخصت فرمایا۔ تو ارشاد کیا۔ کہ فلاں فلاں سے کہنا۔ کہ حقوق بخش دو۔ اور یہ بھی کہہ دینا۔ کہ میں آپ کو حضرت چراغ تونسوی آخری دم پر چھوڑ آیا ہوں۔

دیگر... کبھی آپ معمولی الفاظ میں عجب پر لطف معانی محض جودت طبع سے پیدا کر لیتے تھے۔ چنانچہ ایک عنایت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ جناب کے احسانات و بردباریاں اس قدر نہیں۔ کہ یہ نفسانی بالکہ نفس ثانی عہدہ برآ ہو سکے۔ موقع موقع کی مثال اور برمحل اشعار جو اعلیٰ مذاق اور اعلیٰ خیال کے ہوتے تھے۔ آپ کو اس طرح یاد تھے۔ کہ دیکھنے والے حیران اور ششدر رہ جاتے۔ کہاں مسجد کی تعلیم۔ اور کہاں ذوق اور غالب کی بامحاورہ اردو نظمیں اس علمی مذاق کی وجہ سے بعض دفعہ ایسے مرصع اور فصیح فقرے آپ کی قلم سے نکل جاتے۔ کہ ناظرین پڑھکر جھومنے لگتے مثلاً ایک دو الانامہ میں فرماتے ہیں۔ میری کمزوری اور عدم استطاعت کی اس سے زیادہ اور کوئی دلیل نہیں ہے کہ میں بذاتہٖ حاضری سے قاصر ہوں۔ اور یہ نصف ملاقات حاضری بھی ایک واسطہ سے کر رہا ہوں۔ مگر خدا اور خدا کے اچھے لوگ اندک گیر ہیں۔ نو انداک پذیر بھی ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے۔ ؂

رہا ہے ایک رمق جی۔ سو کیا نثار کروں	مجھے تو نزع میں سشرمندہ اس نے آ کے کیا

ایک چٹھی میں کسی بے تکلف مہربان کو لکھتے ہیں۔ پیشی کی بیشی کی بخدا کہ مجھے انتظار مطلق نہیں ہے بلکہ میں اپنے لئے اس امر کو مفید سمجھتا ہوں۔ کہ ہمیں درگاہ سے احتیاج کے اظہار کا موقع میسر آتا ہے۔ اور کچھ نہ کچھ خیرات کا بھی۔ جو کہ تمام نیکیوں سے عزیز نیکی خیرات ہے۔ دیگر ۱۹۱۵ء کا واقعہ ہے۔ کہ ایک دن صبح کے وقت حسب معمول آپ اپنے قصر معلے میں رونق افروز تھے۔ چائے کا دور چل رہا تھا۔ اس قدر مخلوق تھی۔ کہ محل میں تل رکھنے کو جگہ نہ تھی۔ جلسہ کے بعد بہت سے لوگ چلے گئے۔ اور صرف خاص حاشیہ نشین اس بزم کا لطف اٹھا رہے تھے

کہ اتفاقاً آپ کو عارضہ پیچش ہو گیا۔ بلا مبالغہ ایک گھنٹہ میں بیس بیس دفعہ بیت الخلا میں گئے۔ خدا کی قدرت اس دن چھ سات دیسی حکیم موجود تھے۔ جن کی علمیت اور تجربہ کی دھوم تھی۔ کئی ادویہ استعمال میں آئیں۔ مگر شکایت رفع نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ حکما نے التماس کی۔ کہ آپ پلنگ سے دور تشریف نہ لے جائیں آپنے فرمایا مجھ سے یہ نہ ہو گا۔ طبع مبارک کو اس آمد رفت سے سخت تکلیف ہو رہی تھی۔ اور سب اہل مجلس حیران بلکہ سرگردان تھے۔ ایک دفعہ آپ نے اتنا فرمایا۔ کہ آج ہمارے میر صاحب ہوتے۔ اسپر میاں احمد صاحب وڈیرہ بول اٹھا۔ قبلہ انہیں ابھی تار دیتے ہیں۔ حضور نے فرمایا۔ نہ بھائی ایسا نہ کرنا میر صاحب نحیف البدن آدمی ہیں۔ موسم سخت ہے۔ دریا کا سفر ہے۔ میں اپنے دوستوں کو ہرگز تکلیف دینا نہیں چاہتا۔ خداوند کریم فضل کریگا۔ مگر تکلیف زیادہ ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ سہ پہر کیوقت آپ کا چہرہ زرد تھا۔ اور اس طرح کی بیقراری تھی کہ تمام اہالیان مجلس بیتاب ہو رہے تھے۔ اگرچہ حضرت چراغ تونسوی نے تار دینے سے روکا تھا۔ مگر وزیر صاحب نے تار دیدیا۔ میر صاحب خانیوال سے آ گئے۔ پیرووال میں مقیم تھے۔ حاضرین دربار میں خانصاحب غلام رسول خان ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس اور انکے برادر سعادت یار خان بی اے۔ انسپکٹر پولیس تونسہ شریف بھی موجود تھے۔ جب انہوں نے حضرت چراغ تونسوی کی تکلیف زیادہ دیکھی۔ تو کسی سرکاری مطلب کیواسطے صاحب سول سرجن بہادر ڈیرہ غازیخان کو تار دیا۔ چنانچہ صاحب موصوف فوراً تونسہ شریف آ گئے۔ اور جب ڈاک بنگلہ میں سعادت یار خان نے خواجہ صاحب کی ناسازی طبع کا ذکر کیا۔ تو وہ عیادت کیواسطے تشریف لائے۔ اور ایسی دلکش تقریر کی۔ کہ خواجہ صاحب کو ان کا علاج منظور کرنا پڑا۔ خدا کی قدرت۔ سول سرجن صاحب نے حسب ہدایت دیسی ادویہ تجویز کیں اب میر صاحب کی سواری وغیرہ کا انتظام ضروری تھا۔ تار ملنے پر وہ فوراً روانہ ہوئے۔ مگر کوٹ سلطان سواری نہ پہنچ سکی۔ آخر اونٹ پر سوار ہوئے۔ ایک طبع نازک و نحیف دوسرے دریا کا سفر۔ شام ہو چکی تھی۔ کہ تونسہ شریف آ پہنچے۔ جب آپ کو معلوم ہوا۔ کہ انہیں تار دیا گیا۔ اور وہ تشریف بھی لے آئے۔ تو آپ نے وزیر صاحب اور ان کے صلاح کاروں سے کمال اظہار ناراضگی فرمایا۔ محض اس خیال سے کہ اس شریف اور نحیف انسان کو سخت تکلیف ہوئی ہو گی باوجودیکہ کمال ضعف تھا۔ مگر جوش محبت سے استقبال کو اٹھے۔ اور محل کی بیٹھک تک تشریف لائے۔ اسوقت میر صاحب تو دل ہی دل میں افسوس کر رہے تھے۔ کہ آج خدمت کا موقع ملا تھا۔ اور آپ ان کی تکلیف سفر۔ اور صعوبت راہ کیوجہ سے اسقدر متاثر ہو رہے تھے۔ کہ بس کچھ نہ پوچھیے۔ میر صاحب فرماتے ہیں۔ الحمد للہ۔ کہ آپ کو تندرست پایا۔ میری تکالیف کچھ حقیقت نہیں رکھتیں۔ حضور فرماتے ہیں میرے

مشفق کو کیوں اسقدر تکلیف دی گئی۔ عجب سماں تھا۔ یہہ میر صاحب ہمارے حضرت کے مشید تھے۔ میں
ان کا ذکر آگے زیادہ تفصیل سے لکھونگا جبکہ میر صاحب کی وفات اور حضرت چراغ تونسوی کی وفا اور سچی محبت کا
نقشہ پیش کرونگا۔ یہہ بزرگ ایک اعلیٰ ہستی تھے۔ اور انکی محبت و عقیدت عشق کے درجہ کو پہنچی ہوئی تھی ۔ ؎

میان عاشق و معشوق رمز یست	کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

افسوس۔ کہ یہہ پاک ہستی بھی نہ رہی۔ اور ملتان شریف میں حضرت کی ابتدائی تدفین بھی ایک راز سربستہ ہے
انشاء اللہ اگلے صفحات میں اپنے موقع پر قلمبند کرونگا۔ دیگر۔ سوکڑ میں ایک شخص موسے خان ملقانی
عجیب تماش کا آدمی ہے۔ جو عام لوگوں میں موسے وہابی کے نام سے مشہور ہے۔ ایکدفعہ اس نے عرض کیا۔ کہ قبلہ
کاشتکار ہوں۔ مگر مفلس اور نادار۔ بیماری سے ایک بیل مرگیا۔ لنگر سے کوئی بیل عطا ہو۔ آپنے وزیر کو
حکم دیا۔ کہ فلاں بیل موسے خان کو دیدو۔ چنانچہ وہ بیل لیکر ہنسی خوشی گھر چلا گیا۔ یہ شخص جاہل محض ہے
مگر قرآن شریف کی آیات اس طرح پڑھتا ہے۔ کہ سبحان اللہ۔ اور پھر انکے معانی مخفی اپنے حافظہ سے اس طرح
کرتا ہے کہ ناواقف حیران ہو کر کہتے ہیں۔ کہ یہہ کوئی مولوی ہے۔ وعظ بھی کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی اپنی بے علمی
کا اظہار بھی بڑے فخر سے کرتا ہے۔ بیچارا مفلس آدمی ہے۔ مگر نماز روزہ کا پابند۔ اور قرآن مجید بڑے شوق سے پڑھتا ہے
حضور نے وفات سے ۲ یوم پہلے جہاں سوکڑ کے اور غلاموں کو یاد فرمایا۔ وہاں موسیٰ وہابی کا نام بھی لیا تھا۔
دیگر۔ حضرت چراغ تونسوی کلام موزون سنکر بہت مسرور ہوتے تھے۔ اسواسطے تمام مخلص غلام جب کوئی عریضہ
انکے حضور بھیجتے تو سرنامہ پر اشعار لکھتے۔ چنانچہ جناب صالح محمد صاحب بہاول پور سے لکھتے ہیں۔ ؎

اے خوشا آں دیدہ کہ اول بر رخت مے افتدا	کہ بصد حیلہ و بیرون مے آئی

دیگر۔۔ مقدمہ کے متعلق جب آپ دیکھتے۔ کہ مختار عام اور دیگر احباب کو عدالت میں حاضری اور بار بار پیشی پر جانیکی
سخت تکلیف ہوتی ہے۔ تو آپ بہت متاثر ہوتے۔ چنانچہ ایک سرفرازنامہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ میں نفس کی غلطی
سے دعوے کر بیٹھا ہوں۔ اور اب بہت پچھتا تا ہوں۔ مگر تیر جستہ از کمان باز نمے آید۔ اس مقدمہ میں جسقدر
اخراجات۔ اور انتظارات۔ اور بنی نوع انسان کی مدارات اور اپنے نہایت مکرم مہربانوں کی تضیع اوقات
اسقدر کمی ہائے کا سامنا ہے۔ کہ کامیابی میں بھی ہرگز معاوضہ نہیں ہو سکتا" مطلب یہ ہے۔ کہ آپ اپنے
دوستوں اور خیر اندیشوں کی تکالیف مشاہدہ کرکے ازبس متاثر ہوتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ کاش انکو یہ مصائب
اور تکالیف پیش نہ آئیں۔ مگر جس قدر کوئی بڑا ہوتا ہے۔ اسی قدر امتحان بھی سخت اور ابتلا بھی عظیم

رہا آپ دل سے اس مقدمہ بازی کو پسند نہ کرتے تھے۔ مگر جب کوئی پیچھا نہ چھوڑے۔ تو کیا کرے۔ اسی مردِ خدا کا
حوصلہ و استقلال تھا۔ کہ زمانے کی بار بار ابتلائے عظیم میں فی الواقعہ صبر و استقلال کا دامن نہ چھوڑا۔ اور ہمیشہ
صابر و شاکر رہے۔ سہ

آنچہ بر من میرود گر بر شتر رفتے زغم | سے زندے کاغذ از حبت المائے علم

یعنی حکایت پنجہ المحمل تنہ ببرم الخیاط... غالباً یہ شعر خاقانی کا ہے۔ اور اس کی نزاکت اہلِ سخن سے مخفی
نہیں۔ دیگر...... آپ کی شعر فہمی و نکتہ شناسی کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ ایک دفعہ آپ تونسہ شریف سے
قادر پور تشریف لے گئے۔ اور کافی عرصہ وہاں قیام فرمایا۔ لوگ خیال کرنے لگے۔ شاید اب تونسہ میں آپکی
تشریف آوری محال ہوگی۔ طالبانِ حق مجنوں وار بے قرار تھے۔ خدا نے انکی آہ و زاری سنی۔ اور آپ
عازمِ تونسہ شریف ہوئے۔ غلام نے قادر پور میں ایک عریضہ لکھا۔ اور یہ اشعار درج کئے۔ سہ

اے چراغِ تونسوی تونسہ ہوا ہے بے چراغ | بن ترے ملتا نہیں ہے روشنی کا کچھ سراغ
بلبلیں زیرِ قفس ہیں شاخ پہ بیٹھے ہیں زاغ | باغباں جلدی خبر لے تا کہیں اجڑے نہ باغ

پھر وہی ہو دورِ مے اور پھر وہی ہو دے ایاغ
اے چراغِ تونسوی۔ تونسہ ہوا ہے بے چراغ

تو ہمارے دیس کا ہے ایک اساہی چراغ | تیری فرقت سے ہمارا دل ہوا ہے داغ داغ
اپنی آمد سے شبستاں گھر کو کر دے باغ باغ | اے چراغِ تونسوی۔ تونسہ ہوا ہے بے چراغ

الغرض آپ جب کوٹ سلطان تشریف لائے۔ یہ ناچیز بھی حاضر ہوا۔ اور یہ تک بندی کی تھی۔ مولوی علی گوہر
صاحب اور استادی مولوی محمد یار خان کو پہلے سنائی۔ انہوں نے پسند کی۔ اور حضور میں سنائی۔ سہ

اس نظم کو یا رب پر پرواز لگا دے | مرغانِ فلک کا مجھے ہمراز بنا دے
فردوسی کا رتبہ مجھے منظور نہیں ہے | شہ محمود ہے آقا مجھے ایاز بنا دے

آپ سن کر مسکرائے۔ اور فرمایا کہ لفظ ایاز ہے۔ نہ کہ ایاز بالتشدید۔ اس وقت میں انفعال سے پانی پانی ہو گیا
حالانکہ پہلے دو اصحاب سن کر خاموش رہے تھے۔ اور یہ صریح غلطی انہوں نے نہ پکڑی۔ مگر آپ کی نکتہ شناس
طبیعت کہاں مخفی رہ سکتی تھی۔ دیگر... جب آخری دفعہ اس ناچیز کو دربارِ عالی میں حاضری کا فخر حاصل ہوا۔ تو آپ
بہت دیر تک نہایت پر لطف نکات بیان فرماتے رہے۔ اور ایک رباعی کسی کی بہت پسند فرمائی۔ سہ

دیوانہ شدیم و دوستاں تدبیرے | پندے۔ بندے۔ ملامتے۔ زنجیرے

تدبیر شمار اے بلا زد آخر ۔ مُشتے ۔ خشتے ۔ کلوخکے ۔ تعزیرے

آپ فرماتے۔ دیکھو۔ تو کس قدر مضمون کس خوب صورتی سے کھپا دیا۔ دیوانہ کو پہلے نصیحت کی جاتی ہے۔ کہ عشق کا خیال چھوڑ دو پھر اُسے مکان میں بند کیا جاتا ہے۔ پھر اگر اچھا نہیں ہوتا۔ تو حالت سودا میں اسے زنجیر لگا دیتے ہیں جب کس طرح بھی اُسے آرام نہیں آتا۔ تو وہ گلیوں میں بھاگا پھرتا ہے۔ لڑکے اینٹ پتھر مارتے ہیں وغیرہ وغیرہ

دیگر۔ علی مردان شاہ ایک صاحب آزاد منش آدمی۔ ایک عریضہ میں جوہر طبع اس نظم میں دکھانا چاہتے ہیں۔

پیغام مضطر بہ سگانِ یثرب علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

سگانِ کوئے یثرب۔ جان و دل میرا فدا تم پر ۔ تمہاری شان کے صدقے تمہارا کون ہے ہمسر
تمہارا موطن و مسکن ہے ارض اقدس و اطہر ۔ جو ہے افلاک علے سے بھی رتبہ میں سوا برتر

زمین یثرب اگر نازد بعرشش کبریا زیبد
کہ در آغوشش او خوابیدہ محبوب خدا زیبد

حیات جاودانی موت ہے یثرب کے راہوں کی ۔ بندھی ہے ٹکٹکی ان راہوں پر میری نگاہوں کی
جو مثل طور [illegible] ہیں خدائی جلوہ گاہوں کی ۔ ہے جن راہوں پہ مرنا ہی کفارت سب گناہوں کی

غبارم از غرور و ناز سر بر آسماں یکشد
چو مشت خاکِ مشتاقم بہ شہر مصطفےٰ برسد

تمہاری قسمت مسعود پر میں رشک کرتا ہوں ۔ نہ ہو محمول گستاخی پہ واللہ اس سے ڈرتا ہوں
فدائی ہونیکا سرکار کے دم میں بھی بھرتا ہوں ۔ تمہیں گلیوں میں پھرتے دیکھکر غبطے سے مرتا ہوں

خوشا روزے کہ جاں در کوچہ یثرب دہد مضطر
چو سگ ہائے باہزاراں بیکسی بر خاک و خاکستر

مضطر صاحب نے اظہار مقصد کے واسطے دو شعر بھی بصورت قطعہ بارگاہ محمودی میں لکھے۔ قطعہ

آصفے باید کہ تا بلقیس را با تخت او
بے تگ دیواں بدیواں سلیماں آورد
بے وسیلت چوں رسد بر درگہ شاہی ایاز
گر نہ از لطف و کرم محمود سلطاں آورد

پھر لکھتے ہیں۔ بندہ را بہ پاک پتن و صاحب پاک پتن علیہ الرحمۃ نیاز قلبی است۔ و بہ تونسہ و صاحب تونسہ علیہ الرحمۃ نیز
از محمود را ایں بندہ مضطر ایاز است۔ چہ کند اگر یاد اظہار اضطرار نکند۔ کما قال قائل۔

للناس فی ما یعشقون مذاہب ۔۔۔ و فی مذھبی حب الدیار لاھلہا

عالی جاہا۔ بعد استدعا معافی بندہ عرض عقائد خود مے کند۔ بندہ نہ سخن پرست است نہ پیر پرست است نہ تربت
پرست ہست۔ صرف خدا پرست است۔ و بموجب احکام جناب خیر الانام علیہ افضل التحیۃ والسلام ہست و جائیکہ خداوند
بندہ۔ برائے سجدہ بندہ۔ بندہ خود را لقاء خواہد نمود۔ عزازیل نیم کہ ابا کنم۔ ؎

ہمہ شہر پر ز خوباں منم و خیال ماہے ۔۔۔ چکنم کہ چشم بد خو نکند بکس نگاہے

یعنی ماہ یکہ از پرتوے مہر نبوت تاباں باشد۔ جویا ہستم۔ رجا کہ از نور او چشم بے نور ایں کور منور گردد۔ واللہ المستعان

اے تیر نظر را دل عشاق نشانہ ۔۔۔ خلقے بتو مشغول تو غائب ز میانہ
گہ معتکف مسجد و گاہ ساکن دیرم ۔۔۔ یعنی کہ ترا مے طلبم خانہ بخانہ

سر کرنل نواب عمر حیات خان بالقابہ وقتیکہ بہ پاک پتن تشریف مے بردند۔ مرا فرمودند کہ مے آئی۔ شاید
کہ حضرت محمود صاحب تشریف آوردہ باشند۔ کہ او شاں برائے تشریف آوری فرمودہ بودند۔ تو کہ
مشتاق دیدار ہستی بحصول دیدار کامیاب خواہی شد۔ و نیز نواب صاحب اوصاف حمیدہ حضور
نزد بندہ بیان ہا فرمودند۔ ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد ۔۔۔ بسا کیں دولت از گفتار خیزد

و ازیں بہ پاک پتن حاضر شدہ بودم۔ الحمد للہ بطوریکہ شنیدم۔ ازاں برتر دیدم۔ مگر ایں ہم ملک صاحب
موصوف فرمودہ بودند۔ کہ مشکل تریں کارہا عشق حضرت محمود صاحب است واللہ آں ہمیں طور یافتم
کتاب مرسلہ (وصایا) الحق درج درر شاہوار است۔ دیروز رسید۔ ہمگی بہ یک ساعت خواندم۔ زبان
از تعریف قاصر است۔ ایں کتاب برائے مطالعہ نیست۔ برائے پیروی و متابعت است۔ زیرا کہ درین بہبودی
دین و دنیا است ایں معروضات گستاخانہ را مبنی بر گستاخی نفرمایند۔ ایں عرض حال است۔ کہ بحسن خود
[illegible] ام۔ یا حالات و علامات مرض اند۔ کہ بہ طبیب حاذق گفتنی بودند۔ لہذا بلا کم و کاست عرض نمودم
[illegible] نامہ حضور برائے [illegible] است۔ و صورت ہم در تصویر موجود۔ ؎

دل کے آئینہ میں ہے [illegible] یار ۔۔۔ جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

(بندہ درگاہ علی مردان شاہ)

حافظ فضل الدین بکھڑہی۔ وزداب ملک ایران سے ایک عریضہ میں اپنے درد کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں ؎

ہیں آپ غریبوں کے یاور سلطان الہند غریب نواز ۔۔۔ مری لیجیے خواجہ جلد خبر سلطان الہند غریب نواز
مجھے غم نے آکے گھیر لیا منہ اپنے پرائے نے پھیر لیا ۔۔۔ کرو للہ اب توجہ پہ نظر سلطان الہند غریب نواز
اُٹھتے ہیں شعلے سینے سے ہیں تنگ ہوا ہوں جینے سے ۔۔۔ ہو اب تو کرم کی مجھ پہ نظر سلطان الہند غریب نواز

ارباب دانش سے مخفی نہ رہیگا۔ کہ اشعار بالا کسی اور جگہ سے الفاظ کے ہیر پھیر سے لکھے گئے ہیں۔ مگر مجھے یہ دکھانا منظور ہے۔ کہ اس بارگاہ محمودی کو لوگ دور دور سے اپنے حصول مقاصد کا ذریعہ اور اپنا ملجا ماویٰ تصور کرتے تھے۔ اور اس چشمہ فیض سے مستفیض ہوتے تھے۔ ؎

بقدر ظرف طالب یاں ہیں پیمانے مقدر کے ۔۔۔ لئے جاتا ہے جو جس کو ملا پیمانہ بھر بھر کے

جس وقت ہمکو حضرت چراغ تونسوی کی گلریزی یاد آتی ہے۔ شمع کی طرح آنسوؤں کا تار بندھ جاتا ہے۔ حضور انور اپنے احباب کو فرمایا کرتے تھے۔ کہ سنو اور یاد رکھو پھر ایسی باتیں سنانے والا کوئی نہ ہوگا۔ واقعی سچ فرماتے تھے۔ چنانچہ زندگی کے اخیر ایام میں جب پیر غلام علی شاہ تحصیلدار عیادت کو تشریف لائے۔ تو آپ نے ان سے یہی کلمات فرمائے۔ پھر ایسی باتیں سنانیوالا نہ ملیگا۔ واللہ باللہ سچ فرمایا۔

دیگر حضرت غریب نواز کا عام فرمان تھا جسے کئی دفعہ علی الاعلان فرمایا کرتے تھے۔ دوستو۔ نیت نیک اور طمع نہ ہو۔ ان دو باتوں پر عمل کرنے سے فلاح دارین حاصل کرلوگے۔ واقعی راست فرمایا۔ الاعمال بالنیات۔ انسان کی عبادت و ریاضت اگر خالص نیت سے ہے۔ تو بجا ہے۔ ورنہ محنت کا ماتھا رگڑنا ہے۔ اسی طرح اگر خیرات و مبرات میں نیت محض خوشنودی خدا ہے۔ اور احسان اور ریا کا کوئی دخل نہیں۔ تو وہ خیرات واقعی داخل حسنات ہے۔ اور دافع سیئات ہے۔ اور رافع درجات۔ یاایھا الذین امنوا لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذیٰ۔ دیگر آپ اظہار کلمہ حق کیواسطے کسی بڑے سے بڑی ہستی (دنیاوی) کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ اور فرمان الٰہی کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر کمربستہ رہتے تھے۔ چنانچہ آپ کے صاحبزادہ حضرت غلام فرید صاحب کا جو یوسف ثانی تھا۔ یکایک انتقال ہوگیا۔ اور ذات بابرکات کو سخت صدمہ پہنچا۔ تو تحصیلدار صاحب سنگھڑ اور ایک مسلمان فیض محمد خان بی اے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بہادر تعزیت کو آئے۔ آپ نے بطور نصیحت ان سے ارشاد فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق اس سے زیادہ پیاری ہے۔ جتنا کہ فرید مجھے پیارا تھا۔ مدعا یہ تھا۔ کہ آپ کو خدا نے یہ حکومت چند روزہ عطا کی ہے

تو مخلوق خدا پر رحم کیا کرو۔ اور انہیں نہ ستایا کرو۔ سبحان اللہ آپ نے ایسے وقت بھی غریب اور بے کس رعایا کی ہمدردی کا اظہار فرمایا۔ دیگر ایک دن مجلس عالیہ میں لیلۃ القدر کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ آپ نے یہ شعر پڑھا اور کسی مولانا سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ کہ اس کے کیا معنے ہونگے۔ ؎

شب قدر بودے	اگر ہر شبہا ہمہ شب قدر بودے شب قدر از ہمہ بے قدر بودے

وہ مولوی صاحب کچھ تشریح کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ از ہمہ بے قدر کا مطلب یہ ہے۔ کہ شب قدر از اگر وہ بے قدران بودے۔ یعنی ہیچ فرق نہ بودے میان او و میان دیگر شبہائے۔ دیگر... ایک دفعہ ارشاد فرمایا۔ کہ خطبہ میں جو خطیب صاحب پڑھتے ہیں۔ کہ قیامت کے دن سب پیغمبر نفسی نفسی پکارینگے۔ اور اسی سلسلہ میں آتا ہے۔ یقول الکعبۃ زواری زواری۔ اسی کا عام لوگ تو زواری کا معنی میری زیارت کرنے والے خیال کرتے ہیں۔ اور میں کہتا ہوں۔ کہ زواری کے معنے ہیں میری چار دیواری۔ یعنی کعبہ بھی زبان حال سے کہیگا۔ کہ اے خدا میری چار دیواری عذاب میں نہ آجائے" واللہ اعلم بالصواب۔

دیگر... اسی طرح آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ عام لوگ لفظ مبلغ ضمہ سے پڑھتے ہیں۔ حالانکہ صحیح مبلغ بالفتح ہے یعنے مبلغ بیس روپے وغیرہ وغیرہ جب کبھی آپ کے روبرو کوئی شخص اس لفظ کو مضموم پڑھتا۔ آپ تصحیح فرماتے لطیفہ... آپ کی مجلس عالیہ میں ہر روز اس قدر لطائف سننے میں آتے۔ کہ اگر کوئی شخص ان کو قلمبند کرتا تو ایک دلکش مجموعہ تیار ہوتا۔ معمول تھا۔ کہ موسم سرما میں صبح ۹ بجے کے قریب تمام حاضرین دربار کی چائے سے تواضع کی جاتی۔ اور جسقدر اصحاب موجود ہوتے۔ سب اس خوان یغما سے متمتع ہوتے۔ موسم تبدیل ہو گیا تھا۔ تو چائے کا سلسلہ بند ہوا۔ ایک دن مولوی عبدالرحیم صاحب نے (جو ہمیشہ مولینا حکیم احمد صاحب بلغانی سے نوک جھوک ظریفانہ کیا کرتے تھے) ایک عجب انداز سے گفتگو فرمائی۔ کہ میں صبح حکیم صاحب کے مکان سے گذرا۔ تو لڑائی ہو رہی تھی۔ حکیم صاحب گھر میں چائے طلب کرتے تھے۔ اور جھگڑا ہو رہا تھا" آپ نے یہ دلچسپ نکتہ سنا۔ تو پھر چائے کا سلسلہ جاری کر دیا۔ اس وقت آپ کی طبع مبارک خاص طور پر شگفتہ ہوتی تھی۔ زبان مبارک سے ایسی گہر ریزیاں اور گلفشانیاں ہوتیں۔ کہ حاضرین از بس مسرور ہوتے۔ ایک دفعہ سفر میں تشریف لے گئے تو مولوی صالح محمد صاحب نے ایک ہمشرب دوست کو لکھا۔ جو سفر میں حضور کے ہمرکاب تھا۔ ؎

بیاد آر غریبان وشت پیمارا	چو با حبیب نشینی و چائے پیمائی

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ آپ کی موجودگی میں یہ چائے کا دور بھی کیسا پر لطف سین پیدا کرتا تھا۔

افسوس صد افسوس۔ ع آں قدح بشکست واں ساقی نماند۔ دیگر۔۔ ایک دفعہ سردی کا موسم تھا۔ آپ اپنی
اراضی سنگھی والی پر سواری اسپ تشریف لے گئے تھے جب شام کو رونق افروز ہوئے۔ تو مجلس میں بہت سے
احباب حاضر ہوئے۔ آپ چند سفید رنگ کے چھوٹے چھوٹے شلغم لائے تھے۔ دست مبارک سے چھیلے۔ اور ایک
ایک ٹکڑا تمام حاضرین کو تقسیم فرمایا۔ میاں احمد دین صاحب وزیر۔ مولوی محمد یار خان ہیڈ ماسٹر جناب صاحبزادہ محمد
میاں احمد و۔ سعادت یار خان انسپکٹر پولیس۔ اور چند اور اصحاب بھی تھے۔ سب نے اس شلغم کو تبرک سمجھکر
شوق سے کھایا۔ آپ نے پوچھا۔ فرمائیے۔ کہ کیسا ہے؟ وزیر صاحب اور چند دیگر اصحاب نے تعریف کی۔ بڑا مزیدار
ہے۔ شیریں ہے۔ پُر لطف ہے۔ آپ ہنس پڑے۔ اور ارشاد کیا۔ اچھی داد دی۔ یہ شلغم تو گلے کو پکڑتا ہے
اور آپ نے تعریف کے پل باندھ دیے ہیں۔ میرے دیگر کاروبار میں بھی آپ ایسا ہی صلاح مشورہ دیتے ہونگے۔
الغرض بہت دیر تک یہی گفتگو رہی۔ اور آپ نے ایک گونہ سبق دیا۔ کہ ہمیشہ اصل واقعہ بیان کرنا چاہیئے۔ خوشامد
اور امر واقعی کو چھپانے سے کچھ فائدہ نہیں۔ حاضرین دربار نے تو اس شعر کے مطابق عمل کیا تھا۔ ؎

ہر چہ از دوست مے رسد خوب است — گر ہمہ سنگ و گر ہمہ چوب است

دیگر۔۔۔ حضرت خواجہ محمود بخش صاحب سجادہ نشین مہار شریف کو آپ سے اسقدر الفت تھی۔ کہ ان کا دل ہی
خوب جانتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ ایک دُرِ بے بہا تھا۔ جو ہم گنوا بیٹھے۔ وہ فیض پر تیار۔ اور ہم کچھ نہ لے سکے افسوس
آپ کی مہربانی اور شفقت اس قدر تھی۔ کہ ایک دفعہ کوئٹہ تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں روہڑی تشریف
اترے۔ اور وہاں مَنّت مانی۔ کہ خداوند کریم جناب سجادہ نشین صاحب کو اور نوابزادہ فیض محمد خان کو فرزند
عطا کرے۔ تو پچاس روپیہ کی خیرات کی جائیگی۔ خداوند کریم نے یہ مقصد پورا کیا۔ اور آپ نے مَنّت ادا کی سبحان اللہ
دیگر۔۔۔ میرے ایک دوست بیان کرتے ہیں۔ کہ جب آپ بہاولپور تشریف لے گئے۔ تو آپ نے جوش
محبت و اخلاص میں ایک چٹھی حضرت سجادہ نشین صاحب مہاروی کی خدمت میں بھیجی۔ اور اس میں نہایت
صاف الفاظ میں لکھا۔ کہ میں کیا ہوں۔ اور لوگ مجھے کیا سمجھتے ہیں۔ اگر حضور سجادہ نشین صاحب نے یہ
چٹھی عنایت فرمائی۔ تو ہم حاضرین کی دلچسپی کیواسطے اسے ضرور شائع کرینگے۔
دیگر۔۔۔۔ اگست ۱۹۲۹ء میں جب آپ قادرپور میں بستر علالت پر تھے۔ تو ہر چہار طرف سے عیادت اور
طبع پرسی کے خطوط اور عرائض آ رہے تھے۔ اس سال دریائے سندھ و جہلم و چناب میں اسقدر طغیانی آئی۔
کہ تواریخ پنجاب میں یہ واقعہ طوفان عظیم کے نام سے یاد رہیگا۔ دراصل یہ طوفان اس واقعہ دردناک اور حادثہ

تلاطم خیز کی طرف اشارہ کرتا تھا۔ جو بعد میں ۷ استمبر کو وقوع پذیر ہوا۔ جب سے سرکار انگریزی کی عملداری ہوئی۔ آج تک دریائے سندھ میں اسقدر طوفان رونما نہ ہوا۔ ایک سال پہلے جب کشمیر میں ایک برف کا تودہ گر پڑا۔ اور دریائے شیوک بند ہو گیا۔ گورنمنٹ کی طرف سے تار پر تار آئے اور حکام نے بیٹ کے رہنے والوں کو جبراً اپنے مکانوں سے نکالنے اور بوریہ بستر لے جانے پر زور دیا۔ تو اس وقت بھی کوئی طوفان ظاہر نہ ہوا بلکہ بعض اشخاص نے گورنمنٹ کے اس حفظ ماتقدم کو کسی پولیٹیکل معاملہ پر محمول کیا۔ اور اس بارہ میں جو پیش بندی کی گئی تھی۔ اسے مستحسن تصور نہ کیا۔ بہر حال ۱۹۲۸ء کا موسم طوفان خیر و خوبی سے گذر گیا۔ اسی طرح ۱۹۲۴ء میں اگرچہ طوفان آب سے نقصان بہت ہوا۔ مگر دریا کا پانی ۱۷ فٹ تھا۔ لیکن اگست ۱۹۲۹ء کی آخری تاریخوں کو ½۱۸ فٹ کا تار آیا۔ اور جہاں رود کوہی کے غیر معمولی سیلاب سے ضلع ڈیرہ غازیخان میں مال و جان کا بے حد نقصان ہوا۔ دریائے سندھ اور جہلم نے اس سے کچھ کم تباہی نہ کی۔ ضلع مظفر گڑھ میں دریا کے طاس میں کوئی مکان سلامت نہ رہا۔ کوٹ سلطان تباہ ہوا۔ لیہ میں شہر کے جانب جنوب پانی گھس آیا۔ اور کئی عمارتوں کا نقصان ہوا جہلم شہر میں بیسیوں مکان برباد ہوئے۔ ریلوے لائن ۴۷ مقام سے شکستہ ہوئی۔ دس پندرہ یوم بلکہ زیادہ ایام آمد رفت بند رہی۔ لوگوں نے درختوں پر چڑھ کر اپنی جان بچائی۔ خلاصہ یہ ہے۔ کہ اس طوفان نے لوگوں کو برباد کر دیا۔ اور یہ واقعہ مدۃ العمر ہرگز فراموش نہ ہوگا خیر یہ سب کچھ ہوا لیکن حضرت چراغ تونسوی کا وصال اور انتقال ایسا طوفان عظیم ہے کہ اس نے ہندوستان کے ہر شہر میں قیامت کا نمونہ قائم کیا۔ گویا وہ طوفان آب اس ہنگامۂ تلاطم خیز کا پیش خیمہ تھا۔ عین انہی ایام میں خاکسار نے ایک منظوم عریضہ بارگاہ محمودی میں تھادر پور روانہ کیا۔ اور جس میں اس طوفان کا ذکر بھی آگیا۔ گو شعر ادنیٰ سے بھی ادنیٰ درجہ کے ہیں۔ مگر چونکہ ایک واقعہ کی یاد میں لکھے گئے۔ اس واسطے درج کرتا ہوں۔

عیادت نامہ بلوچ

(۱۵ اگست ۱۹۲۹ء)

سنتا ہوں طبع مبارک اندنوں ناساز ہے ۔۔۔ نیند کم آتی ہے۔ ہر دم چشم حق بین باز ہے
ہم غریبوں کی ہے یارت کون پھر دمساز ہے ۔۔۔ دیر تک زندہ رہے تو تو سراپا ناز ہے
آل انہیں صحت عطا کر یا الہ العالمین ۔۔۔ قدسیوں کی آسماں پر ہر گھڑی آواز ہے
جسم میرا اس جگہ ہے روح ہے میری وہاں ۔۔۔ ہوں گرفتار بلا کب طاقت پرواز ہے
سینکڑوں مردہ دلوں کو تو نے زندہ کر دیا ۔۔۔ اے مسیح وقت تیرے ہاتھ میں اعجاز ہے

چڑھ آیا ہے چھیاسٹھ فٹ ہے پانی سندھ کا ۔ ہر طرف طوفان ہے اور سیل کا آغاز ہے
دیکھیے مجھ کو زیارت کب میسر ہو بلوچ ۔ مرغِ دل پابستہ ہے اور شوق بے انداز ہے
طبعِ اقدس کی طراوت کو لکھے ہیں شعر چند ۔ ورنہ اس ناچیز کو کب شاعری کا ناز ہے
آجکل کی شاعری سے سخت بھی بیزار ہوں ۔ کفر ہے انجام اس کا کفر ہی آغاز ہے

اس عریضہ کا جواب بھی آیا۔ دیکھتا ہوں۔ اور زار زار روتا ہوں۔ وہ میرا پیارا ہم سے جدا ہو گیا۔

میر صاحب سے کیسی وفا کی

حضرت چراغ تونسوی کی جس نے ذرا بھی غلامی کی۔ آپ نے اس کی قدر فرمائی۔ وہ اخلاص و مودت خدمت اور عقیدت کی قدر کرنیوالے تھے۔ آپ کا جود و سخا اور خصوصاً مہر و وفا شہرۂ عالم ہے۔ جیسا کہ پچھلے واقعات میں دکھایا گیا ہے۔ آپ اپنے دوستوں پر، رشتہ داروں پر، عزیزوں اور مریدوں پر کمال درجہ مہربانی اور شفقت فرماتے تھے۔ یہہ آپ کی طبع رحیمانہ اور اخلاق کریمانہ کا خاصہ تھا۔ کہ آپ کی مجلس میں جو شخص حاضر ہوتا۔ وہ یہی خیال کرتا۔ کہ تمام حاضرین دربار سے مجھ پر زیادہ عنایت ہے۔ مثلاً سوکڑ والوں میں سے نیازمند اگرچہ بہت دور رہتا تھا۔ اور اقدام بوسی کا شرف بہت کم حاصل ہوتا۔ لیکن میرا تصور یہ تھا۔ کہ آپ مجھ پر تمام اہالیان سوکڑ سے زیادہ مہربانی فرماتے ہیں۔ میرے عموزاد بھائی فتح محمد خان ملغانی جو جوان صالح ہیں۔ یہہ بیان کرتے کہ تمام شہر سے مجھ پر کمال شفقت فرماتے ہیں۔ علیٰ ہذا عموی حاجی گل محمد خان بنتیر کا خیال اپنی طرف تھا۔ وغیرہ وغیرہ

حضرت محمود پر ہے ہر گھڑی فضلِ خدا ۔ نام نامی ان کا ہے ان کی فضیلت کا گواہ
حق نے ان کو نعمتیں ساری کی ساری کیں عطا ۔ علم و حلم و دانش و مہر و وفا جود و سخا

آپ واقعی فرشتہ خصال تھے۔ ہم نے دہلی لکھنو اور حیدرآباد دکن کے فرمانروایان اسلام کے دربار نہیں دیکھے۔ لیکن ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ آپ کا دربار رتبہ میں شان میں۔ جاہ و جلال میں فرمانروایان سلف سے بڑھ کر تھا۔ وہ دنیا پرست بادشاہوں کا دربار اور یہہ دین و دنیا کے شہنشاہ کا دربار۔ واقعی ان بادشاہوں میں کئی کریم النفس اور متقی خدا پرست گذرے ہیں۔ مثلاً محی الدین اورنگ زیب بادشاہ غازی جس نے پیرانہ سالی میں قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا۔ چنانچہ تاریخ ہے۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى عرصہ چھ سات سال میں تمام حفظ کر لیا۔ تو تاریخ ہوئی۔ لوح محفوظ داشتہ۔ یہہ بادشاہ جیسا سادہ اور نیک بخت تھا۔ اسی قدر بارعب اور متقی تھا۔ ٹوپیاں سی کر گذر اوقات کرتا۔ وفات کے وقت جو وصیت کی۔ اس کو مختلف تاریخوں میں لکھا گیا ہے۔ میر حضرت

چراغ تونسوی کی تحریری وصیت بوقت وصال موجود ہے۔ اس سے اندازہ ہوگا۔ کہ آپ بھی کس درجہ کے متقی اور پرہیز گار تھے۔ اور سب سے بڑھ کر اعلیٰ صفت مخلوق خدا سے محبت والفت تھی۔ مہربانی اور شفقت فرمانا۔ آپ کے اوصاف طبعی میں سے تھا۔ مثال کے طور پر میں مولوی عبدالقادر تونسوی کا واقعہ لکھ چکا ہوں اب میر صاحب سے اس برگزیدۂ ذات الٰہی نے وفاداری کی اور حسن قدر کہ ایک بندہ کے اخلاص اور عقیدت کی قدردانی فرمائی۔ وہ آپ کا ہی خاصہ تھا۔ میر صاحب شاہی خاندان سے تھے۔ طبابت میں لاثانی تھے۔ رؤسائے وقت ان کو ایک ہزار روپیہ روزانہ فیس دے کر طلب کرتے۔ مگر یہ اپنی مرضی کے بادشاہ تھے۔ اگر طبع نے چاہا۔ تو چلے ورنہ صاف جواب دیا۔ گورنمنٹ انگریزی سے انہیں چند مربعے اراضی پیروال میں عطیہ تھی۔ جس سے وہ نہایت خوشحالی اور فارغ البالی کی زندگی بسر کر سکتے تھے۔ مگر میر صاحب کی میرے حضرت چراغ تونسوی سے خاص الفت تھی۔ جیساکہ راقم الحروف حضرت نیاض کی علالت اور مرض پیچش کا واقعہ پچھلے اوراق میں قلمبند کر چکا ہے۔ آپ بارہا میر صاحب حضرت اقدس سے فرمایا کرتے۔ کہ حضور والا۔ آپ ہوں۔ اور میں۔ یہاں ہجوم خلائق نہ ہو۔ کچھ عرصہ ایک جا رہیں۔ اور دل کھول کر باتیں کریں۔

میر صاحب کی بیماری اور حضرت چراغ تونسوی کی تیاری

ہم اس امر کو ظاہر کر چکے ہیں۔ کہ میر صاحب (حکیم بغدادی) سے آپ کو بہت انس تھا۔ اور اس انس کی بنیاد محض وہ محبت واخلاص تھا۔ جو میر صاحب کے دل میں قدرت نے ودیعت کیا تھا۔ جس دن آپ کو پیچش سے تکلیف ہوئی۔ اور روز میر صاحب کا بلا اطلاع وحکم حضرت چراغ پیروال تار پہنچنا۔ اور میر صاحب کا اس موقع پر بسواری شتر پہنچنا۔ ہم بالتفصیل لکھ چکے ہیں۔ اس موقع پر میر صاحب نے کسی سے یہ ظاہر کیا تھا۔ واللہ اگر کسے مرا یک لک روپیہ دادے۔ ہرگز نرفتے گر محبت ایشاں آورد۔ وہیچ تکلیف محسوس نشد۔ ؎

رشتہ در گردنم افگندہ دوست   مے برد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست

خدا کی قدرت۔ محبت کے امتحان کا موقع آگیا۔ دل لا بدل رہیست کا مضمون سامنے آیا۔ میر صاحب بیمار ہوگئے۔ اور ایسے بیمار کہ ہسپتال خانیوال میں لائے گئے۔ ادھر یہاں دربار میں یہ ذکر ہوتا کہ بہت دنوں سے میر صاحب ممدوح کا کوئی خط نہیں۔ عین اسی انتظار میں ڈاک آئی۔ اور ایک حکیم کی چٹھی خانیوال سے پہنچی۔ جو میر صاحب نے لکھوائی تھی۔ مگر خود میر صاحب کی دستخطی نہ تھی۔ مضمون اس کا یہ۔ کہ میر صاحب بعارضہ بواسیر سخت بیمار ہیں۔ اور

انتہا کمزور ہیں۔ وہ انکے ایما کے مطابق یہہ عریضہ خدمت اقدس میں مرسل ہے۔ خود انکو عریضہ لکھنے کی طاقت نہیں ہے۔ جب یہہ خط حضور نے مطالعہ فرمایا۔ ازبس محزون اور غمگین ہوئے۔ پہلے فرمانے لگے۔ کہ تار دیا جاوے مگر بعدہ مولوی غلام علی کو حکم دیا۔ کہ ہمکو خانیوال چلنا چاہیئے۔ اسی دن تیاری ہو گئی۔ چونکہ آپ کا بہت جلد پہنچنا مقصد تھا۔ اسواسطے موٹر پر سوار ہوئے۔ مولوی غلام علی صاحب جو اس واقعہ کے راوی ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ موٹر پر حضور انور کے ہمراہ عبداللہ باورچی، عبداللہ لانگری اور خلیفہ محمود یہی یہہ چار شخص تھے۔ (واضح رہے۔ کہ بالعموم اکتوبر سے اپریل تک دریائے سندھ پر کشتیوں کا پل تیار کیا جاتا ہے۔ جس پر اونٹ گھوڑے۔ چھکڑے۔ موٹر ٹمٹم اور عام مسافر نہایت آسانی سے سفر کر سکتے ہیں۔ جب بساکھی کے بعد دریا میں طغیانی شروع ہو جاتی ہے تو کشتیوں کا پل قائم نہیں رہ سکتا۔ پھر آمد و رفت جہاز (سٹیمر) کے ذریعہ ہوتی ہے) اس حکایت میں سب سے زیادہ اہم واقعہ یہ ہے۔ کہ آپ نے حکم دیا۔ کہ توشہ خانہ سے ایک تھان کمخواب کا اور دو صد روپیہ نقد ملے چلو۔ حالانکہ آپ نے ملتان جانے کیواسطے کبھی نقد روپیہ ساتھ نہ لیا تھا۔ اور کمخواب کا تھان ستر پوش اور براں۔ الغرض موٹر ڈیرہ سے ہوتی ہوئی جہاز پر پہنچی۔ جہاز سے اترتے ہی آپ نے ڈرائیور کو حکم دیا۔ کہ اپنی پوری رفتار سے چلاتے چلو۔ چنانچہ جب ہم شیر شاہ سے گذر کر چھاونی ملتان پہنچے۔ تو آپنے حکم دیا۔ کہ فوراً کچھ سامان کھانے کا یہاں اسٹیشن سے لے لو۔ مگر جلدی آؤ۔ ہم آگے چلینگے اور ملتان ٹھیرنا نہیں چاہتے۔ ہم سب دیکھ رہے تھے۔ کہ آپ بہت دلگیر اور افسردہ خاطر نظر آتے تھے۔ فکر و ملال رخ انور سے نمودار تھا۔ اور آپ نہایت خاموش کوئی ورد پڑھنے میں مصروف تھے۔ باورچی میوہ اور ڈبل روٹی لینے گیا۔ چند منٹ گذرے تھے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ کہ اس نے دیر لگا دی ہے۔ اگر نہیں آتا۔ تو انتظار مت کرو۔ اور موٹر چلاؤ۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ کو کسقدر عجلت تھی۔ مدیل کا بھی دریافت کیا گیا۔ اور معلوم ہوا۔ کہ موٹر بہت جلد خانیوال پہنچیگا۔ اتنے میں باورچی دوڑتا ہوا آیا۔ اور آپ کے اشارہ سے موٹر بھپ بھپ کرتی ہوئی آگے کو روانہ ہوئی۔ سول ہسپتال کے قریب آپ نے فتح محمد خان ملغانی کو طلب فرمایا جن کی دکان بالکل سڑک پر تھی۔ اور ان کو فرمایا۔ کہ حضور نواب صاحب کی خدمت میں ہمارے آنیکی اطلاع بھجوائی جاوے۔ اور ہم آگے جاتے ہیں۔ القصہ اس عجلت میں آپ عیدگاہ پر جا کر موٹر سے اترے۔ اور فریضہ ظہر ادا کرنے اور ہم لوگوں کو کچھ کھانا لینے کا حکم دیا۔ موٹر باہر ٹھیر گئی۔ آپ نے بدون عیدگاہ تشریف لیگئے ہم اس توقف سے کچھ حیران سے تھے۔ اتنے میں خانیوال کی سڑک سے ایک موٹر ملتان کو آتی ہوئی دکھائی دی اور ایک صندوق جنازہ کی رکھی تھی۔ معلوم ہوا۔ کہ میر صاحب مرحوم کا تابوت ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

مولوی غلام علی کا بیان ہے۔ کہ میں اندر دان مسجد گیا۔ اور حضرت چراغ تونسوی کی خدمت میں اطلاع دی کہ غریب نواز۔ میر صاحب بھلا کب آپ کی تکلیف سفر برداشت کر سکتے تھے۔ وہ خود آ گئے ہیں۔ حضرت غریب نواز اور معاملہ کی تہ کو پہنچ گئے۔ اور عید گاہ سے باہر تشریف لائے۔ حضرت حافظ محمد جمال صاحب کی خانقاہ کے محاذ میں میر صاحب قبلہ کو سپرد خاک کیا گیا۔ اب معلوم ہوا۔ کہ کمخواب کا تھان منگانا۔ دو صد روپیہ ہمراہ لانا۔ موٹر کو تیز چلانا۔ اور پھر عید گاہ پر جہاں دوسری سڑک آملتی ہے۔ آپ کا توقف فرمانا۔ اور اثنائے راہ میں اس قدر دلگیر اور طبع اقدس کا پر ملال ہونا کیا معنی رکھتا تھا۔ ٥

بچہ ناز رفتہ باشد ز جہاں نیاز مندے	کہ بوقت جاں سپردن بسرش رسیدہ باشی

معزز ناظرین۔ یہہ تو ایک واقعہ ہے۔ ایسے کئی واقعات روزمرہ دیکھنے میں آتے تھے۔ اس واقعہ کی نسبت صوفی غلام حسن صاحب لاہور سے لکھتے ہیں حضور کی اور مکرمی میر صاحب مرحوم و مغفور کی عید گاہ کے مقام پر ملاقات اس خلوص محبت کا نتیجہ تھی۔ جو ایک دوسرے سے وابستہ کئے ہوئے تھی۔ مورخہ ۵/۲۹ ۱۸

رباعی۔ کیوں جا کے کروں میں نہ سلام محمود — ہوں روز ازل سے ہی غلام محمود
محمود کے رتبہ کو کوئی کیا جانے؟ — محمد ہیں طلبگار مقام محمود

دیگر
جب نہ دنیا میں کوئی کام بھی محمود کروں — کس طرح دوستو پھر خواہش مقصود کروں
اب تقاضا ہے یہی حضرت دل کا مجھ سے — ذکر محمود کروں طاعت معبود کروں

دیگر
گذر ہو تیرا صبا! آج کل آگر سنگھڑ — تو جا کے حضرت محمود سے یہہ کیجیو عرض
ہمیشہ آپ کی ہے یاد سے مراد دل شاد — اگرچہ دور ہوں قدموں سے آپکے بالفرض

فرد
ہند میں اور سندھ میں مشہور میرا پیر ہے — نام ہے محمود جس کا فیض عالمگیر ہے

صاحبزادہ نظام الدین صاحب کو خلافت عطا کرنا

صاحبزادہ نظام الدین صاحب کی پیدائش کا سال سنہ ۱۹۰۶ء ہے۔ جب آپ علوم ظاہری سے فارغ ہوئے تو حضرت چراغ تونسوی نے خود تعلیم روحانی سے مستفید فرمایا۔ آپ میں جودت طبع اپنے پدر بزرگوار کی ہے دربار عالیہ میں حسب موقع آپ کسی مصنف کے کلام سے مثال دیتے۔ اور بالغرض وسخن بتقاضائے سن ذرا فراموش ہوتا۔ تو صاحبزادہ کی طرف ارشاد ہوتا۔ اگرچہ مجلس میں کئی اہل علوم موجود ہوتے جنہیں

بعض صاحبزادہ صاحب کے استاذ ہونیکا فخر رکھتے تھے۔ مگر صاحبزادہ صاحب کا حافظہ اس موقع پر عقدہ کشائی کرتا۔ وا
آپ نے تحریر کیطرف چنداں توجہ نہ کی تھی۔ قبلہ رحیم کے وصال کے بعد آپ کو قلم اٹھانا پڑا۔ اور دو تین ماہ میں
انکی تحریر کا معیار بہت اعلیٰ اور بلند ہو گیا۔ آپ کی تعلیم مولوی احمد صاحب سے شروع ہوئی۔ اور مولوی
علی گوہر صاحب سے تکمیل کو پہنچی۔ لیکن طرز تحریر طریق گفتگو حسن اخلاق وغیرہ سب اپنے بدر بزرگوار سے ورثہ میں
پایا۔ حضرت خواجہ محمود صاحب قادرپور نیارستے تھے۔ کہ آستانہ متبرکہ میں حاضر ہو کر تبرکات منگائے کلاہ حضرت
اعلیٰ صاحبزادہ نظام الدین صاحب کے سر پر رکھی۔ اور خلافت عطا فرمائی۔ اسوقت تمام علما و فضلا اور درویش
آستانہ میں موجود تھے۔ اگرچہ اجازت بیعت کی حاصل ہو گئی۔ مگر صاحبزادہ صاحب نے اپنے والد کی موجودگی میں
یہی مناسب سمجھا۔ کہ تمام لوگ حضرت چراغ تونسوی سے اپنے چراغ دل روشن کریں۔ خداوند کریم شہزادہ صاحب کو
اپنے بزرگان کے نقش قدم پر صدوہی سال سلامت رکھے۔ آمین۔ دوسرے فرزند ... صاحبزادہ
نصیر الدین صاحب دسمبر ۱۹۱۶ء میں تولد ہوئے۔ آپ نہایت سنجیدہ اور باادب شاہزادہ ہیں۔ مولوی
علی گوہر صاحب کے درس میں داخل ہیں۔ تیسرے فرزند ... میاں قطب الدین صاحب ہیں۔ آپ نے
اب تعلیم شروع کی ہے۔ اللہ علم و عمر خضری عطا کرے۔

نکتہ

حضرت ثانی خاتم الاولیا خواجہ اللہ بخش صاحب رح فرماتے تھے۔ کہ رکوع میں سُبحَانَ رَبِّیَ العَظِیم
پڑھنا افضل ہے۔ لیکن یہ لفظ عظیم جو باری تعالیٰ کے اسمائے عالیہ میں سے ایک ہے۔ لوگوں کی
زبان سے پورے مخرج کے ساتھ ادا نہیں ہوتا۔ سبحان ربی الکریم افضل ترین ہے۔ حضرت چراغ
تونسوی رح نے ارشاد فرمایا۔ کہ جب سے میں نے والد بزرگوار خاتم الاولیا حضرت ثانی سے یہ نکتہ سنا ہے۔ اسدن
سے ایسی تسبیح پر مداومت ہے۔ صاحبزادہ حضرت نظام الدین صاحب نے ظاہر فرمایا۔ کہ جب سے میں نے اپنے
قبلہ گاہ حضرت چراغ تونسوی سے یہ روایت سنی۔ اسی دن سے میرا اسی پر عمل ہے۔ اور یہ امر محتاج بیان
نہیں۔ کہ دونوں اسمائے متبرکہ میں لفظ کریم زیادہ سہل ہے۔ فافہم وتدبر۔

قدردانی علوم و فنون

حضرت چراغ تونسوی کی ذات ستودہ صفات کو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک نیک صفت سے عطا کی تھی۔ جود و سخا میں
وہ شہرۂ آفاق تھے۔ لنگر کا انتظام اس دریا دلی سے فرماتے۔ کہ خوان یغما کا نمونہ تھا۔ حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے
وقت صرف معدودے چند اشخاص طعام کا انتظام (جو خواص میں داخل تھے) ڈیوڑھی پر ہوتا۔ مگر حضرت چراغ

تونسوی نے بہ فیض عام کر دیا۔ اور بے شمار مخلوق کا کھانا ڈیوڑھی سے پک کر آتا۔ اسکے علاوہ آپ علوم و فنون کے انحد قدردان تھے۔ اس وقت آپ تونسہ شریف میں ہر قسم کے باکمال دیکھ سکتے ہیں۔ خیاط اعلےٰ درجہ کے نقاش اعلےٰ درجہ کے۔ طغرانویس مشہور آفاق کاتب اعلےٰ درجہ کے مصور قابل تعریف۔ گھڑی ساز لاثانی۔ وغیرہ وغیرہ یہ سب حضور پرنور کے خاندان ذیشان کی قدردانی کے جلوے تھے۔ اگر کافی قدردانی نہ کی جاتی۔ تو اسقدر باکمال کا جمع ہونا۔ دشوار تھا۔ آپ کے علمی مذاق اور قدردانی علوم و فنون کا شہرہ سن کر کئی باکمال منزلیں طے کر کے آتے۔ اور دلی مطالب حاصل کرتے۔ کئی اہل قلم اپنی نادر تحریریں پیش کرتے۔ تاریخ نویس قطعات تاریخیہ لکھکر داد سخن پاتے۔ خوشی کے موقع پر قصائد پیش ہوتے اور جو پسند آتا۔ اسکی نقل کی ہدایت ہوتی اگر خدمت والد میں کوئی پر لطف خط یا عریضہ یا مراسلہ آتا۔ تو آپ اپنے حاشیہ نشینوں کو سنا دیتے۔ اور اسطرح بحث و تحسین ہو کر ہر ایک کلام کسوٹی پر چڑھتا۔ آپ کے اس مذاق کو دیکھکر کئی باکمال اپنی سحر نگاری اور جادو بیانی سے حاضرین کو مسرور کرتے۔ چنانچہ ایکدفعہ ایک ایرانی سید شہباز نامی آنکلے۔ اور ایک طویل قصیدہ کسی کاتب سے لکھوا کر پیش کیا۔

قصیدہ

در مدح خاتم الانبیا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم گریز در مدح اعلےٰ حضرت قدر قدرت والا شوکت حضرت آیۃ اللہ فی العالمین قطب العارفین زبدۃ السالکین حضرت خواجہ محمود صاحب دام ظلہ

نو بہار آمد و از منظر گل کشف عطا ست — ہر کجا مے نگرم روئے زمیں۔ روح فزا ست
بلبل و قمری و دراج بہ بستاں شدہ مست — عندلیباں بہ چمن جمع شدہ از چپ و راست
بہ تماشائے چمن دلبر گان در رواں — رشک فردوس بریں در پریشاں دنیا ست
مے خرامند ز ہر سو ہمہ حوری منشاں — نالہ چنگ و دف و سلہ ز ز میں تا بسما ست
زیبد امروز مرا بادۂ گلگوں نوشم — ساقی امروز مرا سرو قد و ماہ لقا ست
اے بت سیم ذقن اسکہ ترا جاں بہ بدن — گنجے از نقرۂ مصقول بزر تفت قبا ست
مے بکش۔ نقل بخش رود بزن عود بسوز — کآسماں را وزمیں شاہ جہاں کام روا ست
خسروی رفت باورنگ نبوت کہ خلیل — حلقہ زن بر در کاشانۂ او ہم چو گدا ست
محرم خلوت معبود محمد کہ ز جود — خوان کونین در ایوان جلالش بنیا ست

لب جاں بخش دے آنگاہ کہ بباید بہ سخن
روح عیسیٰ بصد امید کشش از وچشم شفا است

صالح از ناقۂ از سنگ بمعجز آورد
ہر شتربان زکہیں چاکر او از صلحا است

سہے از مکہ درخشید کہ مانند مدے
خال ابروے وے از بہر امم قبلہ نما است

سرشرف آدم و حوا بود او فخر خلیل
ذات او در جہاں رحمتے از لطف خدا است

دوستانش ہمہ مردانہ و پاکیزہ و نیک
پاکتر ازاں ہمگی خواجۂ ذی عزت ما است

ذات پاکش بہ جہاں حامئ دین احمد
پیرو حکم خداوند و رسول دوسرا است

آیت مجد زہیں خواجۂ عالی نسبت
رونق کون و مکان است و سلیماں پیر است

خواجہ محمود بود نام نکویش بجہاں
کہ جہاں با دل بینا و ر او تنگ فضا است

عارف کامل و بے مثل حقیقت دان است
عقل فرمود۔ بگو حضرت شمس العرفا است

ز اشتیاق کف بذل تو ہمیں در معدن
سیم و زر را چو نبات از دل و جاں نشو و نما است

بدسگال تو چہ شامے است کہ آلودہ بخفت
نیک خواہ تو چہ روزے است کہ آسودہ نخاست

کہ دعا کرد بجان تو کہ از حسن قبول
ہر کجا نام تو آید بزباں بر تو دعا است

گر کسے مژدہ برد از تو خلف سوئے بہشت
تاج از آدم و خلخال ستاں از حوا است

زینت مسند عزت تو بہ گیتی باشی
کہ جہاں کہن از بخت جوانت برنا است

اے مہین جلوۂ حق خواجۂ عالی عزت
کمترین بفاصیبت کہ ئے تو عفو است و عطا است

صاحبا سید شہباز بود ایرانی
خواہشش خرچے راہ وطن از لطف شما است

ایک دفعہ نیاز مند نے یہ نظم لکھکر بھیجی۔

کھلا رہتا ہے ہر دم دوستو دربار محمودی
برستے ہیں در و دیوار سے انوار محمودی

بہار دین و دنیا سے یہ گلشن ہے تر و تازہ
کہ جنت جس کو کہتے ہیں وہ ہے گلزار محمودی

انہیں ملتا ہے مژدہ "عاقبت محمودی" ہونیکا
جنہیں حاصل ہوا شام و سحر دیدار محمودی

خریداری یہاں ہوتی ہے اخلاص عقیدت کی
عقیدت مند کی مشتاق ہے سرکار محمودی

فصاحت میں بلاغت میں وہ یکتائے زمانہ ہیں
معانی میں ہیں گنج معرفت افکار محمودی

بوقتِ گفتگو انکی زبان سے پھول جھڑتے ہیں ۔۔۔ کہ شیریں ہے شکر سے شہد سی گفتا محمودی

فی المدح

بلوچ اپنی یہ خواہش ہے کہ وہ خوشنود ہو جائیں
لکھے جوشِ محبت سے جو یہ اشعارِ محمودی

فی المدح

جس پہ ہوتی ہے عنایت خالق معبود کی ۔۔۔ اس کو ملتی ہے غلامی حضرت محمود کی
فی زمانہ لوگ کتنے ہیں جسے مہر و وفا ۔۔۔ حق نے یہ خوبی فقط ان کے لئے محدود کی
ہو سکے تعریف کس کس بات کی مجھ سے بھلا ۔۔۔ انکے حسن اخلاق کی انکے کرم کی۔ جود کی
آ دلگا ہر روز خدمت میں کسی نے لکھ دیا ۔۔۔ جب نظر آئی نہ تھی صورت کوئی بہبود کی

برادرم فتح محمد خان ماہ رمضان المبارک میں تونسہ مقدسہ تھے۔ چنانچہ لکھا گیا۔

لطف روزہ کا بھی آئیگا تمہیں تونسہ شریف ۔۔۔ واں کبھی ہرگز نہیں ہے برف کی اور دود کی
نعمتیں حاصل ہیں کیسی آپ کو ای بھائی جان ۔۔۔ چاہیئے جو چیز رب نے سب وہاں موجود کی

پر تمامی نعمتوں سے برتریں ہے اے بلوچ
بیٹھنا مجلس میں جاکر۔ خواجۂ محمود کی

مولوی عبد القادر صاحب جن کو ولایت بھیجا گیا تھا۔ ایک سادہ مزاج۔ نیکو خصال آدمی تھے۔ آپکو ان سے خاص الفت تھی۔ اور انکی ناگہانی وفات پر آپ کو بڑا صدمہ ہوا۔ اس ناچیز کو مولینا عبد القادر سے خاص تعلق تھا۔ اول تو میرے استاد زادہ تھے۔ دوسرے وہ اور میں ہم عمر تھے۔ صرف ۱۰ دن کا فرق تھا۔ تیسرے حضرت چراغ تونسوی کے حاشیہ نشینوں میں سے تھے۔ اور واقعی دربار محمودی کے درخشندہ گوہر تھے۔ چنانچہ انکی تاریخ وفات حسب ذیل لکھی گئی۔

قطعہ تاریخ وفات مولوی عبد القادر مرحوم تونسوی۔

جوہر ذاتی درخشاں از رخش ۔۔۔ معدن تہذیب را خوش گوہرے
من بگردیدم باطراف جہاں ۔۔۔ یافتم مثلش نہ دیگر ہمسرے
خوش مزاج و خوش خصال و خوش کلام ۔۔۔ آنکہ در اقلیم الفت دلبرے
چون بجنت رفت آں مرد خدا ۔۔۔ تاج محمودی نہادہ بر سرے
سال تاریخش بہ پرسیدم بلوچ ۔۔۔ گفت رضواں۔ آمدہ نیک اخترے

مولوی صاحب مرحوم کی تاریخ ولادت نیکو اخترے ہے۔ اسی رعایت سے تاریخ بالا لکھی گئی۔ اللھم اغفر لہ واغفر لنا

دیگر...... ایک دفعہ ایک کشتی جو ملکیت حضرت چراغ تونسوی کی تھی۔ اور بہت دیرینہ تھی۔ دریا میں تہ نشین ہو گئی۔ کسی جاندار کا نقصان نہ ہوا۔ البتہ اس پر کچھ اناج تھا۔ وہ بہ گیا۔ ملاح اور دیگر اشخاص صحیح سلامت جان بچا کر نکل آئے۔ خاکسار مولف نے اس موقع پر یہ اشعار لکھے۔

حضرت کا فیض جاری ہے ہر جاندار پر	ماہی بزیر آب ہو طائر درخت پر
کشتی کے ڈوب جانے کی تم کو ہے کیا خبر	دعوت میں مچھلیوں کے وہ بھیجی ہے سربسر

ابتلائے عظیم بزرگوں کی آزمائش ضروری ہوتی ہے

یہ قانون الٰہی ہے۔ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نیک بندوں کی آزمائش کرتا ہے وَاِذِ ابْتَلٰی اِبْرٰهِیْمَ رَبُّهٗ۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان کیا۔ اور وہ امتحان میں کس طرح سرخرو ہوا۔ امتحان بھی کیسا سخت اسی طرح دیگر پیغمبروں کو طرح طرح کی آزمائشیں کی گئیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام۔ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یونس علیہ السلام وغیرہ وغیرہ۔ اولیائے کرام بھی اس کلیہ سے مستثنےٰ نہیں۔ پس اسی قانون الٰہی کے مطابق حضرت چراغ تونسوی پر ابتلائے عظیم کی گھٹا طاری ہوئی۔ سب سے پہلے آپ کو فرزند اکبر میاں احمد صاحب کے وصال پر ملال کا صدمہ عظیم پہنچا۔ یہ صاحب نوجوان نیکی میں فرد۔ ہمت میں شیر مرد۔ دینی دنیاوی امور میں یگانہ۔ اوّل درجہ کے زیرک ہوشمند تھے۔ آپ کی وفات سے تونسہ میں کہرام مچا ہوا تھا۔ لیکن ایک نکتہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ ہمارے حضرت ثانی مرشدی خواجہ اللہ بخش صاحب کو اپنے فرزند میاں احمد صاحب کا صدمہ ہوا اور حضرت چراغ تونسوی کو اپنے والد بزرگوار کی طرح اس سانحہ عظیم میں مبتلا ہونا پڑا۔ گو یہ مصیبت سخت تھی۔ مگر چونکہ آپ اس آزمائش میں پورے اترے۔ پس کوئی شبہ نہیں۔ کہ آپ کے مدارج عالیہ میں ترقی نہ ہوئی ہو۔

اس موقع پر مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا۔ کہ جن دنوں حضرت احمد و صاحب صاحبزادہ کو تکلیف تھی۔ اور طبع کمزور ہو رہی تھی۔ فقیر محمد روشن بھی علیل تھے۔ حضرت چراغ تونسوی بمقام درگ تشریف فرمائے تھے۔ جو اندرون کوہ اپنے بزرگوں کا علاقہ ہے۔ اور تونسہ شریف سے جانب غرب دو منزل دور ہے۔ درگ سے آپ نے صاحبزادہ صاحب کو حکم بھیجا۔ کہ فقیر صاحب کے علاج اور خاطر تواضع میں پوری سعی کی جاوے۔ چنانچہ شاہزادہ صاحب نے اپنی طبع کی کمزوری اور ضعف کے باوجود فقیر صاحب کی خبر گیری کی۔ مگر جب اپنی طبع کمزور دیکھی۔ تو علاج کیواسطے دہلی کا ارادہ کیا۔ اور اول ملتان شریف روانہ ہوئے۔ جب یہ خبر حضرت چراغ تونسوی نے

سُنی۔ کہ فقیر کو چھوڑ کر احمد وچلا گیا ہے۔ تو آپ ناخوش سے ہوئے۔ قدرت خدا۔ پہلے فقیر صاحب کا وصال ہوا پھر میاں احمد و صاحب صاحبزادہ کوٹ سلطان سے تونسہ کے عازم تھے۔ کہ عین راہ میں وصال ہو گیا۔ انا للّٰہ وَانا اِلَیہِ رٰجِعُون۔ آپ کے تین صاحبزادے ہیں۔ خداوند کریم انکو عمر خضری عطا فرمائے۔ اور اپنی بزرگوں کے نیک قدم پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین

دوسرا صدمہ یا آزمائش حضرت صاحبزادہ غلام فرید صاحب کی وفات ہے۔ جو حضرت کے فرزند دوم تھے قدرت نے ان کو حُسن سیرت کے علاوہ حُسن صورت اسقدر عطا فرمایا تھا۔ کہ عام لوگ انہیں یوسف ثانی تصور کرتے۔ صاحبزادہ حضرت نظام الدین صاحب۔ اور صاحبزادہ غلام فرید صاحب جب دوزانو ہو کر اکٹھے دربار محمودی میں رونق افروز ہوتے۔ اسوقت کا سین میں الفاظ میں نہیں لکھ سکتا۔ دونوں کی تعلیم میں پوری سعی کی گئی۔ جمعہ کا دن ہے مغربی زیارات کیواسطے شاہزادہ صاحبان گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ آپ نے فرمایا تھا۔ کہ گھوڑوں کو نہ دوڑانا اور نوکر کو ساتھ لے جانا۔ مگر تقدیر پر کیا چارہ۔ نوعمر شاہزادے۔ سڑک جرنیلی پر آئے۔ گھوڑوں کو ذرا ایڑ لگائی۔ وہ بے قابو ہو کر دوڑے۔ صاحبزادہ صاحب گرے۔ دماغ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ پل کے پل میں وہ جوان رعنا۔ ماہ لقا۔ یوسف ثانی۔ چاند کا ٹکڑہ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ میں اسدن کی کیفیت بیان نہیں کر سکتا۔ کہ تونسہ کا شہر تھا۔ یا نمونہ محشر۔ ہنگامہ کربلا پیش نظر تھا۔ مگر واہ خواجہ تیرا حوصلہ فرماتے ہیں۔ اگر وہ ذات باری اسی میں راضی ہے۔ تو ہم ہزار بار راضی۔ جب جنازہ پڑھا گیا۔ تو آپ نے بچشم پرنم دردناک آواز سے فرمایا۔ افسوس بچڑا جنید کا زمانہ نہیں۔ ورنہ دکھا دیتا۔ میں اس حادثہ کے وقت اپنے گاؤں سوکڑ میں مقیم تھا۔ اس ابتلائے عظیم کا واقعہ سُن کر حیران و ششدر رہ گیا۔ خداوند کریم کے حکم میں دم مارنے کی جگہ نہیں۔ تونسہ پہنچا۔ تو دیکھا۔ کہ ہر درو دیوار سے شور نالہ بپا ہے۔ فرید فرید کی آواز آرہی ہے۔ حضور پُر نور نے اس صدمہ میں بھی صبر و استقلال کے دامن کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اور صبر و شکر سے خوشنودی خدا حاصل کی۔ اور اپنے درجہ ولایت میں معراج کو پہنچے۔ اس ناگہانی وفات سے گھر گھر ماتم منایا گیا۔ جسقدر مخلوق فاتحہ خوانی اور تعزیت کو آئی۔ اس کا شمار نہیں ہو سکتا۔ ان دنوں ڈاک میں جسقدر خطوط پہنچے۔ ان کا اندازہ محال ہے

تاریخ

ابن محمود شاہ غلام فرید
اسپ را تاختہ بجنت رفت
سربسر بود یوسف ثانی

آسماں مثل او کسے کم دید
روزِ جمعہ کہ بود وقت سعید
صورتش ایں چنیں خدا بخشید

	من زہاتف چو سال پرسیدم	از سر درد گفت غم فرید	سنہ ۱۳۱۹ھ
س۔	بگفتا سال فوتش ہاتف از غیب	فتاد از اسپ مجموعہ خوبی....	بسنہ ۱۳۱۹ھ
س۔	سال تاریخ ہاتفم گفتہ	در صف اولیا بجنت است	بسنہ ۱۳۱۹ھ

آپ نے حضرت غلام فرید کی وفات کے دن فرمایا۔ س۔

عجب خارے شکستی در دل من	کہ تا آید برون الا از گل من

تیسری آزمائش.... اس مقدمہ خانقاہ کی تھی۔ جس میں لاکھوں روپے خرچ ہوئے۔ میں اس بارہ میں کچھ زیادہ لکھنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ کتاب مقدمہ تونسہ شریف چھپ چکی ہے۔ حضرت چراغ تونسوی کا کبھی منشا نہ تھا۔ کہ وہ عدالتوں کے کثیر اخراجات اور وکلا کا بار احسان اور دوستوں کی تکالیف برداشت کریں۔ مگر مجبور تھے۔ اخیر عمر میں اپنے ایک نوازشنامہ میں لکھتے ہیں جیسے پہلے بھی حوالہ کے طور پر لکھا گیا ہے۔ اس مقدمہ میں جسقدر اخراجات اور انتظارات اور بنی نوع انسان کی مدارات اور اپنے نہایت مکرم مہربانوں کی تضیع اوقات اس قدر کی ہائے کا سامنا ہے کہ کامیابی میں بھی ہرگز معاوضہ نہیں ہو سکتا۔"

بہرحال اور بھی بہت سے ایسے واقعات ہوئے۔ جو آزمائش کا درجہ رکھتے تھے۔ مگر الحمدللہ۔ کہ اس ستودہ صفات نیک ذات نے کبھی صبر و استقلال کا دامن ہاتھ سے نہ دیا۔ اور ہمیشہ شاکر اور صابر رہے۔ لطیفہ ایک دفعہ ابوہر سے میاں عبدالرحمن سکیپر نے مورخہ $\frac{۲۲}{۲۹}$ ایک عریضہ بھیجا جس کا مضمون یہ تھا۔ جو دو اونٹ چوری ہو گئے تھے۔ ایک ونٹ مل گیا تھا۔ اور اس کا مقدمہ پولیس میں چلا گیا تھا۔ اونٹ مقدمہ سے فارغ ہو گیا ہے۔ اسکے لئے حکم صادر فرمایا جاوے۔ کہ وہ اونٹ کہاں بھیجا جاوے۔ آیا غلام محی کے پاس رہے یا فروخت کیا جاوے آپ نے منشی کو حکم دیا۔ کہ جواب لکھو۔ ابھی تم حاجی بھی نہ ہوئے تھے۔ کہ دو اونٹ کھائے تھے۔ اب تو حاجی بھی ہو۔ جوان ویسے تھے۔ اب بڈھے میں کیا کرونگا۔ تم جانو اور تمہارا کام۔ س۔

وارث تخت سلیماں خواجۂ محمود ہیں		پیشوائے اہل ایماں خواجۂ محمود ہیں
ہو اگر طوفان ہمکو مطلقاً کچھ غم نہیں	ولہٗ	ناخدائے بحر عصیاں خواجۂ محمود ہیں
مظہر انوار یزداں خواجۂ محمود ہیں		رہنمائے دین و ایماں خواجۂ محمود ہیں
بلبل گلزار خوباں خواجۂ محمود ہیں	ولہ	عاشق محبوب رحماں خواجۂ محمود ہیں
مدح محمودی میں ہوں مصروف میں		ماسوا اسکے نہیں ہے کوئی کام

یا الٰہی مُدعا قربت محمود ہوا	فرد	اب یہی ہے درد میرا - صبح شام
ممدوح میرا غیر ہو ممکن نہیں تکوچ		محمود میرے دل میں ہے حرفوں کا پھیر ہے

مطلب یہہ کہ وُہ محمود ہے اور ممدوح بھی ہے۔ کیونکہ اول الذکر کے حروف وہی ہیں۔ جو ممدوح کے ہیں۔ پس میرا ممدوح ہوگا۔ تو فقط محمود۔

جشنِ نظام

حضرت صاحبزادہ خواجہ نظام الدین صاحب کی شادی خانہ آبادی ڈیرہ اسماعیل خان ہوئی۔ اور اس دھوم سے ہوئی۔ کہ شاید ہی وہاں ایسی رونق کبھی ہوئی ہو۔ اس جشن میں اعلےٰحضرت شمس العارفین حضرت پیر مہر علیشاہ صاحب والئے گولڑہ معہ فرزند ارجمند حضرت صاحبزادہ غلام محی الدین صاحب رونق افروز ہوئے تھے۔ آہا کیا سماں تھا۔ دہلی سے ایک قوال آئے۔ اور اشعار سُنائے۔ لاکھوں پائے میرے حضرت چراغ تونسوی مٹھیاں بھر بھر کر انعام دے رہے تھے۔ چنانچہ جس خیمہ میں یہہ ناچیز اترا ہوا تھا۔ وہاں ایک ڈایہ آیا۔ اسے ایک مٹھی انعام ملا تھا۔ جب اسنے وہ روپے گنے۔ تو چند اشرفیاں بیتالیس روپے نقد تھے۔ عجیب بات یہہ ہے۔ کہ سونے کے اشرفیاں روپوں میں ملادی گئیں تھیں۔ تاکہ ہر لینے والے کو اپنا اپنا مقسوم ملے۔ اس تقریب سعید میں جو خطوط مبارکبادی اور اظہار تہنیت کے پہنچے۔ اگر ان کی نقل کی جاوے تو ایک دفتر ہو سکتا ہے۔ شاعران خوش گفتار نے قصائد بھیجے۔ کسی نے رباعی لکھی۔ کسی نے قطعہ تاریخ پیش کیا۔ الغرض ہر ایک فرد بشر نے اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ جس طرح اسکو موزون نظر آیا۔ لیکن اجمیر شریف سے جو مطبوعہ تحریر بعنوان جشن نظام پہنچی۔ وہ ایک ایسا گلدستہ ہے۔ کہ پژمردگی کا نام نہ لیگا۔ ناظرین کے تفنن طبع اور خوشنودی مزاج وہاج کیواسطے اسکی نقل یہاں کی جاتی ہے۔ تاکہ جشن نظام شہرت دوام کے ساتھ صفحہ تواریخ پر یادگار رہے۔ اگرچہ اس تحریر کے مقابلہ میں باقی قصائد و قطعات ماند پڑگئے ہیں۔ مگر وہ بھی بالاختصار قلمبند کئے جائینگے۔ انشاء اللہ۔ حاشیہ لہ افسوس نقل نہ مل سکی۔ ناظرین اجمیر شریف حضرت متولی صاحب سے منگا سکتے ہیں (م۰ ب)

سہرا

زیب سر تونے کیا ہے شہ خوبان سہرا	بن گیا فرط طرب سے گل خندان سہرا
آپکے چہرہ سے ہے نور برستا ہر دم	ہو رہا فخر بخداداد پہ نازان سہرا
بزم شادی ہے مرے شاہ نظام الدین کی	جوشش شادی سے بنا خسرو خوبان سہرا

واہ وا پھولوں کی خوشبو سے معطر ہے دماغ — اس میں کیا شبہ کہ ہے رشک گلستان سہرا
باغ عالم میں بزرگوں کا تقاضا یہ ہے — بھیجیں فردوس سے اک شاہ سلیمان سہرا
نام میرا ابھی لکھا جائیگا مدّاحوں میں — بزم عالی میں جو دیکھینگے سخندان سہرا

قصیدہ

ہزار شکر کہ وہ ساعت سعید آئی — تمام خلق تھی جس کیلئے تمنائی
چمن میں سبزہ و گل کا عجیب عالم ہے — بہار دیکھنے خود رونق بہار آئی
چمن میں پھول ہے پھولوں پہ گوہر شبنم — فلک نے تاروں بھری رات کی قسم کھائی
نہ دیکھی چشم فلک نے کبھی زمانہ میں — شب برات میں جس شان سے برات آئی
ہزار شکر خدا کا کہ آج وہ دن ہے — گلاب و لالہ و نرگس ہوئے تماشائی
جناب حضرت محمود کے بڑے فرزند — عیاں ہے جن کی جبیں سے صحی شان رعنائی
جمال یوسفی ہے اور جوان صالح ہیں — انہی کی شادی کی ہے آج بزم آرائی
جناب حضرت والا نظام دیں صاحب — ہمیشہ فرحان وشاداں ہمثال آبائی
کروڑ مبارک کروڑ و آلے سے — بکوچہ گہتے ہیں جس کو ہے شکل سودائی
یہ عرض کرتا ہے خدمت میں اے شہ والا — بحال زار غریباں نظر بفرمائی
لکھوں میں شعر کسی کا جو برمحل آیا — ہوا ہوں اس کی لطافت پہ دل سے شیدائی
بیا و آر غریباں دشت پیمائے را — چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی
بنام پاک بزرگاں آبا و اجداد — بحال بندۂ مسکیں کرم بفرمائی

وفات حسرت آیات

(حضرت چراغ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ)

کسی تاریخ نویس کے واسطے سب سے مشکل ترین مسئلہ کسی کی وفات کا واقعہ لکھنا ہے۔ اور میرے لئے یہ معاملہ کس قدر مشکل اور دشوار ہے۔ کہ میں ابھی آپ کے دُربا دُربار کا خاکہ پیش کر رہا تھا۔ ابھی آپ کی مجلس عالیہ کی رونق اور مختلف اصحاب کی گُل فشانیاں دکھا رہا تھا۔ یا اب اس سوزناک حادثہ اور المناک سانحہ کیواسطے قلم اُٹھاتا ہوں۔ واحسرتا واحسرتا سنگھڑ سے وہ بزرگ چلا گیا۔ جو گلہ سلیمانی کا رکھوالا تھا۔

بزرگوں کا فخر ہم وطنوں کا ملجا و ماوا مریدوں کا سچا رہنما اور جائے پناہ تھا عزیزدل کیواسطے لئیق شفیق اور صاحب کمال بزرگ کریم ابن کریم ابن کریم تھا۔ آج دنیا سے ایک ارسطو اٹھ گیا۔ جو اقلیم ولایت کا شہنشاہ بزرگان دین کا سچا اور حقیقی نمونہ تھا۔ المختصر وہ دین و دنیا کا بادشاہ تھا۔ جو ہم سے رخصت ہو گیا۔

نہ ایسی خوبیاں کسی میں ملینگی۔ نہ ان صفتوں کا کوئی حامل ملیگا۔ نہ ایسا خوش خلق نظر آئیگا۔ نہ ایسا دریار، نہ ایسا قدردان۔ نہ ایسا فیاض۔ نہ ایسا رحمدل۔ نہ ایسا فرشتہ خصال۔ حضرت غریب نواز کو بتقاضائے عمر و ریاضت عرصہ سے دروزانو کی تکلیف رہتی تھی۔ چنانچہ اپریل ۱۹۲۳ء میں ہم نے دیکھا۔ کہ جب آپ ایک جگہ سے اٹھتے۔ تو دو آدمی سہارا دے کر اٹھاتے۔ لیکن باوجود اسکے چہرہ مبارک پر کسی قسم کی بیماری کے آثار نمودار نہ تھے۔ گھوڑے کی سواری نہایت اچھی طرح سے کرسکتے تھے۔ ہر جماعت میں خود مسجد میں تشریف لاتے۔ اور معمولات میں کسی قسم کا فرق نہ آیا تھا۔ ہر جمعہ خانقاہ مغربی پر بدستور تشریف لے جاتے۔ سفر پاک پٹن۔ سفر مہار شریف میں بھی ناغہ نہ تھا۔ مگر تاہم ضعف کے آثار نمودار تھے۔ ایک دفعہ فاد پور زیادہ تکلیف ہو گئی۔ جب آپ تونسہ شریف مراجعت فرمائی تھے۔ تو ایک عقیدت مند مرید توم افغان اسٹیشن کوٹ سلطان پر قدم بوس ہوا اور حضرت کا روئے مبارک دیکھ کر زار زار رونے لگا۔ کہ مرشدا اب تو بوڑھا ہو گیا ہے۔ مطلب اس عقیدتمند کا یہ تھا۔ کہ پیرانہ سالی گویا پیش خیمہ سفر آخرت کا ہے۔ اور اسی واسطے وہ جانثار عقیدت شعار زار زار رونے لگا۔ کہ افسوس صد افسوس یہ ماہ ولغروزاب غروب ہونے والا ہے۔" موسم گرما کا تھا۔ کہ نواب صاحب کے خطوط آنے شروع ہوئے۔ کہ ڈیرہ دون تشریف لے چلو۔ مگر آپ اس تیاری میں عجلت نہ فرماتے۔ بلکہ امروز فردا ہو رہا تھا۔ بالآخر وہاں سے پیغام پہنچا۔ کہ ڈیرہ دون میں کوٹھی لی گئی ہے۔ آپ ضرور تشریف لاویں۔ مگر پھر بھی آپ پختہ ارادہ نہ کرتے۔ بلکہ ایک دن فرمایا۔ شاید میں تونسہ نہ آؤں۔ بالآخر تقدیر کو کون روک سکتا ہے آپ ڈیرہ غازیخان کے راستہ سے روانہ ہوئے۔ گرمی۔ سوء ہضمی۔ معدہ کی شکایت زیادہ ہو گئی۔ چند روز ہی ڈیرہ دون گذارے تھے۔ کہ تکلیف زیادہ ہونے لگی۔ ڈیرہ دون میں ایک شاہی حکیم ساکن گنگوہ شریف تھے۔ جو کسی راجہ کے علاج کیواسطے وہاں موجود تھے۔ اور انکو دربار سلیمانی سے بھی کچھ تعلق تھا۔ چند روز ان کا علاج ہوتا رہا۔ شکایت معدہ کی تھی۔ کچھ فائدہ نہ ہوا۔ نواب صاحب نے معاینہ فرمایا۔ کہ آپ کو اس حاذق حکیم کے علاج سے آرام نہیں ہوا۔ تو حکیم عبدالحی صاحب ساکن پشاور حال مقیم ملتان کو تار دیا گیا۔ کہ یہ حکیم صاحب نہ صرف بے نظیر طبیب ہیں۔ بلکہ آپکی طبع مبارک سے بخوبی واقف تھے۔ اور پہلے کئی دفعہ علاج کے واسطے انکو بلایا جاتا تھا

حکیم صاحب ملتان ڈیرہ دو دن تشریف لے گئے۔ اور کچھ افاقہ بھی ہوا۔ مگر زیادہ ٹھہرنا آپ نے ڈیرہ دو دن مناسب
نہ سمجھا۔ خانصاحب سے اجازت لی گئی۔ اور بسواری ریل خانیوال تشریف لائے۔ وہاں سے بسواری اسپ
قادر پور تشریف لائے۔ عدم غذا اور عدم اشتہا کی شکایت تھی۔ مگر چہرہ ایسا مشوش نہ تھا۔ ایک آدھ ہفتہ تو
تغیر آب و ہوا ملاحظہ کرتے رہے۔ اور عمداً علاج سے پہلوتہی فرمائی۔ جب کمزوری زیادہ ہونے لگی۔ تو منشی نے ازخود
نوابزادہ خانصاحب دُر محمد خان خاکوانی کو لکھا۔ اور وہ ملتان سے حکیم عطاء اللہ خانصاحب کو لے آئے۔ جنہوں نے
طبیہ کالج دہلی میں تعلیم پائی ہے۔ اور ملتان کے نامی حکیموں سے ہیں۔ اس وقت آپ کے انضباط اوقات میں
کوئی فرق نہ تھا۔ حسب معمول گھوڑے پر سوار ہو کر سیر کو جاتے۔ نماز باقاعدہ جماعت سے ادا فرماتے۔ البتہ اتنا
حکم دیا۔ کہ قیام شب بھی مسجد میں ہو گیا۔ ہفتہ عشرہ کے بعد آپ دیوار پر بیٹھ کر گھوڑے کی سواری فرماتے۔ اور کرسی پر
بیٹھکر اترتے۔ اور دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں تشریف لاتے۔ آپ کی کمزوری اس حد تک تھی۔ کہ
بعض دفعہ مسجد میں آتے ہوئے دو دفعہ راہ میں آرام کرسی پر فرا تسکین فرماتے۔ حکیم صاحب عطاء اللہ خان کے علاوہ
حکیم غلام غوث بہاولپوری اور حکیم محمد حسین صاحب بہاول نگر سے آئے۔ مگر علاج سے صرف یہ ہوا کہ دو دن
آرام پھر اسہال کی تکلیف شروع ہو جاتی۔ اتنے میں نواب صاحب ملتان سے تشریف لائے۔ اور آپکی
کمزوری دیکھ کر پریشان خاطر ہو گئے۔ اب طبع مبارک کی یہ کیفیت تھی۔ کہ اگر اسہال جاری تو طبع درست۔
جب کمزوری کا خیال کر کے اسہال بند کرنیکا منصوبہ کیا جاتا۔ تو تکلیف زیادہ ہو جاتی۔ نواب صاحب کا
اور خود حضور کا ارادہ تھا۔ کہ دہلی علاج کیواسطے تشریف لے جائیں۔ مگر کمزوری زیادہ ہو چکی تھی۔ اسواسطے
ارادہ ملتوی کیا گیا۔ نواب حبیب اللہ خان نے نواب خضر حیات خان خلف سر کرنل ملک عمر حیات خان ٹوانہ
کو بھی دہلی کیواسطے تار دیا۔ جواب بھی آگیا۔ مگر روانگی ملتوی ہو گئی۔ خانصاحب فیض اللہ خان پلیڈر ڈاکٹر
یار محمد صاحب کو لاہور سے لائے۔ انہوں نے ۳ دن شاید علاج کیا۔ پھر دوائی دینا بند کر دیا۔ حضرت غریب نواز
نے تبسم فرما کر ایک دن پوچھا۔ سب کا خیال نہیں ...... ہے۔ مہتہ صاحب اسسٹنٹ سرجن ملتان والے آئے
پہلے انہوں نے تسلی دی۔ مگر ہمت ہار گئے۔ یہ اتوار کا دن تھا۔ آپ نے مہتہ سے کہا۔ آؤ میرے پرانے مہربان
لیکن یہ امر خاص طور پر یاد رکھنے کے لائق ہے۔ کہ باوجود اس کمزوری کے آپ نے نماز باجماعت ادا کرنے کیلئے
اسقدر سعی فرمائی۔ کہ دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا تھا۔ اب تو پلنگ مسجد میں رہتا۔ اور عصر، شام، عشا اور صبح برابر
نماز پڑھتے۔ جب وضو کی طاقت نہ تھی۔ تیمم فرماتے۔ اٹھنے کی طاقت نہ تھی۔ تو بیٹھے بیٹھے۔ جب بیٹھنے کی

طاقت نہ تھی۔ تو اشاروں سے۔ مگر سبحان اللہ اس نیک نام نیک انجام نے نماز قضا نہ کی۔

حکما کا مشورہ

جب آپ کی کمزوری حد سے زیادہ بڑھ گئی۔ اور غذا بالکل بند تھی۔ تو سب طبیبوں نے بالاتفاق یہ مشورہ دیا۔ کہ آپ کیواسطے نقل مکانی باعث تکلیف ہے۔ آپ محل میں بستر آرام فرماویں۔ اور مسجد میں نہ جاویں۔ دوسرے یہہ لوگ بیمار آپکے پاس نہ آویں۔ آپنے فرمایا۔ ہرگز نہیں۔ کیا تمہارے پاس اس قسم کی کوئی دستاویز ہے۔ کہ میری زندگی کو بڑھا سکو۔ ہاں اگر تمہارے اختیار عمر بڑھانا ہے۔ تو محمود شاید کہے۔ کہ مسجد میں پلنگ نہ لے جاؤ۔ پس باوجود مرض آپنے ہرگز تسلیم نہ کیا۔ اور نماز فریضہ جس طرح ہو سکی۔ برابر ادا فرمائی۔

مدرسہ اسلامیہ کے واسطے اراضی عطا کرنا

آپ نے وفات سے تین چار روز پہلے اپنے ماموں نواب صاحب سے ارشاد فرمایا۔ کہ اب میرے بچنے کی کوئی اُمید نہیں۔ ایک آرزو ہے۔ وہ پوری کرائی جاوے۔ اس پر آپ نے اراضی مدرسہ اسلامیہ کے واسطے وقف کرنیکا ارشاد فرمایا۔ نواب صاحب نے اطمینان دلایا۔ کہ یہہ کام انشاء اللہ ہو جائیگا۔ اس میں دو یوم گذر گئے۔ حضور نے مولوی غلام علی مختار عام کو طلب فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا۔ کہ تم میری حالت دیکھتے ہو۔ آئندہ میرے پاس سے ہرگز جدا نہ ہوا [illegible] فرمایا۔ کہ دیکھو میں نے ایک [illegible] واسطے [illegible] صاحب کو کہا ہے۔ اور فلاں کو کہا ہے۔ اور فیض اللہ خان کو کہا ہے۔ مگر یہ کام [illegible] چنانچہ آپ نے از حد اصرار فرمایا۔ اتوار کو وصیت نامہ مکمل ہوا۔ سوموار میاں محمد سعید صاحب [illegible] سی کرنال سے آئے۔ یہہ روزانہ خط بھی لکھتے اور [illegible] مولوی غلام علی صاحب کا بیان ہے۔ کہ ہم لوگ حیران تھے۔ کہ رات کے دس بجے وہ کاغذ لکھا گیا۔ جس میں آپ نے وقف اراضی موضع مقبول والہ کا حکم دیا۔ سب حیران تھے۔ کہ جب تک کلکٹر تصدیق نہ کرے۔ اسپر عملدرآمد کس طرح ہوگا۔ خدا کی قدرت جب کاغذ کو آپنے اپنے دستخط سے مزین فرمایا۔ عین اسی وقت اطلاع پہنچی۔ کہ تحصیلدار صاحب آ رہے ہیں۔ چنانچہ سواریاں اسٹیشن پر بھیجی گئیں۔ اور وہ علی الصباح تشریف لائے۔ و اغلی خارج کی تکمیل ہوگئی۔ ہم حیران تھے۔ کہ حضور کیوں رات کے وقت ہم پر تقاضا کر رہے ہیں کہ جلدی تکمیل کرو۔ یہ کرامت دیکھکر ہم لوگ حیران ہوئے۔ کہ رات کے دس بجے کاغذ لکھا گیا۔ علی الصباح تحصیلدار صاحب خود تشریف لائے۔ اور تصدیق بھی ہوگئی۔ اتوار کے دن آپ کی طبع گو کمزور تو نہایت تھی۔ مگر آہستہ آہستہ کلام کر سکتے تھے۔ بیشمار مخلوق جمع ہوگئی۔ بعض معززین کے نام درج ہیں۔ عالی جناب نواب احمد اللہ خان

مع جملہ پسران و برادرزادگان۔ نواب حبیب اللہ خانصاحب علی زئی۔ حافظ غلام قادر خان صاحب خاکوانی ناظم پنشنر۔ صوفی عطا محمد خانصاحب خاکوانی۔ صوفی صالح محمد خان خاکوانی۔ مولوی محمد دین صاحب کھڈی مولوی قمر الدین صاحب کھڈی۔ خانصاحب فیض اللہ خان بی۔ اے پلیڈر۔ مولوی عبد الکریم صاحب بی اے سپرنٹنڈنٹ سررشتے ڈیپارٹمنٹ۔ میاں محمد سعید صاحب بی اے۔ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کرنال صوفی حسین بخش صاحب امرتسری۔ برادرم فتح محمد خان ملغانی۔ مولوی غلام علی صاحب۔ دیگر خدام و ملازمین۔

یہ امر ظاہر کرنا ضروری ہے۔ کہ حضرت چراغ تونسوی کی جب حالت نازک تھی۔ تو اکثر اصحاب سجدہ میں پڑے ہوتے اور دعا میں مصروف ہوتے۔

آخری وصیّت نامہ

حضرت چراغ تونسوی رح نے وفات سے چند روز پہلے اپنی تجہیز و تکفین اور دیگر ضروری امور کے متعلق ایک وصیت نامہ تحریر فرمایا۔ جسے ایک خاص صندوق میں مع جملہ پارچات کے مقفل کر دیا۔ اور وصال سے چند گھنٹے پہلے ارشاد فرمایا۔ کہ صندوق میں تحریر موجود ہے۔ اسی کے مطابق عمل کیا جاوے۔ حضرت فخر المرسلین سرور عالم رسول پاک صلعم کے موئے مبارک اور ذرات نعلین اور فخر الاولیا شاہ سلیمان رح یعنے حضرت اعلےٰ کی کلاہ مبارک۔ حضرت قبلہ عالم صاحب رح کی جائے نماز۔ حضرت ثانی فیض بخش خواجہ اللہ بخش صاحب رح کی لنگی احرام والی۔ ہدایت درج تھی۔ کہ میرے غسل دینے والا میرا پیر بھائی نیک بخت ہو۔ چنانچہ مولینا مولوی محمد دین صاحب کھڈی کو یہہ فخر حاصل ہوا۔ پھر ارشاد تھا۔ کہ سید المرسلین خاتم الانبیا حضرت رسول خدا صلعم کی نعلین مبارک کے ٹکڑے میرے سینہ میں اور قطرات موئے مبارک میری آنکھوں ڈالے جاویں۔ اور جب تلقین کی جاوے۔ تو یہ الفاظ کہے جاویں اے عاصی محمود گنہگارا۔ تو آج اس دنیا سے رخصت ہو رہا ہے۔ یہہ سب اشیا تیرا وسیلہ ہوں۔ جب یہہ لفظ مولوی محمد دین صاحب کھڈی نے بموجب فرمان واجب الاذعان زبان سے کہے۔ حاضرین میں سے کوئی بشر نہ تھا۔ جو اشکبار نہ ہو۔ اللہ اکبر۔ یہ الفاظ کس قدر موثر اور سبق آموز تھے۔ خداوند کریم اُن کو حسب مُدعا جنت میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ اور وہ اپنے بزرگان نیک کی معیت اور رفاقت میں جنت الفردوس کے مزے لوٹیں آمین انوار کے دن کی جو کیفیت تھی۔ وہ پچھلے اوراق میں لکھی جا چکی ہے۔ چنانچہ ملتان سے مہتہ صاحب آئے۔ جو اسسٹنٹ سرجن ہیں۔ تو آپ نے اس سے اختلاط کی باتیں کیں۔ اور اپنی خوش اخلاقی سے انہیں نہایت شیریں الفاظ سے مخاطب کیا۔ اسی دن شاید نوابزادہ محمد اسلم خان خلف الرشید نواب خدا بخش خان خاکوانی کے

صاحبزادے سلسلہ بیعت میں داخل فرمائے۔ اپنا رومال عطا کیا۔ کہ اسے ہاتھ لگاتے جاؤ۔ مولوی غلام نبی صاحب
اپنے پوتے فیض محمد کو پیش کیا۔ اور وہ بھی غلاموں کے زمرہ میں شامل ہوا۔ اسوقت ان کو کمزوری تھی۔ مگر آہستہ آہستہ
بات چیت کر سکتے تھے۔ اور سب نمازیں حسب معمول ادا فرمائیں۔ یعنی پلنگ مسجد میں رکھا جاتا۔ اور آپ امام کے
پیچھے نماز ادا کرتے حضور پر نور کی یہ عین آرزو تھی۔ کہ ۱۲ ربیع الثانی جو وقف کئے گئے ہیں۔ اسکی پوری پوری
تکمیل ہو جائے۔ ۱۰ بجے رات کاغذ کی تکمیل ہوئی۔ ۱۱ بجے رات کے صاحب کلکٹر کے آنے کی اطلاع موصول ہوئی
جیسا کہ ہم پچھلے اوراق میں لکھ چکے ہیں۔ نواب صاحب نے دست بستہ عرض کیا۔ کہ حضور کی منشا کے مطابق انشاءاللہ
تکمیل ہو جائیگی۔ جب آپ کو ضعف زیادہ تھا۔ اور آپ کا پلنگ مسجد میں محض نماز با جماعت ادا کرنے کے
واسطے لایا جاتا۔ تو چند غلام آسائش کی غرض کھڑے ہو جاتے۔ کہ آپ کو تکلیف نہ ہو ان کے اس طرح کھڑے
ہونے پر آپ اظہار ناراضگی فرماتے۔ اور کہتے۔ خدا کے واسطے حضرت کے نام پر تم اپنی نماز پڑھو۔ میری پرواہ نہ کرو۔
سبحان اللہ۔ اسقدر الفت تھی۔ کہ تاکید فرماتے۔ کہ اپنا فرض خدا ادا کرو۔ کیوں میرا خیال کرتے ہو۔ یہ بھی روایت ہے
کہ آپ وفات سے پانچ روز پہلے یکایک پلنگ سے اُٹھے۔ اور فرمایا۔ او مسلمانو تم یقین کرو۔ میں خواجہ سلیمان کا
سچا جانشین ہوں۔ اسوقت آپ کی آنکھیں سُرخ تھیں۔ اور چہرے سے حد درجہ کا جلال نمایان تھا۔ ہم لوگ
حیران تھے۔ کہ پہلے تو کمزوری اس قدر تھی۔ کہ سر اٹھانا بھی دشوار تھا۔ یا اب دفعۃً کھڑے ہو گئے۔ شاید اسوقت
حکم باری تھا۔ کہ اسوقت اعلان کر دو۔ کہ جو نابلد اور ناواقف ہوں۔ وہ بھی اس چشمہ سلیمانی سے سیراب ہوں
واللہ اعلم بالصواب۔ سوموار کے دن آپ نہایت ضعف میں تھے۔ بولنے پر ذرا آنکھ کھولتے تھے۔ دوپہر کو وقت
زیادہ تکلیف ہوئی۔ اسوقت تکلم بند تھا۔ مگر پورے ہوش میں تھے۔ صاحبزادہ نظام الدین صاحب نے پانی کا کہا
اسی دن محمد سعید صاحب آئے۔ صاحبزادہ نظام الدین نے عرض کیا۔ بابو تسا ڈے دوست محمد سعید آئے ہیں
بڑے شوق سے آنکھ کھولی۔ رات کے ۱۲ بجے زور سے اللہ اللہ کا جہر شروع کیا۔ بہت سے لوگ جمع ہوئے
جو پہلے سوئے ہوئے تھے۔ دُور دُور تک آواز سنائی دیتی تھی۔ یہ ذکر جاری رہا۔ پھر اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ اللہ ہو
کا کلمہ ورد زبان رہا۔ ہو کا کلمہ دراز فرمایا۔ اور اسی اثنا میں داعی اجل کو لبیک کہہ کر جنت الفردوس کو سدھارے
انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ امر متواتر روایات سے ثابت ہے۔ کہ آپ کی وفات کے وقت تمام گھوڑے
جو اصطبل میں تھے۔ خلاف توقع ہنہناتے رہے۔ باغ میں جسقدر مور تھے۔ آواز کرنے لگے۔ دوپہر کو زلزلہ ہوا۔ جو
اور گولڑہ میں فاص اثر ہوا تھا۔ در عین وصال کے وقت بھی بقول بعض جسے زبان ہو انول کی ...

کیفیت تھی۔ تو عقیدت مند غلاموں اور وفادار خادموں کی کیا حالت ہو گی۔ ؎

زمیں بلرزہ در آمد ز بیقراری شاں | فلک بہ گریہ در آمد ز اشکباری شاں

قیامت کا سین تھا۔ درویش سراسیمہ اور بے تاب تھے۔ فقرا سر مارتے تھے۔ ؎

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال | صد سال مے تواں بہ تمنا گریستن

حسب وصیت آپ کو غسل مولوی محمد دین صاحب کھنڈی نے دیا۔ اور نواب زادہ خانصاحب در محمد خان۔ میاں عبد اللہ ملازم۔ مولوی غلام علی۔ امام بخش خادم اور محمود خادم نے امداد دی۔ پیر عاشق محمود حضرت عالی سجادہ و جناب میاں خیر محمد صاحب مہاروی۔ نواب صاحب ملتانی۔ نواب حبیب اللہ خانصاحب علی زئی تشریف لائے۔ اور تبرک کے طور پر شامل ہوئے۔ آپ کو غسل باغ میں دیا گیا تھا۔ آپ کے وصیت نامہ میں یہ بھی تحریر تھا۔ کہ چالیس دن تک حافظ کلام اللہ ہر سب واسطے قرآن شریف اور سورۃ یٰسین کا ختم پڑھیں۔ اور یہ سب حافظ پیر بھائی ہوں۔ اور وا ... ... انکے مصارف کیواسطے اتنے روپے صندوق میں موجود ہیں۔ سبحان اللہ

آپ کا جنازہ ملتان شریف میں

جب ہر طرح تیاری کر لی گئی۔ تو آپ کا جسد مبارک صندوق میں رکھا گیا۔ ملتان شریف سے نصف درجن سے زیادہ موٹریں آ گئیں۔ اور نواب صاحب کے ایما سے تجویز یہ ٹھیری۔ کہ حضرت چراغ تونسوی کو امانت کے طور پر حافظ جمال اللہ صاحب ملتانی رحمتہ اللہ علیہ کے پہلو میں دفن کیا جاوے۔ کیونکہ ان دنوں دریائے سندھ کی طغیانی اس غضب کی تھی۔ کہ بہت سی جگہ ریلوی پٹڑی شکستہ ہو چکی تھی۔ اگرچہ دریافت حال کیواسطے سنانواں۔ کوٹ سلطان۔ ادریہ تار گئے۔ اور خاص آدمی بھیجے گئے مگر راستہ نہایت دشوار تھا۔ اور حقیقت تو یہ ہے۔ کہ خواجہ غریب نواز نے اپنے دوست پیر صاحب مرحوم سے جو وعدہ کیا تھا۔ کہ پانچ چھ ماہ ہم ایکجا رہیں اس خواہش کو پورا کرنا تھا۔ اسواسطے پیر صاحب کے قریب شہر خموشاں کو زینت بخشی۔ (خواب دیکھا۔ میاں رب نواز صاحب نے) جب حضور پرنور چراغ تونسوی کے وصال پر ملال کی خبر ملتان میں پہنچی۔ تو لوگوں نے دکانیں بند کر دیں۔ اور محبت سے ریلوے اسٹیشن پر پہنچے۔ کہ قادر پور جائیں۔ اور جنازہ میں شریک ہوں جب ایک چھوڑ دو تار اس امر کے موصول ہوئے۔ کہ حضور کا جنازہ ملتان شریف میں ہو گا۔ تو عید گاہ شملاک پر ہزار ہا مخلوق جمع ہو گئی۔ جب موٹر پہنچی۔ تو اس شمع سلیمانی کے گرد پروانہ کی طرح مخلوق ٹوٹ پڑی ... ... لگ گئی۔ اور جب صندوق کو اٹھایا گیا۔ تو اسوقت عاشقان اسلام کا جذبہ شوق قابل دید تھا

پاؤں کھلے جاتے تھے۔ اپنی ٹوپی یا پگڑی کی سُدھ نہ تھی۔ دیوانوں کی طرح لوگ دوڑ رہے تھے۔ اور یہ خواہش ہر ایک چاہتا تھا کہ اس عاشق محبوب الٰہی اور سرچشمہ فیوض لامتناہی کو اپنے کندھوں پر بلکہ آنکھوں پر جگہ دوں۔ ؎

یار احباب جو اٹھاتا تھا ۔۔۔ دوشِ احباب پر سوار ہے آج
نازشِ خلق کا محل نہ رہا ۔۔۔ رحلت فخرِ روزگار ہے آج
تھا زمانہ میں ایک رنگیں طبع ۔۔۔ رخصت موسمِ بہار ہے آج
دل میں مدت سے تھی خلش جس کی ۔۔۔ وہ ہی برچھی جگر کے پار ہے آج

بلامبالغہ پچاس ہزار کے قریب مخلوق جمع تھی۔ اور اس انبوہ کثیر نے اس شان سے آپ کا جنازہ پڑھا۔ کہ اتنی مخلوق ملتان میں کبھی نہ دیکھی گئی تھی۔ آپ کا وصال مابینی شب دوشنبہ و سہ شنبہ ۱۷ ستمبر ۱۹۲۹ء مطابق ۲ اسوج سمت ۱۹۸۶ موافق ۱۲ ربیع الآخر ۱۳۴۸ھ کو ہوا۔

زائرین کا ہجوم

۱۸ ستمبر ۱۹۲۹ء سے لیکر ۱۰ مارچ ۱۹۳۰ء تک صبح شام آپ کی تربت منورہ پر لوگوں کا ہجوم دیکھا جاتا تھا۔ جیسے ایک واقف کار ملتان جانے لگے۔ تو مجھ سے استفسار کیا۔ کہ خانقاہ حافظ محمد جمال الدین صاحب پر تو میں چلا جاؤنگا۔ مگر مجھے حضرت چراغ تونسوی کی مزار مبارک کا پتہ کون دیگا۔ میں نے کہا۔ چراغ جہاں روشن ہوتا ہے۔ وہ دور سے ہی نظر آتا ہے۔ جب وہ آدمی واپس آیا۔ تو کہنے لگا۔ کہ وہاں دریافت کی ضرورت نہ تھی۔ بیسیوں عاشقان محمودی نظر آئے۔ جو سب اسی بزم کے پروانے تھے۔ خاکسار نے جو تار قادرپور دوسرے روز روانہ کیا خواجہ محمود مرشد کامل تاریخ وصال بھی تار میں لکھدی۔ اس سے بڑھ چڑھ کر اور اصحاب نے تاریخیں لکھی ہیں۔ جو اگلے باب میں درج کی جائینگی۔ ؎

وہ لعل تھا۔ برتر تھا بہت دُرِ عدن سے ۔۔۔ اک پھول تھا آیا تھا سلیمان کے چمن سے
مدت ہوئی وہ دور رہا اپنے وطن سے ۔۔۔ تھا بڑھ کے نزاکت میں چنبیلی سے سمن سے
سنگھڑ میں تو اس شان کا انسان نہیں ہے ۔۔۔ وہ کون بشر ہے جسے ارمان نہیں ہے

مرثیہ ہندی از غلام محمد کلاسرہ طالب علم

زمانہ توں عالم دا سردار ٹر گئے ۔۔۔ غلامیں دا آقا وفادار ٹر گئے
بیندے در تے آ جھکدے شاہ و گدا سب ۔۔۔ ہر اک دا معاون مددگار ٹر گئے
او نور سلیمانی تونسے دا سہرہ ۔۔۔ زمانہ دا محبوب دلدار ٹر گئے

اوآفتائے محبوب ملجائے عالم
گیا ہا اتھوجیہڑھا جھوکاں لڈا کے

ہے خلقت جیندی سب طلبگار ڑ گئے
غریب الوطن جیا کے او بار ڑ گئے

اتھاں نال ماہیں دے وچ ڈیرہ لا یس
کھڑے بیقراری دے وچ سارا عالم

تیں وطناں کنوں نھی کے بیزار ڑ گئے
جو تنہا اتھاں چھوڑ سر کار ڑ گئے

ڈٹھے جیں تکالیف صد ہے ہزاراں
نظام و نصیر و قطب پیارے جگ دے

خدا دی رضا دا خسر بدار ڑ گئے
حوالہ رب کر کے دلدار ڑ گئے

اتیں مصطفےٰ ۔ مرتضےٰ ۔ مجتبےٰ دی۔
اجاں کیوں نہ محمود دی رووں ہزاراں

ہر ہک کوں یتیمی دے ڈے بار ڑ گئے
اساڈا او مونس تیں غم خوار ڑ گئے

دیگر منہ

شہر تونسے دا اج والی اتھوجھوکاں لڈائی ویندے
سونڑھاں چوڈی وارثِ خواجہ تیں ڈکھیا سیمتن خواجہ

اکیلا بے وسیلیاں کوں ستی ویندے رلائی ویندے
مسافر بے وطن خواجہ ڈتی درد جدائی ویندے

نکل بے وس وکجن وعاہیں لگیاں تونسے اندر ہائیں
زمین و آسمان روندے پئے چوڈاں طبق بھوندے

کھڑے روندے محل جاہیں تیاری کتھ بنائی ویندے
جا پے تونسہ تیں کیا ہوئے وڈے تھر تھل مچائی ویندے

ڈٹھے رنج والم ولول کیتے خلقت ستم ولول
جوان بچڑے تھئے رامی جوانی رج ڈٹھی نامی

ملے دل کوں ورم ولول وڈے صدمے بنھائی ویندے
گئے ڈو پتر لگ جامی ڈتے جو بار جائی ویندے

ڈکھاں درداں دے ماریاں کوں نکاریا لیے سہاریاں کوں
تیں محمود ی ہزاراں کوں اتھاں جگو جیہ رلائی ویندے

دیگر۔ برادرم فتح محمد خاں ملغانی خلف حاجی نور محمد خاں ملغانی سوکڑی کو ران پر ایک نہایت خطرناک پھوڑا نکلا۔ مور جھنگی کے فقیر سلطان محمود صاحب نے اپریشن کیا۔ اور سوکڑی میں رہ کر کمال تن دہی سے معالجہ میں مصروف ہوئے اثنائے بیماری میں حضرت خواجہ محمود صاحب کو کمال انتظار تھی۔ یہاں تک کہ آپ ہر روز ایک نوازش نامہ تحریر فرماتے۔ اور جسدن بیمار کا عریضہ نہ پہنچتا۔ آپ کمال شفقت و ہمدردی کے سبب خفا ہوتے۔ زخم بظاہر مندمل ہو گیا۔ اور فقیر صاحب اپنے گاؤں کو رخصت ہو گئے۔ مگر کچھ عرصہ کے پھر تکلیف شروع ہو کر پیپ جاری ہو گئی بیمار کو تونسہ شریف بھیجا گیا۔ اور اصل حقیقت حضور پرنور کی خدمت میں عرض کی گئی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ یہاں کے اسسٹنٹ سرجن کو تو دکھایا جاوے پیر غلام علی شاہ صاحب تحصیلدار اور برخوردار خان ذیلدار سرکرم برادرم کی مرہ

ہسپتال گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے بڑے غور سے ملاحظہ کیا۔ اور یہ رائے قائم کی۔ کہ اپریشن دوبارہ کرنا پڑیگا۔ اور یہہ زخم ماہ کے عرصہ میں اچھا ہوگا جب یہ ماجرا حضور نے استماع فرمایا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ ہم اصلی ڈاکٹر سے عرض کرینگے بعد نماز عشا مجھے یاد دلانا۔ برادرم صاحب کا بیان ہے۔ کہ جب بعد نماز عشا آپ روضہ منورہ میں داخل ہوئے۔ تو مجھے اندر بلالیا۔ اور نہایت توجہ و الحاح سے دعا طلب فرمائی۔ اسی وقت میرے دل کو تسکین سی ہوئی۔ کہ خداوند کریم اپنا فضل کریگا۔ اسی دن میرے زخم میں اسقدر پیپ تھی۔ کہ چادر تنہ بندکی تر ہوگئی تھی۔ جب میں صبح کو اٹھا۔ تو زخم بالکل خشک ہوچکا تھا۔ اور پیپ وغیرہ کا نشان نہ تھا۔ ہم نے احتیاطاً ایک آدمی مور ھنگی روانہ کیا تھا۔ کہ فقیر صاحب کو لے آئے۔ جب فقیر صاحب آئے تو بولے۔ کہ دوائی تو ہو چکی ہے۔ میرے منگانے کی کیا ضرورت تھی۔ **دیگر** برادرم فتح محمد خان سے روایت ہے۔ کہ زخم تو میرا اچھا ہوگیا۔ مگر ٹانگ سیدھی نہ ہوتی تھی جب میں بیٹھتا تو ٹانگ لمبی کرکے بیٹھ سکتا تھا۔ ایک دن حضرت صاحب نے توجہ فرمائی۔ اور استفسار فرمایا۔ کہ فتح محمد! ابھی تک مودب بیٹھنا نہیں سیکھا۔ میں نے موقع دیکھکر عرض کیا۔ قبلہ! کیا کروں۔ مجبور ہوں۔ آپ نے دعا فرمائی۔ دوسرے دن میری ٹانگ اچھی ہوگئی۔ یہاں تک کہ میں چوکڑی مار کر بیٹھ سکتا ہوں۔

دیگر میاں امین دین سرکی بند لاہور نے حضرت غریب نواز کے پہلے عرس پر ظاہر کیا۔ کہ میں لاہور میں بخار سے سخت بیقرار تھا۔ کمزوری حد سے بڑھ گئی تھی۔ خواب میں دیکھا۔ کہ حضرت خواجہ محمود صاحب ایک گولی کھلاتے ہیں صبح کو اس قابل ہوگیا۔ کہ فوراً تونسہ شریف کی تیاری کردی۔ مگر میری کمزوری دیکھکر میری والدہ ساتھ آئی۔ ابھی تک پرہیزی غذا کھا رہا ہوں۔ اور اس کمزوری کی حالت میں اتنا دور دراز سفر طے کرکے آنا محض حضرت غریب نواز کی کشش ہے۔ یہ امین دین لوہاری دروازہ کے رہنے والے ہیں۔ ان کے دادا میاں احمد دین حضرت خواجہ شاہ سلیمان صاحبؒ کے غلاموں سے تھے۔ **دیگر** میاں امین دین ایک مسکین طبع آدمی ہیں کہنے لگے۔ جب حضرت خواجہ محمود صاحب آخری دفعہ لاہور تشریف لائے۔ تو بوقت روانگی بعض غلام آبدیدہ ہوئے تو آپ نے فرمایا۔ میرے جانیکا تمکو غم ہے۔ خدا کرے۔ کہ یہہ غم ہووے۔ اور کوئی غم نہ ہووے۔ تو کیا اچھی بات ہے اثر سرمیں آپ ایک دن مقیم تھے۔ حافظ حبیب اللہ مہتمم مدرسہ سلیمانی انارکلی کو مخاطب کرکے فرمایا۔ کہ حافظ جی! اللہ تعالیٰ کیوں فرماتا ہے۔ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۔ جمع کا صیغہ استعمال فرمایا۔ انا اقرب۔ کیوں نہ فرمایا۔ حضرت دیدار علی شاہ صاحب نقشبندی چہنگڑ محلہ نے یہ نکتہ سنا۔ تو ہمکو کہنے لگے۔ کہ اطاعت میں ثابت قدم رہو۔ پھر نحن اقرب کا مفہوم خود بخود معلوم ہوجائیگا۔ ایک دن آپنے بوقت روانگی

(غالباً آخری بار لاہور سے جب رواں ہوئے۔) فرمایا۔ دیکھ لو انکھیو رج رج کے بدل چڑھیا جدائی دا گج گج کے
یعنی ہائے انکھو۔ دیکھ لو۔ اچھی طرح دل کھول کر۔ جدائی کی گھٹا چڑھی ہے۔ اور کوئی دم کو جدائی ہونیوالی ہے
حافظ حبیب اللہ کہنے لگے۔ کہ خدا ہم کو یہ غم نہ دکھائے۔ خدا ہمکو آپ سے پہلے اس دنیا سے اُٹھالے۔

لطیفہ.. صوفی حسین بخش امرتسری جو خواجہ صاحب کے مخلص غلاموں سے ہیں۔ انکے بیٹے کا جو پلیڈر ہیں
سامان ریل میں رہ گیا۔ آپ حال دریافت کرنے لگے۔ اور فرمایا۔ کہ ہیں تو آپ وکیل۔ مگر مجھے اصل واقعہ بتاؤ کسطرح
سامان ریل میں رہ گیا۔ مطلب یہ تھا۔ کہ وکیل ہمیشہ جھوٹ ہی جھوٹ بولتے ہیں۔ ان سے سچ بولنے کی توقع
نہیں۔ **دیگر** میاں احمد دین صاحب درویش سجادہ مولینا احمد صاحب تونسوی سے روایت ہے۔ کہ
ایک دن میرے دل میں خیال آیا۔ کہ حضرت غریب نواز مجھے کوئی ایسا وظیفہ یا ورد فرمائیں۔ جو سعادت
دارین کا وسیلہ ہو۔ میں مجلس میں حاضر تھا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ حضرت محبوب الٰہی نے اپنے پیر و مرشد حضرت
گنج شکر سے عرض کیا تھا۔ کہ ایسا وظیفہ بیان فرمایا جاوے۔ جس سے سعادت دارین حاصل ہو۔ آپ نے فرمایا۔
کہ نماز عشاء کے بعد ایک ہزار کلمہ شریف کا ورد کیا جاوے۔ اس کا التزام ہے۔ جب میں نے یہ نکتہ سنا۔ تو
دل میں کہنے لگا۔ کہ نماز عشاء کے بعد ایک ہزار دفعہ کلمہ شریف پڑھنا مشکل ہے۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے فرمایا۔
کہ اگر ایک ہزار دفعہ نہ پڑھ سکے۔ تو ایک تسبیح کافی ہے۔ اب میرے دل میں خیال آیا۔ کہ شاید اس میں اجازت
لینا ضروری ہوگا۔ کیونکہ جب تک کسی خاص ورد یا کلام یا تعویذ کی اجازت نہ ہو۔ کامیابی نہیں ہوتی۔ آپ نے
بلا استفسار خود بخود فرمایا۔ کہ اس بارہ میں خاص اجازت کی ضرورت نہیں۔ جب مرشد مجلس میں کوئی
کلام بیان کرے۔ یا وظیفہ بتائے۔ جس قدر سامعین ہوتے ہیں۔ سب کو ایک طرح کی ضمناً اجازت حاصل
ہو جاتی ہے۔ **دیگر** میاں احمد دین صاحب مذکور نے حضرت خواجہ الٰہ بخش صاحب قدس سرہ العزیز کیوقت کا
ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک دن آپ آستانہ معلے میں تشریف رکھتے تھے۔ کہ ایک درویش روضہ مبارک کی
زیارت کو داخل ہوا۔ آپ نے حضرت حافظ محمد موسیٰ صاحب سے فرمایا۔ کہ یہ سامنے بیڑا ڈبوڑ فقیر جاتا ہے۔
(کشتی غرق کرنیوالا) یہ درویش سیکی جو کھڈ (قریب لکھنڈ شریف) کا باشندہ تھا۔ ایک کشتی میں سوار ہوا لیکن
کشتی والوں نے تشدد کر کے اسے کشتی سے اوتار دیا۔ ایک مہینہ پیدل چل کر زیارت کو آیا۔ اسکی بددعا
سے کشتی غرق ہو گئی۔ اور ہمارے پاس چٹھی آئی۔ کہ پندرہ سو روپیہ کا مال غرق ہو گیا۔ اسپر آپ نے فرمایا۔
کہ اولیا تین قسم کے ہوتے ہیں۔ (۱) خود بھی جانتے ہیں۔ اور لوگ بھی جانتے ہیں۔ کہ یہ ولی اللہ ہے۔

ایسے اشخاص آزار نہیں پہنچاتے۔ (۲) خود تو جانتے ہیں۔ مگر لوگ نہیں پہچانتے۔ یہ لوگ بھی آزار ہوتی ہیں (۳) نہ آپ اپنے تئیں جانتے ہیں۔ نہ لوگ تصور کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی بددعا تباہ کر دیتی ہے۔ یہ درویش اس تیسری صنف کا ہے۔ یعنی جب لوگ اُسے آزار پہنچاتے ہیں۔ تو غیرت الہی آزار دہندگان کو تلف کر دیتی ہے۔ **دیگر۔** حاجی گل محمد خان سوکڑای سے روایت ہے۔ کہ میں اپوزی میں ملازم تھا۔ ایک شخص گل شاہ خان سلیمان خیل ساکن اپوزی ایک عورت کے مقدمہ میں ماخوذ ہو گیا۔ اس نے نذر مانی۔ کہ اگر خداوند کریم اس مصیبت سے رہائی بخشے۔ تو فلاں گھوڑی لنگر میں دونگا فضل ایزدی سے اس کی تمنا بر آئی۔ اس نے وہ گھوڑی خانصاحب گل محمد خان انسپکٹر پولیس کے حوالہ کی۔ جو حضرت غریب نواز کے مخلص مریدوں سے تھے۔ کہ لنگر میں پہنچائی جائے۔ میں اور میرے ہمنام انسپکٹر صاحب تونسہ شریف تیار ہوئے۔ ایک شخص میر عبد اللہ ہمارے ساتھ تھا۔ اس کی خواہش تھی۔ کہ گھوڑی پر سوار ہو جاوے۔ چنانچہ وہ سوار ہوا۔ گھوڑی ایک مقام پر چمک گئی۔ اسے گرا دیا۔ اور واپس اپوزی بھاگ گئی۔ ہم واپس لائے۔ پھر میں سوار ہوا۔ درحالیکہ گھوڑی راہ میں کچھ بیمار ہو گئی تھی۔ ہمکو لمبا سفر کرنا پڑا۔ اور کوٹ خان محمد اور منزوقلات کے راہ سے آنا پڑا۔ اس طویل راستہ میں باوجودیکہ گھوڑی بیمار تھی۔ میں سوار ہوا۔ اور مجھے تیجا بخار شروع ہو گیا۔ گھوڑی لنگر میں پہنچ گئی۔ مگر مجھے بخار نے بیقرار کر رکھا تھا۔ میں نے گھر پہنچکر اپنے امام مسجد مولوی حاجی چراغ الدین صاحب رائیں سے ذکر کیا۔ وہ کہنے لگے۔ میرے فرزند کو یہ موذی بخار بہت عرصہ رہا۔ آخر حضرت خواجہ اللہ بخش صاحبؒ کی دعا سے نجات ملی۔ چنانچہ میں جمعہ کے دن تونسہ شریف گیا۔ آپ روضہ شریف سے آنے تھے۔ کہ میں نے اس سلطان وقت سے اپنا مطلب عرض کیا۔ مسکرائے اور فرمایا۔ کہ بخار کیوں کر شروع ہوا۔ ؟ وجہ اس گھوڑی پر سواری کی تھی۔ کہ میں نے ذرا پرواہ نہ کی۔ کہ گھوڑی لنگر کی ہے۔ اور علیل بھی ہے۔ آپ نے دعا فرمائی اور پھر آج تک کہ میری عمر ۷۴ سال کی ہے۔ پھر تیجا بخار کبھی نہ ہوا۔ **دیگر۔** محمد حسین ولد کٹو قیصرانی ساکن جھوک بودو سے روایت ہے۔ کہ میں قلعہ سیف اللہ ملک بلوچستان میں ملازم تھا۔ اور ۱۹۰۶ء میں بعارضہ سل و دق سخت بیمار ہو گیا۔ صاحب سول سرجن اور دیگر ڈاکٹروں نے یہ رائے دی۔ کہ ملازمت ترک کر دو۔ اور اپنے وطن چلے جاؤ۔ یا کم سے کم موسم سرما اپنے وطن گذارو۔ تمہاری حالت بہت نازک ہے آخر میں بیماری سے سخت تنگ آ گیا۔ اور ملازمت سے استعفا دیدیا۔ وطن جا کر مختلف اطبا کے زیر علاج رہا۔ آخر سب میری زندگی سے مایوس ہو گئے۔ میرے والدین سخت پریشان تھے۔ آخر میں نے حضرت خواجہ محمود صاحب کی خدمت میں استغاثہ پیش کیا۔ آپ نے وظیفہ

پڑھنے کا ارشاد فرمایا۔ خداوند کریم کے فضل سے تمام بیماری اور مرض رفع ہو گیا۔ حالانکہ تمام طبیب جواب دے چکے تھے۔ س۔

اسے فضل کرتے نہیں لگتی بار ۔ نہ ہو اس سے مایوس امیدوار

دیگر اسی طرح مجھے ادائے قرض کے متعلق ایک وظیفہ پڑھنے کا ارشاد ہوا۔ خداوند کریم کے فضل سے تمام مصائب رفع ہو گئیں۔ ایک دفعہ رود کوہی کی بابت استفسار فرمایا۔ کہ میاں محمد حسین تیرا ایک کھیت بھی پر آب نہیں ہوا میں نے کہا۔ قبلہ! کوئی نہیں۔ خدا کی قدرت اسی ہفتہ میں رود کوہی آئی۔ اور میرا ایک کھیت پر آب ہوا۔ حالانکہ پانی دیگر کھیتوں میں بھی گیا تھا۔ مگر سوائے ایک کے باقی شکست ریخت ہو گئے۔ اور صرف ایک ہی پر آب ہوا۔ اور بس۔ ش

ہے ان کی سادگی بھی تو کس بھبن کیساتھ ۔ سیدھی سی بات بھی ہے تو اک بانکپن کے ساتھ

دیگر ایک دن آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ ایک شخص نہایت بدخلق تھا۔ حضرت محبوب الٰہی کے روبرو آتا۔ تو سخت کلامی اور دشنام سے اپنا نامہ اعمال سیاہ کرتا۔ مگر حضرت صاحب اسے ۲ روپے دیا کرتے۔ جب وہ مرنے لگا۔ تو حضرت نے دعا کی۔ کہ یا الہ العالمین! اسے میری طرف سے کوئی مواخذہ نہیں۔ پھر فرمایا۔ کہ بزرگان دین کے اخلاق ایسے ہوتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ موذی بزرگ بھی کوئی بزرگ ہے۔ ہرگز قابل تعریف نہیں۔ چنانچہ اخیر عمر میں آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ انتقامی مادہ مجھ میں نہیں رہا۔ دیگر مولوی عبدالقادر صاحب جو سفر یورپ کو بایمائے حضرت رحیم گئے تھے۔ بیان کرتے تھے۔ کہ تمام سفر میں دلائل شریف اور قرآن مجید کا ناغہ نہ ہوا سب سامان ہمارے پاس موجود تھا۔ سوائے پانی کے وہاں کی کوئی چیز استعمال نہیں کی۔ حالانکہ یورپ میں ایک مسلمان کیواسطے بڑا مشکل ہے۔ کہ وہ اکل حلال سے گذارہ کر سکے۔ دیگر مرض الموت میں وفات سے چند روز پیشتر آپ نے ایک تحریر لکھوائی۔ جو مولوی غلام علی صاحب نے لکھی۔ جو بجنسہ میرے پاس ہے۔ نقل حسب ذیل ہے۔

میرے مکرم بھائیو۔ اور میرے جمیع تیماردارو۔ اور میرے جمیع احباب خیر خواہ و ثنا ار ! تمکو معلوم ہے۔ کہ نواب صاحب اور صرف نواب صاحب میرے خیال سے متفق الرائے ہیں۔ کہ خوف دہ اور رجا۔ کم میری بھی یہی رائے ہے۔ کیونکہ کھلم کھلا انہوں نے فرمایا ہے۔ کہ تم غذا اور دوا میں پوری پیروی کرو۔ تاکہ کوئی حسرت باقی نہ رہے۔ میرا مدعا اس تحریر سے یہ ہے۔ کہ دھوکے میں نہ رہو۔ کہ اسکو آرام آگیا ہے۔ ناامیدی خدا سے کفر ہے۔ اطلاعاً مرقوم۔ (۲) چونکہ تم سب لوگ میرے تیماردار اور مہربان ہو۔ سب کو اور خاصکر برادرم محمد خان کو معلوم ہو۔ کہ حکیم کا فرض ہے کہ دوا دے غذا اگر دن میں دس دفعہ بھی دینا پڑے۔ تو اپنے ہاتھ سے: تاکہ اسکو معلوم ہو جاوے۔ کہ کتنی دیر میں غذا ہضم ہوتی ہے

اور کتنی دفعہ۔ اور اسی طرح دوا کا۔ اور حکیم کو اس امر کی طرف ضرور توجہ کرنی چاہیئے۔ کہ جو جو عوارض ہیں۔ ان میں کس قدر کمی واقع ہو رہی ہے۔ اور عود سے ہر وقت خیال کرنا چاہیئے۔ اور حفظ ماتقدم کے خیال سے ڈرنا چاہیئے۔ ہاں اجابت ابھی اگر چوبیس گھنٹہ سے گذر جاوے۔ تو قابل اندیشہ ضرور ہے۔ (۳۱) دو مہینے دس روز ہو چکے ہیں۔ کسی حکیم نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ کہ اشتہا یا طلب صادق پانی کی ہووے۔ یا ان سے ہو نہیں سکی۔ میرے خیال میں سب طرف سے زیادہ توجہ کرنی چاہیئے۔ میرے خیال میں معدہ اور جگر کو اپنا کام بھول گیا ہے باقی لکھانے کے لئے تیار ہوں مگر وقت نہیں ملتا۔ اور ایسی ۔۔۔۔ میں کئی دفعہ کر چکا ہوں۔ نظر انداز کی جاتی ہیں۔ شاید کہا جاتا ہے کہ اسکو زندگی عزیز ہے۔ اور وہ کون ہے۔ جسے زندگی عزیز نہیں انتہی کلامہٗ۔ یہہ تمام الفاظ حضور کے اپنے بیان فرمودہ ہیں۔ واللہ اعلم۔ و ثانت سے کتنے روز پہلے لکھوائے گئے۔ قیاس یہہ ہے۔ کہ صرف چند روز پہلے لکھائے گئے۔ اور اس تمام تحریر میں قابل غور دُوہ فقرہ ہے۔ تیسرا مدعا اس تحریر سے یہ ہے۔ کہ دھوکے میں نہ رہو۔ کہ اسکو آرام آگیا ہے۔ گو مدت سے ناامیدی کفر میں داخل ہے"۔ دیگر پچھلے اوراق میں کسی مقام پر پیر صاحب کا خانیوال سے منگایا جانا اور حضرت غریب نواز کو سرفہ خون آلود کا مرض لاحق ہونا۔ لکھا جا چکا ہے۔ اس واقعہ کی تصدیق کیواسطے جب میں نے استفسار کیا۔ تو حکیم احمد دصاحب استادی مولوی محمد یار خانصاحب۔ مولوی غلام علی صاحب موجود تھے۔ اول الذکر نے واقعہ بیان کیا۔ کہ آپ حاجی پور تشریف لے گئے تھے۔ وہاں عارضہ کھانسی کا ہوا۔ پھر تونسہ میں سرفہ خون آلود کا عارضہ ہوا۔ معالج نے ماء العسل اور لعاب بہیدانہ کا استعمال کرایا تھا۔ شربت خشخاش جس میں ۱/۸ حصہ پوست ہوتا۔ اور بہت ٹھنڈا پانی ہو۔ ڈالا جاوے۔ اسی سے حضور کو بالکل آرام ہو گیا۔ مولوی غلام علی نے بیان کیا۔ کہ میں مول سرحن بہادر کو ڈیرہ غازیخان لانے کیواسطے جا رہا تھا۔ کہ مجھے بوہڑ میں جو ۳ کوس سے زیادہ فاصلہ نہیں۔ مل گئے۔ چنانچہ انہیں لے آیا۔ دیگر مولوی نور محمد ارائیں متوطن سوکڑ جو حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب رح کے مریدان سے ہیں۔ اور حضرت خواجہ چراغ تونسوی بھی نامبردہ کے حال پر نہایت لطف و کرم فرماتے تھے۔ حسب ذیل ملفوظات لکھکر بھیجے ہیں۔ جن کو میں مولینا کی اصلی عبارت میں درج کرتا ہوں۔ امید ہے۔ کہ دیگر پیر برادران بھی اسی طرح توجہ فرمائینگے۔ ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ کو عاصی نور محمد ارائیں کو مخاطب فرما کر ازراہ شفقت حضرت خواجہ محمود صاحب نے فرمایا۔ اَرْحَمُ الراحمین کے یہ معنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے یا کسی کی شفاعت سے مثلاً جب مسمے زید کے گناہ بخشدے تو اس نام کے جتنے زید امت محمدیہ میں ہیں سب بخشے گئے یا مثلاً زید کا ایک گناہ مثلاً زنا کا معاف فرمایا تو سب زانیوں سے یہ گناہ محو کیا گیا۔

(۲) ایک روز فرمایا۔ کہ حضرت امام مالکؒ نے خربوزہ عمر بھر نہیں کھایا کیونکہ انکے نزدیک یہ ثابت نہیں ہو سکا
کہ آنحضرت صلعم نے کس طریق سے تناول فرمایا تھا۔ آیا پہلے چھلکا اتار کر قاش بنائے یا قاش بنا کر پھر چھلکا اتارا
یہ اتباع سنت کے اسقدر حریص محتاط تھے کہ خلاف سنت کوئی فعل صادر نہ ہو۔ فرمایا حضرت امام اعظم رح
نے خلال ریش میں اختلاف وشک کے سبب سال کی نماز قضا کی کہ شاید آنحضرت صلعم نے اپنی ریش مبارک کا
خلال اوپر سے نیچے کو فرمایا تھا۔ یا نیچے سے اوپر کو۔ (۳) شنبہ پنجشنبہ ۸ ربیع الاول سنہ ۱۳۱۳ھ بعد نماز شام کوئی حاکم
سرکاری شرف خدمت اقدس ہوا اور تبدیلی ملازمان کے تذکرہ میں اس حاکم نے عرض کیا کہ ہم ملازم لوگ
ڈاک کے ہر روز منتظر ہوتے ہیں اگر آج کی ڈاک میں تبدیلی کا حکم آجاوے تو دوسری جگہ چلے جاوینگے حضرت خواجہ
محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ڈاک کے آنے میں بھی فرصت ہوتی ہے مگر احکم الحاکمین کے حکم میں کوئی توقف
نہیں کیا خبر ہے کہ اسی لحظہ میں کوچ کا حکم آجاوے۔ اس موقع پر ایک قصہ ارشاد فرمایا کہ کوئی امیر بہت نخوت
وغرور کے ساتھ سوار ہو کر سیر کو چلا تھوڑی دور گیا تھا کہ ایک ضعیف وخستہ ناتواں شخص نے ہاتھ بڑھا کر گھوڑے کا
لوند مضبوط پکڑ لیا۔ ناچار سوار اسکا پرسان حال ہوا اس شخص نے آہستہ سے امیر کے کان میں کہا میں ملک
الموت ہوں۔ امیر کانپنے لگا اور بے سود فرصت طلب کی ملک الموت نے فی الفور اسکی روح قبض کرلی اور
وہ گھوڑے سے گر پڑا۔ اسی وقت وہی خستہ منظر ایک دوسرے راہرو کے پاس آیا۔ اور اسکے کان میں بھی وہی
بات کہدی شاید وہ صاحبدل تھا کہا مرحبا حاضر ہوں ملک الموت نے کہا مجھے حکم ہے کہ اگر آپکی خواہش ہو تو
روح قبض کروں اور اگر ضرورت ہو تو مہلت دوں۔ درویش نے کہا اتنی ضرورت ہے کہ میں وضو کرکے دوگانہ
ادا کروں جب سجدہ میں جاؤں۔ تو آپ جان لے لینی ملک الموت نے ایسا ہی کیا۔ (۴) ایک روز حضرت خواجہ
صاحب نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر پیغمبر کو خاص خاص معجزے مرحمت فرمائے تھے اور ہمارے رسول مقبول
صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو وہ سب معجزے عطا فرمائے تھے جیسا کہ کتابوں سے ظاہر ہے بلکہ آنحضرت صلعم کی
امت میں اولیائے کرام اور انکے خدام سے بھی ویسی کرامات مثلاً احیا موتے وغیرہ ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ فرمایا کہ
پاک پتن شریف میں حضرت قبلہ عالم صاحب مہاروی رضی اللہ عنہ کے مریدوں میں سے ایک نیک مرد آدمی
تھا جسکی ایک لڑکی بالغہ موجود تھی اس نیک آدمی کی اجل آگئی لڑکی رونے پیٹنے لگی کہ مجھے کس کے حوالہ کرکے جاتے
ہو ہائے ہائے میں کیا کروں کی کسطرح گذارہ کرونگی اسی اثنا میں وہ نیک مرد کلمہ پڑھتا ہوا اٹھ بیٹھا اور
لڑکی کو تسلی دیکر کہا اچھا بیٹی ابھی نہیں مرتا ہوں۔ اگر تو راضی نہیں ہوتی تو میں نہیں مرتا۔ پھر اس لڑکی کا

کسی سے نکاح کر دیا۔ ان دنوں بعہد سلطنت رنجیت سنگھ دیوان صاحب سجادہ نشین پاک پتن اس علاقہ کا اجارہ دار تھا اور اجارہ کی رقم کثیر خسارہ میں تھی۔ ملازمان سرکاری کیطرف سے سخت تقاضا تھا حتیٰ کہ بعض اہلکاران دیوان صاحب مقید تھے۔ اس نیک مرد کی کرامت کا چرچا عام تھا دیوان صاحب نے دعا کی درخواست کی اس درویش نے کہا دو باتوں کا وعدہ کرو تو میں دعا کرتا ہوں۔ ایک یہ کہ آباد چاہ معہ اراضی متعلقہ میرے داماد کے تملیک کر دیں اور دوسرا یہ کہ مرنے کے بعد میری قبر حضرت گنج شکر رضی اللہ عنہ کے دروازہ بنا کر بے نشان اور ملیامیٹ کر دیں تاکہ کسی کو تکلیف نہ ہو دیوان صاحب نے وعدہ فرمایا خدا تعالے کے فضل سے اجارہ کا خسارہ معاف ہو گیا اور اہلکار رہا ہو کر آگئے دیوان صاحب نے ایک چاہ معہ اراضی درویش کے داماد کے حوالہ کر دیا بعدہ فقیر نے اپنی لڑکی سے کہا اب تیرا بیاہ کر دیا۔ اور وجہ معاش بھی ہو گئی ہے راضی ہو جاؤ کہ میں مر جاؤں کیونکہ اب میں تنگ ہوں اور مجھے تکلیف ہوتی ہے پھر وہ رونے لگی آخر اسکو راضی کر کے ملّا کو بلایا اور اور کہا کہ مرنے والے کے سرہانے جو کچھ پڑھا کرتے ہو پڑھو خود چادر اوڑھ کر لیٹ گیا جب ملّا نے سورۃ یٰسین ختم کر کے دیکھا تو جان تن سے چکا تھا موعودہ جگہ پر قبر پائی لیکن بے نشان ہے سب لوگ اوپر چلتے پھرتے ہیں۔

(۵) اسکے بعد فرمایا کہ حضرت قبلہ عالم مہاروی صاحب رضی اللہ عنہ کے مریدان میں سے ایک شخص عارف شاہ نامی تھا جسکو عارف شاہ چرخی والا کہتے تھے سفر میں وہ حضرت قبلہ عالم صاحبؒ کے گھوڑے کے آگے آگے دوڑا کیا کرتا تھا۔ اسکی عادت تھی کہ رستہ میں جاتے جاتے کبھی پھر کر حضرت کی طرف دیکھتا تھا اور نعرہ مار کر بے ہوش ہو جاتا تھا دو تین گھنٹہ تک اسی حال میں پڑا رہتا تھا بڑا عاشق تھا۔ جب اسکو کبھی اکیلا کسی طرف جانے کا اتفاق ہوتا تھا اور کوئی شخص راستہ میں مل جاتا تو اس سے پوچھتا کہ تم نے (حضرت قبلہ عالم صاحب طرف اشارہ کر کے) اس شخص کو دیکھا ہے اگر وہ راہرو کہتا کہ ہاں میں نے دیکھا ہے تو پھر پوچھتا کہ اسکی آنکھیں بھی دیکھی ہیں۔ یہ کہکر نعرہ مار کر بے ہوش ہو جاتا تھا۔ اس عارف شاہ کی قبر مہاراں شریف اور پاک پتن کے راستہ میں ہے ایک دفعہ شمس العارفین حضرت خواجہ محمد سلیمان علیہ الرحمۃ اسکی قبر پر فاتحہ پڑھنے کیلئے تشریف لے گئے صاحبزادگان مہاروی ہمرکاب تھے مگر خواجہ صاحب نے صاحبزادہ صاحبان کو قبر پر جانے سے روک دیا اور بعدہ فاتحہ خوانی کے واپس آکر فرمایا کہ یہ شخص ایسا عاشق اور دلیر ہے کہ اگر چاہے تو اپنے پیر کی اولاد کی تعظیم کے لئے قبر سے نکل آوے تو کر سکتا ہے اسلئے آپ کو اسکی قبر پر نہیں جانا چاہیئے تاکہ پردہ شریعت قائم رہے

(۶) ۲۰ ماہ صفر سنہ ۱۳۱۲ھ روز پنجشنبہ علے الصباح بعد تلاوت دلائل الخیرات نذر معین کا ذکر ہوا حضرت خواجہ صاحب

نے فرمایا کہ اول تو چاہیئے کہ نذر مقرر نہ کرے اگر کرے تو کماحقہ ادا کرے ورنہ نقصان ہوتا ہے چند حکایات ارشاد فرمائیں۔ ایک شخص احمد ولد سرفراز ننگوانی سکنہ ہیرو نے نذر مقرر کی کہ میرا بیٹا پیدا ہو تو گھوڑا انقری ساز کے ساتھ لنگر میں دونگا خدا تعالیٰ کے فضل سے اسکا بیٹا پیدا ہوا نذر کا ادا کرنا اسے گراں معلوم ہوا نذر کا عوضانہ مبلغ ساٹھ روپے بھیج دیئے حضرت کریم قدس سرہ العزیز ناخوشنود ہو کر روپے واپس کئے چند روز بعد لڑکا مر گیا۔ دوسرا ایک شخص جہانیاں نام جاٹ بہت دولتمند آدمی تھا اسکی عورت اطلس کا پاجامہ پہنتی تھی اسنے کسی مطلب کیلئے پانچ سو روپیہ نذر مقرر کی مگر مطلب براری کے بعد ادائے نذر گراں گذری آخر ایسا برباد ہوا کہ ہوس ہزار گھماؤں اراضی میں سے بمشکل ۲۰-۲۵ گھماؤں بچ گئے۔ دیگر غلام حیدر خان تمندار سوری لنڈ نے نذر کی کہ میرے علاقہ میں سرکار کی طرف سے میرے لئے بٹائی مقرر ہو جاوے چنانچہ ویسا ہی ہوا اس نے نذر ادا کر دی چنانچہ بہت پشتوں سے اسکی بٹائی جاری ہے اگرچہ احمد خان تمندار کے عہد میں لوگوں نے اسکے برخلاف تنسیخ بٹائی کے لئے لاہور تک درخواستیں کرکے چارجوئی کی مگر منسوخ نہیں ہوئی حضور حضرت کریم قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ غلام حیدر نے یہ بٹائی قیمت سے خریدی ہے دیدہ باید۔ البتہ سابقہ تمنداران رعایا پر بٹائی کے بارہ میں ظلم کم کرتے تھے لیکن اب بہت ہی ظلم شروع ہو گیا ہے اور خدا تعالیٰ کو اپنی مخلوق بہت عزیز ہے۔ دیگر سردار خان ننگوانی سکنہ ہیرو بخدمت حضرت خواجہ خیر محمد صاحبؒ ایک یا دو بار گندم ہر سال نذر کیا کرتا تھا ایک دفعہ علاقہ سنگھڑ میں گندم کی پیداوار کم ہوئی سردار خان نے اسیقدر جوار بھیجدی حضرت خواجہ صاحب موصوف نے غلہ جوار واپس کر دیا اور فرمایا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ گندم عطا فرما دیگا سردار جوار خود کھاوے۔ اس تاریخ سے سردار خان کو عارضہ ذیابیطس لاحق ہوا حسب ایمائے اطبا ہمیشہ جوار کھانے پر مجبور ہوا کیونکہ اگر گندم کھاتا تھا تو زیادہ بیمار ہو جاتا تھا حتےٰ کہ مسافری میں لاہور یا ملتان وغیرہ جہاں جاتا جوار کا آٹا ہمراہ لے جاتا کہ وہاں نایاب ہے اسی موقعہ پر سید احمد شاہ سکنہ اندر پہاڑ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ فقیر بیس ہزار روپیہ سالانہ جاگیرات ملتان والہ کے محصول کی بابت سرکار میں ادا کرتا ہے اور غلہ کا خرچ ۶۰ پتھ گندم اور ۶۰ پتھ جوار باجرہ نخود کاہی

(۷) ایک روز حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ شعر پڑھا۔

ولم بید بد وقت وقت ایں امید	کہ حق شرم دارد ز موئے سفید

ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ بھی اس موئے سفید سے شرم کرتا ہے جس موئے سفید والا حق تعالیٰ سے شرم کرکے گناہ سے باز رہے ورنہ جو شخص باوجود موئے سفید گناہوں میں مصروف ہو وہ زیادہ عذاب کے لائق ہے۔ (۸) ایک دفعہ

بوجہ قرب امتحان مدرسہ عاصی در محمد آرائیں مدرس تونسہ شریف غفلت کے سبب چند روز مدرسہ کے کام میں زیادہ سرگرم رہتا اور دربار معلے میں حاضری معتاد سے کم ہوگئی۔ بعد نماز شام جب عاصی مشرف خدمت اشرف ہوا تو از راہ شفقت مخاطب فرما کر تنبیہاً فرمایا۔

کہ ہر نماز بحقیقت قضا بود لاکن	زمان صحبت ما را قضا نخواہد بود

پھر فرمایا کہ درود شریف کا بھی یہی حال ہے اگر کوئی شخص آنحضرت صلعم کا اسم مبارک پڑھے یا سنے تو لازم ہے کہ درود پڑھے اگر اسوقت نہ پڑھا تو اسکے ذمہ باقی رہتا ہے۔ (۹) ایک روز عربی شعر پڑھکر ارشاد فرمایا کہ باد بہاری اجسام حیوانات پر بھی وہی اثر کرتی ہے جو نباتات پر ہوتا ہے۔ (۱۰) ۲۴ رجب ۱۲۹۲ھ بوقت ظہر عاصی در محمد آرائیں کو مخاطب فرما کر ارشاد کیا کہ حضرت شیخ فریدالدین گنجشکر رح بغرض بیعت و تلاش مرشد بخدمت حضرت شیخ شہاب الدین صاحب سہروردی حاضر ہوئے تو شیخ صاحب نے فرمایا بابا فریدالدین سلوک کو کس درجہ تک پہنچایا ہے۔ بابا صاحب نے عرض کیا کہ اگر اس کرسی کو کہوں کہ اڑجا تو اڑجاویگی۔ بوقت حضرت شیخ صاحب کرسی پر جلوہ افروز تھے جونہی بابا صاحب نے تذکرۃً فرمایا کہ اگر کرسی کو کہوں اڑجا۔ اس لفظ پر کرسی معہ شیخ صاحب ہوا میں اڑگئی جب قدرے ہوا میں گئی تو شیخ صاحب اُسے نیچے لے آئے اور فرمایا کہ فریدالدین آپ کسی اور جگہ جاویں بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا آپ دہلی میں بخدمت حضرت خواجہ بختیار کاکی صاحب رح جاویں۔ القصہ جب بابا صاحب بخدمت حضرت خواجہ بختیار کاکی صاحب رح مشرف ہوئے تو ایک دن خواجہ صاحب رح نے فرمایا فریدالدین آفتابہ بیار۔ یعنے کوزہ لے آؤ۔ بابا صاحب نے ہر چند زور لگایا کوزہ زمین سے نہ اٹھایا گیا۔ خواجہ صاحب رح نے فرمایا۔ ایں کرسی شہاب الدین نیست آفتابہ قطب الدین است بیار بیار کے لفظ پر کوزہ اٹھایا گیا اور آپ لے آئے۔ (۱۱) شوال ۱۲۹۳ھ میں حضرت خواجہ صاحب رح نے ایک روز فرمایا کہ آسائش جسم قلت طعام میں ہے اور روح کی آسائش ترک انتقام میں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور تسلیم کے درجہ میں پہنچ گئے تھے۔ اور دیگر روئداد و کاروبار سے بھی یہی مفہوم ہوتا تھا۔ بہت سی باتیں اسکی شاہد ہیں (۱۲) ایک روز یہ قصہ ارشاد فرمایا۔ سکھوں کے عہد حکومت میں عزت نام ایک طوائف تھی اس نے ایک پٹھان خان کے ساتھ نکاح کرلیا تھا۔ جو ضلع مظفرگڈھ میں حاکم تھا اور عزت مذکور حضرت خواجہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کی دامن گرفتہ تھی کسی قصور کے سبب خان مذکور کو سکھوں نے لاہور میں قید کردیا اور تمام جائداد قرق کرلی۔ جب حضرت غریب نواز تہاراں شریف کے سفر میں اس راستہ سے گذرے اور کسی گاؤں میں مسجد میں قیام فرمایا عزت مذکور نے قدمبوس ہوکر حالت عرض کی حضرت خواجہ صاحب رح نے

دعائے خیر کیلئے ہاتھ اٹھائے۔ عزت نے عرض کیا میں سرسری دعائے خیر نہیں چاہتی۔ اور غزلیات دیوان حافظ شروع سے نہایت خوش الحانی کے ساتھ گانا شروع کیا حضرت صاحبؒ نے فرمایا۔ چپ رہ زنکہ چپے وملاں آویگے اور مجھے اور تجھے مار کر مسجد سے نکال دینگے۔ مگر وہ چپ نہ ہوئی۔ حضرت صاحبؒ کی عادت مبارک تھی کہ جب دیکھتے کہ آثار وجد طاری ہوتے ہیں تو نسوار کی چٹکی پر چٹکی متواتر چڑھاتے جاتے تاکہ سکر نہ ہو اور محرم لوگ اس بات سے واقف تھے آخر حضور نسوار کی چٹکی متواتر چڑھانے لگے اور ارشاد فرمایا کہ زن کیا چاہتی ہو۔ مائی عزت نے عرض کیا کہ میرا خان اسی عزت و مرتبہ عہدہ و جائداد کے ساتھ واپس آوے۔ حضرت نے فرمایا آویگا۔ اور کیا چاہتی ہو۔ عرض کیا کہ کل قیامت کے دن میں تیرے کنیزوں سے ہوں۔ فرمایا۔ ایسا ہی ہوگا پھر وہ سلام کرکے اٹھ کر چلی گئی۔ حاضرین نے اس واقعہ کی تاریخ اور وقت کی یادداشت لکھ لی۔ چند روز کے بعد معلوم ہوا کہ اسی روز اسیوقت راجہ رنجیت سنگھ والی پنجاب نے حکم دیا کہ فلاں خان کو قید خانہ سے لے آؤ خلعت فاخرہ وعہدہ سابقہ اور فوج عنایت کی۔ خان نے عرض کیا میری جائداد سرکار میں داخل ہے۔ فوج کی تنخواہ اور خرچ کہاں سے لاؤنگا راجہ نے بہت سا روپیہ بھی دیدیا اور خان اسی آن بان سے گھر آگیا۔

آم و تربوز کا مناظرہ

حضرت چراغ تونسوی کو علم ادب سے خاص دلچسپی تھی۔ چنانچہ شعرائے اردو میں سے آپ کو غالب کا کلام بہت پسند تھا۔ اور دیوان غالب کی ایک نفیس جلد توشہ خانہ میں موجود رہتی تھی۔ غالب کے ادق اور بلیغ کلام کو آپ خود شوق سے پڑھتے۔ اور اسکی بلند پروازی۔ اور اجتماع ضدین کی صنعت جو تقریباً ہر شعر سے نمودار اور عیاں ہے۔ بڑے غور سے ملاحظہ کرتے۔ اور چند شعر اعلیٰ پایہ کے آپ کو یاد ہو گئے تھے۔ جو اثنائے تحریر و تقریر میں نہایت برمحل استعمال کئے جاتے۔ اور ایک عجیب واقعہ یہ ہے کہ جب آپ دہلی تشریف لے گئے تو حضرت محبوب الٰہی کی خانقاہ پر فرمایا۔ کہ غالب کی قبر میں خود شناخت کرونگا۔ یہ ایک روحانی تعلق اور محبت تھی۔ گو غالب رند مشرب ہو۔ مگر شعر و سخن کے لحاظ سے اسکا پایہ بہت بلند ہے۔ اور ہمارا تو پختہ خیال ہے کہ اخیر عمر میں ہر فعل منکر سے اُس نے توبہ کی ہوگی۔ ورنہ کلام کو ایسی قبولیت کہاں سے نصیب! یا حضرت محبوب الٰہی کے زیر سایہ آجانے کا اثر ہے۔ بہرحال آپ کو غالب سے الفت تھی۔ اور اس کے کلام سے محبت انگیز شغف۔ اس ناچیز نے آم و تربوز کا مناظرہ لکھا۔ یہ اشعار بالکل معمولی ہیں۔ اور انکی حقیقت مولف کو خود معلوم ہے۔ مگر بہر بات کا موقع ہوتا ہے۔ موسم آموں کا تھا۔ کوئی مصرع دربار میں پسند آیا۔ اس پر آپ نے

حسبِ ذیل سرفراز نامہ ارقام فرمایا۔ جو میرے پاس حرزِ جان بنانے کے واسطے موجود رہیگا۔ ؎ میرے شعر یہ تھے

ایک دن آم سے تربوز نے کی یہ گفتار — تو میرے رتبۂ عالی کو نہ پہنچے زنہار
رنگ ہے زرد ترا صورت و شکل بیمار — عام ہے نام ترا خاصوں میں ہونا دشوار
کھال کے نیچے ترے بال خلافِ نیچر (فطرت) — اوپر ہر شاخ کے رہتا ہے تو پنہاں بیکار
ہے تو چھوٹا سا مگر دل کا بہت کھوٹا ہے — اک تولے کی تو رس نکلے ہے باقی بیکار
بھوک بھوکے کی نہ تو گا ہے مٹا سکتا ہے — پیاس پیاسے کی بجھائی کبھی تو نے اک بار؟
آم نے لاف سنی غصہ سے فوراً پٹکا — بولا تربوز سے اے میرا پیارا مٹکا
تو گھڑا آب کا ہے میں ہوں ملا سونے کا — قدر و قیمت میں نہ تو میرے برابر ہوگا
مجھ کو غالب نے ہر اک میوے سے غالب پایا — کیونکہ ہر شخص میرا ذوق سے طالب پایا
پوچھ تو شاہ جہانگیر سے میرا رتبہ — پوچھ تو خانِ الٰہ بخش سے میرا درجہ
ہے سفیدا مرا دنیا میں نہایت مشہور — میرا لنگڑا بھی ہے عالم میں مثالِ تیمور
قدر و قیمت نہ بڑائی پہ ہے ہرگز نادان — لاکھ تربوز ہوں اک آم پہ کر دوں قربان

سرفراز نامہ حسبِ ذیل ہے۔ تونسہ ۲۴-۶-۲۲ جون میرے پیارے خانصاحب عزّزک اللہ تعالیٰ۔ وعلیکم السلام میں یہ معلوم کرکے کہ آپ آجکل میووں کے استعمال سے محظوظ ہیں۔ بہت ہی خوش ہوا ہوں اللہ تعالےٰ جنت الفردوس کے نعم لازوال سے بہرہ ور فرماوے۔ آمین۔ مناظرہ آم و تربوز کا سنا گیا دونوں نے اپنی اپنی خوبیاں اور دوسرے کی برائیاں بیان اچھی طرح سے کیں۔ اور میرے دوست بھی غالب کے طرفدار ہیں جیسے آجکل عام دستور ہے۔ کہ ہر شخص غالب کی طرفداری کرتا ہے۔ مگر ہے یہ عام دستور۔ ؎

جو خاص بندہ ہیں وہ بندۂ عوام نہیں — ہزار بار جو یوسف بکے غلام نہیں

اتنا عرض کر دینا نامناسب نہ ہوگا۔ کہ آم کے ابتدائی لفظ میں عامی ہے اور تربوز کے نام کی ابتدا سے تراوت و تازگی ٹپکتی ہے۔ خاص کر رنگت بہشتی سبزی ہے۔ اور پیلا پن بیماری پر دال ہے۔ ہاں صفراوی رنگ بھی تسرُّ النّاظرین (اشارہ ہے آیۂ کریمہ کی طرف صفراء فاقع لونہا تسر الناظرین) ہے۔ مگر وہ دوسری زردی ہے نہ کہ آم والی۔ بھائی صاحب۔ دونو اللہ کی پیدائش ہیں۔ اور طبیعت میں ایک دوسرے کے مخالف قدرۃً ایک گرم اور خاصہ گرم دوسرا سرد اور نرالا سرد۔ البتہ موسم دوسرے کا موید ہے خاص کر جناب کے قریب میں

دونو ہیں۔ مگر تربوز اعلےٰ اور آم معمولی ہاں دونو کے مخالف۔ البتہ آموں کا ضرر تربوز سے دفع ہو سکتا ہے۔ اور تربوز کا ضرر اگر پیدا ہو جاوے۔ تو آم بچارا اسکو دفع کرہی نہیں سکتا۔ یہ ہے تجربہ والعلم عند اللہ۔

حضرت کے مخصوص کارنامے

میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ کہ حضرت چراغ تونسوی کی خوش اخلاقی ہی سب سے اعلیٰ جوہر تھا۔ جو انہیں نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ دیگر اقوام میں بھی ممتاز درجہ عطا کرتی ہے۔ دوسرے حضرت موصوف کی محبت نماز تھی جو آخری دم تک ظہور پذیر ہوئی۔ اور یہی وہ اعلیٰ صفت ہے۔ جو انسان کو ایک خاص فضیلت عطا کرتی ہے آپ کو حکما اور ڈاکٹر منع کرتے۔ کہ آپ ایک جگہ پلنگ پر لیٹے رہیں اور آپ کا پلنگ نماز کیوقت اپنی جگہ سے نہ اٹھایا جاوے۔ مگر آپ نے ہرگز نہ مانا۔ تاکہ نماز باجماعت کے ثواب سے محروم نہ ہوں۔ یہی وہ صفت ہے جو قرون اولے کے مسلمانوں میں میدان جنگ میں کہ تیروں کی بوچھاڑ ہو رہی ہے۔ برابر نمودار ہوتی تھی حضرت غریب نواز نے خواہ سفر میں ہوں خواہ مقام پر سمندر میں ہوں۔ یا خشکی پر۔ نماز کو باجماعت کبھی قضا نہ کیا۔ اور یہی کیفیت روزوں کی تھی۔ ایک سال بوجہ بیماری کئی یوم بہ ہدایت حکیم اجمل خان روزے نہ رکھے پھر ان کی قضا اور بعد میں گی ہیں اگرچہ بہت تکلیف محسوس ہوئی۔ مگر قرض ادا کرکے چھوڑا۔ اور اسوقت تک آرام نہ پایا۔ جب تک یہ فرض ادا نہ ہوا۔ چنانچہ ایک نوازشنامہ میں حسب ذیل عبارت درج ہے۔ میری صحت پہلے سے کسی قدر اچھی ہے۔ مگر بسبب قضائے صیام پارسالہ کے البتہ ضعف اور کمزوری کچھ زیادہ ہوگئی ہے۔ آج ستائیسواں روزہ انشاء اللہ ادا ہوگا۔ باقی صرف تین رہ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ادا کرنے کی توفیق بخشے۔ پہلے میرا ارادہ تھا۔ کہ روزہ بالاقساط ادا کروں۔ مگر آنے والے رمضان سے ڈر کر یکمشت ادا کر رہے ہیں۔ قبولیت کے لئے ذات باری سے دعا طلب فرماویں۔ (تاریخ رجب ۱۷ جنوری ۱۱ صبح ا بجے کشتی میں بحالت سفر)

عالی شان مسجد کی تیاری

حضرت چراغ تونسوی کے مخصوص کارناموں میں تونسہ شریف میں ایک عالی شان مسجد کا تیار کرانا ہے حضرت ممدوح ہمیشہ جھگڑوں اور فساد سے علیحدہ رہے ہے۔ چنانچہ جب آپ کو تونسہ شریف میں از حد تکلیف دی گئی مثلاً کئی دفعہ آپ جامع مسجد میں نماز میں مصروف ہیں۔ کہ فتنہ پردازوں نے آزار پہنچانا چاہا۔ ایک دفعہ عرس شریف کے موقع پر فساد ہوتا ہوتا بچ گیا۔ خیر ہم اس سلسلہ کو طولانی کرنا نہیں چاہتے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب آپ نے

دیکھا۔ کہ جامع مسجد میں فریضہ نماز ادا کرنے سے روکا جاتا ہے۔ تو آپ نے محض امن پسند ہونیکی وجہ سے مسجد کی تیاری کا حکم دیا۔ اس پاک ارادہ کی ہر جگہ تعریف ہوئی۔ بلکہ آپ لکھتے تھے۔ کہ ہمکو چند سال پہلے یہ خیال آتا تو کیوں ناگوار واقعات سننے یا دیکھنے میں آتے۔ اگرچہ اس خانہ خدا پر ہزاروں روپے کا خرچ ہوا۔ کیونکہ جگہ کی ناہمواری اور پھر اس میں بھراؤ۔ بڑا بھاری کام تھا۔ مگر اس شیر مرد جوان ہمت نے جس کام کو شروع کیا اسمیں کیا دیر تھی۔ حوض عالی شان تیار ہوا۔ مسجد بھی جامع مسجد آستانہ کا نمونہ تیار ہوئی ہے۔ آپ کا ارادہ تھا کہ جانب جنوب کچھ اور اراضی مل جاوے۔ تو صحن اس سے بھی زیادہ وسیع کیا جاوے۔ مگر جن لوگوں کی زمین تھی وہ دینے پر راضی نہ ہوئے۔ اور حضرت چراغ تونسوی کسی پر جبر نہ کرنا چاہتے تھے۔ پھر بھی یہ مسجد بہت وسیع ہے عرس شریف کے موقع پر ایک مسجد میں لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی۔ اب دو مسجدوں کے ہونے سے طرح طرح ادائے فرض میں سہولت ہوگی۔ شاعران فصیح البیان اور مورخین نکتہ شناس نے اس مسجد کے متعلق بہت سی تواریخ قلمبند کی ہیں۔ جو اگر تمام و کمال لکھی جاویں۔ تو اس مختصر کتاب میں کہاں گنجائش ہے۔ بہر حال چند تاریخیں درج کی جاتی ہیں۔

قطعہ تاریخ مسجد محمودی

از جناب زبدۃ الحکما عمدۃ الفضلا حکیم احمد صاحب ملتانی تونسوی

قد بنیٰ محمود نا باب الرضا	ربنا ھیئ لہ خیر الجزا
حبذا ھذا المقام والبنا	حبذا ھذا الفضاء والفنا
ادخلوھا للصلوٰۃ والدعا	عجلوا وقت النداء للادا
ربنا افتح لنا باب الرضا	والصلاح والفلاح دائما
قلت ما تاریخہ جاء الندا	ربنا بارک لنا ھذا البنا

دیگر

درمسجد خواجہ خواجگاں	چو مسجد و کردند بر ساجداں	زاں خواجہ محمود عالی مقام	بنا کرد مسجد بصد اہتمام
ز تاریخ مسجد چو کردم خیال	ز روئے حساب تا بل کمال	خرد از سر داد داد ایں ندا	چہ فخر المساجد مبارک بنا

سنہ ۱۳۴۷ — ۱۳۴۷

(از مولینا معلوم الاسم صاحب)

قد انقلب الزمان وعم شرورہا	و تخلف الحق انتشر الشرور ثم
ازیں موجب جناب خواجہ محمود	ہمیں مسجد بنا از شوق فرمود
کہ تا از فتنہ و آشوب ایام	دریں بیت المحرم یابند آرام

(چند شعر ترک کیے)

بتاریخ وے ایں طور رمز عطا شد — کہ بہر مغفور شد مسجد بنا شد ۱۳۴۴

دقا ۱۲ اللہ عبا کا دخیرا ۱۳۴۴ — واعطی ربہ بالنفع خیرا ۱۳۴۴

جب یہ تاریخ حضرت خواجہ غریب نواز چراغ تونسوی نے استماع فرمائی۔ تو حضور نے فرمایا۔ کہ مغفور کا لفظ موزون نہیں ہے۔ ارشاد ہوا۔ کہ اس کی جگہ کوئی اور لفظ ڈالا جاوے۔ مگر انکی وفات حسرت آیات نے اسپر مزید طبع آزمائی کو ملتوی کر دیا۔ آہ صد آہ۔ ازمولینا مولوی صالح محمد صاحب (خلف الرشید حکیم احمد صاحب ملتانی)

نظیر مسجد مکہ ہے یا ہے۔ — نظیر مسجد بیت المقدس — دیگر

چونکہ در مسجد حریم کریم
از سر صدق خواجۂ محمود
باز باشش لئے در اجابت حق
سال تعمیر او چو فکر نمود

منع کردند از ادائے سجود
لے اساس عبادت عالم
پیش ہر طالب رہِ مقصود
مستِ جام مے طرب ہاتف

چہ عجب مسجدے بنا کردہ
باشش معمور از رکوع و سجود
صالح عاصی محو حیرت ماند
وہ عجیب خانۂ خدا فرمود ۱۳۴۴

مولوی صالح محمد صاحب لکھتے ہیں۔ کہ حضرت اعلےٰ خواجہ محمد سلیمان رح کی مسجد کا مادہ تاریخ میرے جد امجد نے خانہ خدا تلاش کیا تھا۔ پوتے نے پوتے کی مسجد پر وہ عجب کے تعریفی کلمات بڑھا دیے" — دیگر منہ

پریشان روز میں اک رات سویا
میری وجہ پریشانی کو پوچھا
ملائک جس کی خاکپا کو چومیں
تمہاری پست نظروں کو ہے دھوکا
میرا محمود میں محمود کا ہوں
اور مرتبہ دست محمودی کو بخشا

حضور حضرت اعلےٰ میں پہنچا
ادب سے عرض کی ای بحر رحمت
اسے اپنے در مسجد سے روکا
رسولؐ پاک نے چاہا کہ مسجد
مرا ہے اس کا سب مال و زر کر
حریم پاک کی مسجد یہی ہے

عنایت سے لطافت سے کرم سے
تماشا تیری محفل میں ہے کیا کیا
گہر افشاں ہوئے لے ابن احمد
بنے مال و زر کے سے سراپا
مرے لنگر سے یہ مسجد بنی ہے
مجھے یاؤ گے گر ڈھونڈو گے اس جا

قطعات — مبارک باد دو اہل زمین کو — نظیر مسجد مکہ ہے۔ کہدو — تاریخ

(از نتیجۂ افکار محمود خانصاحب ہوتانی زمیندار تونسہ شریف)

صد شکر کہ ایں مسجد ربانی محمود — شد ساختہ با طاقت روحانی محمود
زیں جلوہ گہ حضرت رحمانی محمود — ہر جائے شدہ نور درخشانی محمود
زیں منبع فیضان سلیمانی محمود — بر ارض و سما بودہ ثنا خوانی محمود

مشتاق شد آفاق بدر بانی محمود — وہ نیک عجب طالع پیشانی محمود

تاریخ بنایش بہ ادب گفت سروشے — مقبول شد این مسجد الثانی محمود

۱۳۴۲ھ

منہ

مسجد عالی زعالی ہمتے — چوں تمام آمد با ثار عروج

ہاتفے تاریخش از قرآن کریم — گفت با قاب ادب ذات البروج ۱۳۴۲ھ

دیگر منہ

مبارک سال تاریخش بگوشم — سروشے گفت ملجاء غریباں ۱۳۴۶ھ

دیگر

چو با امام زماں حکم کردگار رسید — ابنائے مسجدے ازوے باقتدار رسید

خطاب رحمت و خوشنودی از خدائے کریم — بگوشش حضرت بانی کامگار رسید

خسر دچو باسر ملکت بجست تاریخش — دیگر منہ ہزار و سہ صد و چہل ہفت در شمار رسید ۱۳۴۷

واہ زائع الثلاث ۱۳۴۶

قطب آفاق و جان جاں محمود — مخزن علم و بحر جود و شہود — از سر صدق و با فراخ دلی

مسجدے ساخت از پے معبود — سال تاریخ او چہ خوش لحمد ۱۲ — یافتم خانۂ خدا محمود ۱۳۴۷

دیگر — منہ

مقتدائے زمانہ پاک نسبت — مرشد عاصیان خجستہ لقب — بہر خوشنودی خدا و رسول ع

مسجدے ساخت بصدق و ادب — سیزدہ صد ہفت و چہل سن بود — چوں شد آغاز او بماہ رجب

سال تاریخ مسجد محمود — ہاتف از غیب مظہر رب ۱۳۴۷ — دیگر منہ

مظہر محمودیت فرخندہ نام — برگزیدہ حضرت خیر الانام — عارف کامل شہنشاہ کرام

قبلہ گاہ ما ابو خواجہ نظام — مسجدے ہمچوں بہشت آراستہ — اندریں دوراں باخلاص تمام

ربنائیت بہ اسد اسنا — للسجود و القعود و القیام — سال تاریخش نوشتم ایں چنیں

وہ عجب چہ ثانی بیت الحرام ۱۳۴۷ — دیگر منہ

خضر صورت خواجۂ محمود ما — مقبلاں را پیشوا و عاجزاں را بینا — مسجدے با صدق دل کردہ بنا

حبذا الصفیانہ کشف الدجے — مژدہ باد اے عابداں بے ریا — اسّس بنیانہ بالاہتدا

سال تاریخ بنایش از سما — گفت ہاتف خانۂ نیکو خدا ۱۳۴۷ — نیاز مند مؤلف نے بھی نیکو خانہ

خدا سے تاریخ اخذ کی۔ یہ توارد بھی قابل اظہار ہے۔ تاریخ مسجد جدید آباد

بنیٰ قطب الوریٰ للّٰہ بیتا ۔ — بنی اللّٰہ لہٗ بیتاً منیرا

واداه وایده بنصر	واتی ربه اجرا کبیرا
هو الله یعز من یشاء	وکان الله سلطانا نصیرا
لسان الغیب للتاریخ نادے	واعطی ربه خیرا کبیرا ١٣٤٧

نوٹ: عام طور پر اجرا عظیما استعمال ہوتا ہے گو اگرچہ محاورہ خیر کثیرا استعمال ہوتا ہی۔ مگر مادہ تاریخ کیواسطے اسقدر سقم قابل گرفت نہیں

باز باد این باب رحمت بھر دین	دیگر منہ تا قیامت یا اله العالمین
ہاتفے تاریخ باب رحمتی	گفت بابِ ادخلوها خالدین

دیگر فی العربی	چون امام زمانہ نیک سرشت	کرد از آسمان نزول بہشت	
	آمد از آسمان ہمیں آواز	شد دخول ورش دخول بہشت ١٣٤٧	فی العربی

اسس مسجد اعلى التقوى	صبغة الله مرشد الملة
وجه محرابه لوجه الله	مثله ما رایت فی الجنة
زینت افزوده اش بنقش طلا	اکرم الخلق اکمل الجلة
انفق المال فی سبیل الله	خوب آراست عالی الہمۃ
سال تاریخ او شدید قوی	باسر الہام گفت ذو مرة ١٣٤٧

از خاکسار بلوچ مؤلف

چون بناشد به شہر تونسہ شریف	مسجدے سہل کشا ز فضل خدا
سال تاریخ او خرد گفتا	مسجد شاندار و شرف فزاے

سنگھڑ میں از لطف خدا	مسجد بنی ہے دلکشا	دیگر بانی کو ہے صد آفریں	اور مرحبا صد مرحبا ١٣٤٧
تھی جستجو تاریخ کی۔	بولے ملک مل علے	کیا خوب ہی تاریخ ہے	لاریب مسجد خوشنما ١٣٤٧
خواجہ محمود ہست مرشد ما	کرد تعمیر مسجد زیبا	دیگر سال تاریخ او نوشت بلوچ	کعبۃ اللہ ثانی قبلہ نما ١٣٤٧

دیگر مادہ ہائے تاریخ از مؤلف

نیکو خانۂ خدا ١٣٤٧ - عجوبۂ خانۂ خدا ١٣٤٧ - یادگار تونسہ شریف ١٣٤٧ - مقام رفیع ذوالجلال ١٣٤٧ - مستقر رب القدیر ١٣٤٧

بنائے ہمایون بے نظیر

١٣٤٧

ملتان سے صندوق کی روانگی

یعنی شب ۲۳ و ۲۴ شوال ۱۳۴۱ھ مطابق ۵-۶ مارچ ۱۹۲۳ء حضور پرنور کا تابوت ملتان سے تونسہ شریف لے جانے کی خبر تمام اقطاع عالم میں برقی رو کی طرح پھیل گئی۔ یہ ناچیز بھی اپنے نشیمن سے نکلا۔ اور ۵ مارچ کو پیلی گاڑی کے ذریعہ سے عازم ملتان ہوا۔ گاڑی میں قدم رکھا۔ تو بیشمار مخلوق کو تونسہ شریف اور ملتان کا ہم سفر پایا۔ جب گاڑی کوٹ سلطان پہنچی۔ بلا مبالغہ عرس کے برابر لوگ اترے۔ میں حیران تھا کہ ان سب لوگوں کو اطلاع کیسی مل گئی آخر یہ نیاز مند ملتان چھاونی اترا۔ اور رہائش کا انتظام کرکے حافظ الحاج جمال اللہ صاحب قدس سرہ العزیز میں پہنچا۔ کیا دیکھتا ہوں۔ کہ ایک مسقف دالان کے نیچے سینکڑوں حافظ قرآن جمع ہیں۔ ختم پڑھ رہے ہیں۔ بیشمار لوگ اطراف و جوانب سے حضرت محمود عالم رحم کی زیارت کو حاضر ہیں۔ بعض اصحاب بے خود ہو کر جھوم رہے ہیں۔ اور بعض آنکھوں سے دریا بہا رہے ہیں۔ اللہ اللہ کیا جلال ہے۔ خانقاہ جمالیہ پر ایک خاص جمال ہے دن کا اکثر حصہ وہاں گذارا۔ پھر حضرت صاحبزادہ صاحب کے دیدار فرحت آثار کیواسطے نواب صاحب کے بنگلہ پر آیا۔ دیکھا کہ دور دور سے اصحاب آئے ہوئے ہیں۔ کوئی پشاور سے کوئی دہلی سے کوئی بہاولپور سے۔ کوئی بہار شریف سے غرضیکہ جسے دیکھا۔ آنسو بہاتے پایا۔ رات کو ہم نے ارادہ کیا۔ کہ آج اس عاشق رسول ؐ کے قدموں میں تمام شب گذار دینگے چنانچہ ۸ بجے آفتابہ و گلاس لیکر عازم خانقاہ ہوئے۔ برادرم فتح محمد خان اور حاجی محمد اعظم خان سوداگر چرم ملتان بھی ساتھ تھے۔ خانقاہ مبارک پر کچھ عجیب بہار تھی۔ گویا دن چڑھا ہوا تھا۔ قاری اور حافظ اپنی قرات اور قرآن خوانی میں مصروف تھے۔ بعض اصحاب کی بےتابی دیکھی نہ جاتی تھی۔ ہر ایک اس برگزیدہ خدا کے اوپر جان و دل نثار کر رہا تھا۔ ہم بھی پائنتی بیٹھ گئے اور اوراد و وظائف میں مصروف ہوئے۔ ۲ بجے کے قریب موٹر کی آواز سے ہم اٹھے کر ضروریات سے فارغ ہو کر تازہ وضو کر لیں۔ چنانچہ اندھیری رات میں باہر گئے۔ ۲½ بجے تمام بزرگ جمع ہوگئے جن میں اکثر حافظ قرآن مجید تھے۔ سب پروانہ کی طرح اس شمع محمودی کے گرد جمع ہوئے۔ جو اینٹ اکھاڑی جاتی تھی۔ لوگ آنکھوں پر رکھتے ہوئے۔ ایک کونہ میں رکھتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ فرش پر مٹی کا ذرہ نہ آنے دیا۔ جب صندوق نکالا گیا۔ فرط شوق سے لوگ دیوانہ وار دوڑے۔ رات کے پونے چار بجے کا وقت۔ اندھیری رات۔ سارا ملتان ٹوٹ پڑا۔ غور سے دیکھتا تھا۔ تو مشہدی لنگیوں والے زیادہ نظر آتے تھے خانقاہ کے جنوبی وسیع صحن میں صندوق کو رکھا گیا۔ اور لوگ زیارت کو دوڑے۔ شوق و عقیدت سے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ عالی جناب نواب احمد یار خانصاحب بالقابہ۔ اور انکے فرزند ارجمند اگرچہ

سب موجود تھے۔ مگر خانصاحب نواب زادہ دُر محمد خان کی رقت دیکھی نہ جاتی تھی۔ آخر وہاں سے صندوق باہر دروازہ پر لائی گئی۔ اور موٹر پر رکھی گئی باہر اگر دیکھا۔ تو خلقت کا وہ ہجوم ہے۔ کہ اس کا شمار نہیں ہو سکتا یہ بھی نواب صاحب کی دانشمندی تھی۔ کہ یہ کام کو ہوا۔ ورنہ دن ہوتا۔ تو لوگ خدا جانے کس طرح ایک دوسرے کے اوپر گر گر کر فنا ہوتے۔ بیشمار موٹریں جمع تھیں۔ آخر صبح کی نماز کے وقت ملتان سے یہ نعمت اپنے وطن کو چلی گئی۔ میں مسجد میں ایک نیم مجذوب فقیرنی کو دیکھا۔ اسقدر گریہ وزاری کر رہی تھی۔ جیسا کہ کسی کا عزیز ابھی فوت ہوا ہے۔ تونسہ شریف اور راستہ میں اسقدر مخلوقات تھی۔ کہ بیان سے باہر ہے۔ اتنا ہجوم شاید چشم فلک نے نہ دیکھا تھا۔ ہندو مسلمان زار وزار رو رہے تھے۔ لوگوں نے زیارت کی خاطر اپنی پگڑیاں دور سے پھینکیں۔ تاکہ کپڑا تو صندوق کو مس کرے۔ اور اس کپڑے کو وہ آنکھوں پر لگائیں۔ یہ سب نیک کمائی۔ اور خاصان خدا کا اثر اور جذبہ عقیدت اور جوش محبت۔ حکام وقت حیران تھے۔ عین اسی وقت آسمان نے بھی آنسو برسائے۔ ع فلک بگریہ درآمد زبیقراری شاں کا صحیح نمونہ نظر آیا۔ بالآخر اس آفتاب عالمتاب کو روضہ مقدسہ میں چھپا دیا گیا۔ اور یہ چراغ اسلام آنکھوں سے اوجھل ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ ؎ چو از چشم فلک خورشید خود را ۔ فلک با آب دیدہ نوحہ گر بود

تعمیر روضہ مبارک

حضرت چراغ تونسوی کی خواہش تھی۔ کہ اپنے والد بزرگوار کی قدموں میں انہیں جگہ ملے۔ مگر روضہ منورہ فخر الاولیا حضرت خواجہ محمد سلیمان میں بالکل جگہ نہیں ہے۔ اگر شمال کی طرف آپ کا مزار ہوتا۔ تو یہ بلحاظ ادب آپ کب روا رکھتے۔ قدرت نے سامان ایسے کر دیئے۔ کہ روضہ مبارک کے صحن میں ہی آپ دفن نہ ہوئے۔ آپ کا علیحدہ روضہ تیار ہوا ہے۔ جس کا انتظام نواب احمد یار خانصاحب خاکوانی کے زیر اہتمام ہوا ہے۔ تعمیر جلد کرانیکے واسطے بیشمار کاریگر لگائے گئے۔ نمونہ روضہ شاہ سلیمان کا ہے۔ مگر اس کا دور اس کے برابر نہیں۔ بلندی میں بھی تناسب کا خیال رکھا گیا ہے۔ خدا کرے کہ حضرت چراغ تونسوی کا فیض تا ابد جاری رہے۔ خانصاحب محمود خان ہوتانی نے روضہ کی تاریخ مبارک بیت آں نور علی نور ، ۱۳ افذکی ہے۔ جو دراصل مولوی محمد حسین صاحب تونسوی مرحوم نے مسجد آستانہ کلاں کی تاریخ لکھی تھی۔ مبارک بیت اولنور علی نور۔ محمود خان نے واو معدولہ کی جگہ نون لگا دی۔ اور اسطرح ۴۴ سال بڑھ گئے۔ اور ۱۳۱۴ھ پیدا ہوا

چوں فریدی بجست تاریخش	در دل خود بفکر پنہانی	ہاتفے گفت با سر حکمت	باز شد باب فیض سبحانی
			۱۳۱۴

شکریہ

مولف سیرۃ المحمود اپنے گرامی قدر دوستوں اور عنایت فرمائے بزرگوں کا کمال ممنون و شکر گذار ہے کہ انہوں نے اس ناچیز تالیف کو عزت و تعظیم کی نگاہوں سے دیکھا۔ بلکہ بعض اصحاب نے قطعات تاریخیہ لکھکر ناظرین کی دلچسپی کا سامان فراہم کیا منجملہ ان اصحاب کے پیر محمود شاہ صاحب گیلانی متوطن لنڈی سیداں علاقہ نواب صاحب تمندار گورچانی میرے خاص شکریہ کے مستحق ہیں۔ آپ ایک روشن دماغ رکھتے ہیں۔ اور فن تاریخ گوئی میں اچھا مذاق ہے۔ آپ ایک عنایت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ اگر خود ستائی کا لحاظ دامنگیر نہ ہوتا۔ تو دم مار کر کہتا کہ ہم چومن دیگرے نیست۔ توبہ توبہ۔ خداوند عجب و تکبر سے محفوظ رکھے۔ میری کاپی میں تواریخ شادی۔ تولید فرزند۔ تعمیر مکان۔ احداث چاہ۔ تعمیر مساجد وغیرہ مصنفہ خود درج ہیں۔ جو قابل دید ہیں اکثر نواح کے علم دوست تاریخیں بندہ سے نکلواتے ہیں۔ صنعت یہ ہے۔ کہ ہر ایک تولید فرزند و وفات کے متعلق نام مولود۔ نام متوفی بالفاظ دعا و ثنا تاریخ نکلی ہوئی ہے یعنی بہمہ صفت موصوف ہے۔ مثلاً میاں غلام محمد مہار کی وفات کے یہ چار بیت لکھ دیے گئے ہیں۔ ؎ غلام محمد عجب خوش لقا زدار فنا رفت سوئے بقا ۱۳۰۳ھ

ازیں مصرع گردد وفاتش عیاں — غلام محمد یگانہ زماں ۱۳۰۳ھ
رقم کن دگر بار فوتش چناں — غلام محمد معز جواں
سوم بار بنویس تاریخ آں — غلام محمد بدیع زماں ۱۳۰۳ھ

اس عاجز نے حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ (خواجہ الہ بخش صاحب قدس سرہ العزیز) کی ولادت باسعادت میں مندرجہ ذیل تاریخیں استخراج کی ہیں ۱۲۴۱ھ میں آپ رونق افزائے دنیا ہوئے۔ ع زاد پاکیزہ روئے الہ بخش رض۔ روح جہاں الہ بخش رض۔ مالک آفاق الہ بخش رض۔ قبلہ کونین الہ بخش رض۔ اکمل الکاملین الہ بخش رض ع اے حقائق مآب الہ بخش رض ع سبحان اللہ۔ الہ بخش رض مولود۔ ان سب سے بالتعمیہ و تخرجہ ۱۲۴۱ھ سن ہجری نکلتا ہے۔ شاہ صاحب نے صرف انہی تواریخ پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ حضرت کے وصال کا منظوم قطعہ بھی قلمبند کیا ہے و ہو ہذا

خواجہ الہ بخش فخر الاولیا — رہنما و رہبر و مشکل کشا
چوں ندائے حق رسیدش از سما — شد خراماں جانب باغ جناں
در وصالت خلق گرید زار زار — بلکہ در یادت بگرید روزگار
سال گو محمود با صد آہ و آہ — قبلہ الہ بخش مقبول الہ
چشم گریاں باز پرسیدم ز خضر — عیسوی تاریخ کن بر من عیاں
در جوابم گو تار بخش چہ سعادت — آہ حبیب شیخ الہ بخش گفت ۱۹۰۱

خواجہ الہ بخش صاحب اولیا — ہادی و مشکل کشا خلق خدا
ہائے قسمت خواجہ اجل کمال — کر گئے دنیا سے آخر انتقال ۱۹۰۱
دل دیئے افسوس وہ قطب زماں — انکا غم کرتی ہے سب خلق جہاں
جبکہ منظر تاریخ لکھنے کو جھکا — تب خود عقدہ کشائی بر ملا

کھدیا یوں سال رحلت کا ہمیں — قبلہ الٰہ بخش مہدی پاک ہیں ۱۳۱۹
دیگر
سال رحلت کا یہ لکھو بے اشتباہ — قبلہ الٰہ بخش ہے عالم پناہ ۱۳۱۹

زد دخضر سال رحلت از دلم + پیش من فرمود از صد رنج و غم ۱۳۱۹ شاہ صاحب خود لکھتے ہیں۔ کہ انہیں شاعری کا ذوق نہیں۔ اس واسطے اضافت وغیرہ کا خاص خیال نہیں رکھا گیا۔ اور اللہ کا لفظ بھی تخفیف ہائے مختفی سے لکھا ہے۔ مگر ان کا مذاق قابل تحسین ہے۔ حضرت رحیم خواجہ محمد محمود صاحب رض کی وفات حسرت آیات کی بھی پیر محمود شاہ گیلانی نے چند تاریخیں اخذ کی ہے ع زیں جہاں رفت بفردوس قبلۂ محمود ۱۳۴۸ ع صاحب ارشاد والا خواجۂ محمود گفت ۱۳۴۸ ۔ دیگر ع خواجہ محمود صاحب تونسوی حاج۔ گو۔ ۱۳۴۸ دیگر منہ

خواجۂ محمود صاحب مقتدائے خلق بود	در لقائے ذات مطلق از جہان پردہ نمود
تا نویسم سال تاریخش بالفاظ نکو	از فلک شد ناگہاں آواز ای محمود گو
در وفات شیخ کردم در دل خود جستجو	خواجہ محمود مرشد کامل تاریخ او

اس تاریخ میں شاہ صاحب کو خاکسار مولف سے توارد ہوا۔ نیاز مند نے وفات سے دوسرے دن تاریخیں یہی الفاظ بھجوائے تھے۔ جبکہ حضرت پیشروئے صالحین خواجہ نظام الدین صاحب رض (فرزند اکبر) ابھی قادر پور ہو چکے

شاہ محمود اولیائے وقت	مرتحل گشت و رفت در جنت	سال فوتش خرد چنیں فرمود	عمدۃ الملک خواجۂ محمود ۱۳۴۸

اس تاریخ کے متعلق شاہ صاحب نے یہ عبارت لکھی ہے۔ اگرچہ یہ لفظ شاہان و امراء کے شان میں موزون ہے۔ مگر حضرت غریب نواز بھی شان و شوکت دینی دنیاوی میں اپنے وقت کے بادشاہ تھے۔ لہذا انکے شان میں یہ لفظ نہ صرف شایان ہے۔ بلکہ زیبا ہے۔ پیر محمود شاہ گیلانی کے علاوہ ہمارے تونسہ شریف کے نوجوان تاریخ نویس خانصاحب محمود خان ہوتانی ہیں جنہوں نے بہت سی تاریخیں لکھکر سیرۃ المحمود کی دلچسپی میں معقول اضافہ کیا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ مادح اور ممدوح کا نام ایک ہے۔ اور ایسا اتفاق نادر ہوتا ہے ع فذوالعرش محمود و ہذا محمد۔ خاکسار مؤلف بھی اس بات کا فخر رکھتا ہے۔ سعدی فرماتے ہیں۔

الٰہ بخش نام جو میرا ہے دوستو	اس نام کے طفیل میں بخشا ہی جاؤنگا
شنیدم کہ در روز امید و بیم	بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

حضرت غریب نواز مرشدی خواجہ الٰہ بخش صاحب کی تاریخ تولد زہے بیدار بخت جو کتب و ملفوظات میں موجود ہے۔ پیر محمود شاہ صاحب گیلانی کی جودت طبع نے چاہا۔ کہ اس تاریخ کو منظوم قطعہ میں لکھا جاوے۔ چنانچہ آپنے یہ اشعار لکھے ہیں۔

صد مبارک بود بخواجہ من	کہ خدا داد نیک فرزندش
نام زد شد باسم الٰہ بخش	زہے بیدار بخت تاریخش ۱۲۴۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

هٰذَا كِتَابُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۔ وَهٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوقِنُوْنَ

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ

بگیرم خامہ را با نام ..... نامی
کہ گردد نامہ از وی گرامی
ہماں نامی کہ او محیی العظام است

ہم او را حیّ و ہم قیوم نام است
فیا محیی العظام احی عظامم
دیا قیوم قیم اسم و جسمم

سپس صلوات خوانم بر محمد
کہ گردد نامہ ام از وی ممجد
ازاں پس بر ہمہ اصحاب و آلش

بخواہم از خدا لطف و نوالش
الٰہی بر ہمہ اتباع احمد
بکن رحم و لعبد خود با احمد

اگرچہ عبد تو عبد اثیم است
بحمد اللہ کہ او عبد الکریم است
کریما عبد خود را کن تو مسرور

بغفران خودش فرما تو مغفور
ز فیض مصطفےٰ از قاب محمود
دلش دائم بود معمور و مسعود

بدیش دہ نظامے از نظامش
بکن سیرش از کاس الکرامش
بہ اجابت بوقت نزع جانش
تو با ایمان کامل کن روانش

استغاثہ عبد اثیم بحضور خواجہ کریم دامت فیوضہم آمین ثم آمین

اے لقائے تو جواب ہر سوال
مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

یا غیاثی یا مغیثی یا کریم
یا عیاذی یا معیذی یا رحیم
اے کریم ابن الکریم ابن الکریم

عبد آمد سائلانہ بر درت
پس مرانش آئسانہ از درت
سائلاں را گفت لا تنہر کریم

پس نشاید عبد را راند کریم
از کرم چوں پروزی صد ہزار
چیست پس پروردن یک خاکسار

نسبتے دارم بتو اے ملتجا
از طفیل نسبتت را ہم نما
من چو نسبت را بتو پیوستہ ام

از ہمہ پیوند خود بگسستہ ام
ہاں غلط گفتم کہ من پیوستہ ام
وز ہمہ پیوند خود بگسستہ ام

من نہ نسبت را بتو پیوستہ ام
نہ ازین کسے پیوند خود بگسستہ ام
خواجۂ ما ہرچہ خواہد میکند

خود پیوند خود او مے بگسلد
خواجۂ ما کیست العبد ہست و بس
ہرچہ ہست او نیست العبد است و بس

فانی فی اللہ چوں توئی اے پیشوا
باقی باللہ ہم توئی ای مقتدا
پس مرا با خویش خود پیوستہ

در ہمہ پیوند من بگسستہ
ہیں مرا ہم نیست کن در ہستیت
بعد ازاں خود ہست کن با ہستیت

حاجت ایں عبد از آقائے کریم
بس ہمیں بود او خبیر ست و علیم

الغیاث اے عالم علم لدن
الغیاث اے محرم اسرار کن

جواب مستطاب از خواجہ فیض مآب ادام اللہ ظلال نوالہم علیٰ رؤسنا ابدًا

از تونسہ شریف۔ محبی مخلصی قاضی عبدالکریم سلمہ الرحمٰن۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
خطِ بامحبت کا شکریہ۔ اللہ کریم آپ کو ہمیشہ خوش آباد اور مطمئن رکھے آمین ثم آمین۔ میں شوال کے دوسرے
ہفتہ قادرپور پہنچونگا۔ اگر حیاتِ مستعار باقی تو مل ہی رہینگے۔ فقط والسلام۔

(از راقم محمود سلیمانی لازال ظلہم التعالیٰ عن رؤسنا اجمعین ابداً آمین ثم آمین

قطعات تاریخ انتقال حسرت مآل قدوۃ السالکین شمس العارفین محی السنۃ ممیت البدعۃ شیخ دوران
محبوب ربِ ودود خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ محمد محمود صاحب تونسوی۔ از اثیم قاضی عبدالکریم محمودی سلیمانی کوٹ سلطان

دریغا کہ آں فخر احمد نظام
چراغ ہدیٰ شاہ محمود بخش

صمد مند احد قد و مسعود نقش
زما شد جدا سال تاریخ شد

غیاث الوریٰ قطب اقطاب عالم
الٰہ کریم بمحمود بخش

۱۳۴۸

آں شیخ ماواں پیر ما
واں منبع جود و سخا
ماہِ سماءِ اہتداء
شاہِ زمن شیر خدا
صد حیف آں شیر خدا
چوں روح او تیار شد
چوں رفت بر صدر علےٰ

نورِ سراج منیر ما
صدق و صفا علم و حیا
مہر قلوبِ اصدقا
رشک بتاں دلربا
از ما جدا شد حسرتا
در ہر جہت سیار شد
با صد شکوہ و صد ضیاء

محبوب رب قدیر ما
علم و عمل ورع و تقی
نورِ عیون اولیا
آں آفتاب اتقیا
آں مظہر نورِ خدا
ہر ذرہ پرانوار شد
گفتند ایں ملاء علےٰ

معروف محمود الوریٰ
خلقش چو خلقِ مصطفےٰ
آئینۂ رب العلےٰ
نور ظلم بدر دجےٰ
عین علی مرتضیٰ
از نور آں نور ہدیٰ
محمود اشمس ضحےٰ

۱۳

پناہِ ورائے خواجہ محمود عالم دیگر کہ حرزِ خدا بود حرز و پناہش
زاوج سما برگذشتہ کلاہش
باآخر بذکرِ خدا رفت زانکہ
بفرمود ہاتف بوصل الٰہش

مکرم چو میداشتے ہر کسے را
بذکر خدا رفت شام و پگاہش
چو میکرد با خلق حق جود و بخشش

چو در پیش حق بر زمیں بد جبیں ما
زہر کس معزز شدہ عز و جاہش
روانش بسیر جناں چوں رواں شد
رسیدہ بمحمود بخشے الٰہش

غیاث الوریٰ خواجہ ما محمود عالم
ز داعی بفرمود امر حق

زہر کس بہر وصف بردہ سبق
بعد ایں بفرمود ہاتف بوصلش

چو از عنصر اقدسش روح اطہر
بپرید سوے جناں باغ حق

دیگر باردو

وہ فخر جہاں خواجہ محمود عالم
رواں انکی جنت میں مسرور ہو

جہاں نور سے انکے معمور ہو
ز سال وصالش ہپر سید آثم

ہمیں دے گئے آہ داغ جدائی
بفرسود ہاتف وہ مغفور ہو
۱۳۴۸

تمنائے

درخواجہ سے عبد کی اک دعا ہے
بوقت نزع قبر و محشر میں خواجہ

الٰہی دعا اوس کی منظور ہو
میری آنکھ ہو اور تیرا نور ہو

مؤلف

(نامہ نیاز) بارگاہ پیشوائے صالحین والکاملین حضرت خواجہ نظام الدین صاحب مدظلہم العالی

اے کہ جد الجد تو غوث الزماں
و یکہ جد امجدت قطب جہاں

عم اکرم تو کرم الناس بود
بستہ با فتراک تفتیش جان ماست
فیض او عام است بہر خاص و عام
غوث عالم خواجہ محمود الورٰے
اے نظام الدین نظام الاولیا
دین عبد خویش را ہم دہ نظام
بر سر سن ہر چہ از دور زماں
سوئے ذی نسبہ خواہم اکنوں انتقال

عم دیگر حافظ الناس بود
در ہمہ اوصاف محمود وحید
دین ما از دست زاں ہر دم نظام
اشمل اللّٰہ علینا برہم
در نظام تست اکنوں کار ما
مسند خواجہ را چوں تو زینتی
آمدہ پیشت کنم آنرا بیاں
پس مرا زینجا بآنجا منتقل

والد پاکت کہ تاج اولیاست
خود او محمود ہست و احمد ہم فرید
آں نصیر دین ما قطب الورٰے
قدس اللّٰہ العزیز سرہم
کار ہر کس را چو دادی انصرام
اکرم الآباء اطہر طینتی
از کمالیہ و لم شد پر ملال
ہم بفرما و بفرما مستقل

عبد را در سلک خود ہم نظم کن
بندہ را شائستۂ آں بزم کن

کدی آجاناں ترسا جا
ہجر تیڈی تن لایاں ہاہیں
ہجر تیڈے مینوں ترڑی رولی
حسن تیڈیاں ملیاں بانگاں
حسن تیڈی آن لایاں جھیڑے
عشق تیڈیاں گجھڑا تیر سے
عشق دی تیڈی سخت داڑے
حسن تیڈے الفش پکا واں

میڈا پیر محمود دل خواجہ
سوز دل نکلم آہیں دھاہیں
ساڑ جگر تن کیتم کولے
عشق تیڈی تن لایاں سانگاں
سکیاں سڑیاں تھیاں ہریاں
پار گیا لنگھ جگر نوں چیرے
بہت کوڑی سخت کلالڑے
سم تیڈیدا ورد کماواں

میڈا ہر دو جگ دا راجا
نام خدا دی سوہناں سائیں
تینوں جانواں اوے گھولی
وچ مسجد بھہ تیڈو نالگاں
اجڑی پھبڑی ہیں ہک کھڑیار
باجھ وصال دی کیا تدبیرے
باجھوں شوق دی کجھ نہیں پلڑے
عشق تیڈیدی گیتڑی گانواں

میڈا پیر محمود دن خواجہ
ایہا نار بجھا ہ میڈا پیر محمود خلیفہ
مینوں شمس جمال دکھا جا ر
مینوں گی نماز پڑھا جا۔ ر
ایہیں اجڑی کوں آپ وسا جا۔ ر
اہو جام وصال پلا جا ر
مینوں آکے تو پچا جا۔ ر
میری سر تیں آپہ بٹھا جا ر

نام تیڈا ہے نام نبیؐ دا — عبد ہاشم ہے عبد نماناں
شان تیڈا وت شان علیؐ دا — درد تے ہجر وی سول رنجاناں
صدقہ نام نبیؐ شان علیؐ دا — نام اللہ دی پیر پٹھاناں
ینوں نام تے شان کھا یڈا پیر نہ — اینڈی تے سول بنا جاندا

دیگر

میڈی عزت حرمت شان وی توں — میڈا خواجہ پیر پٹھان وی توں
میڈا دین یقین ایمان وی توں — میڈا خواجہ پیر پٹھان وی توں
میڈا دھرم وی توں میڈا بھرم وی توں — میڈا ہر دو جگ دا شرم وی توں
میڈا مخزن جود و کرم وی توں — میڈا منبع لطف احسان وی توں
میڈا درد وی توں درمان وی توں — میڈا مرض وی توں لقمان وی توں
میڈی جان جانان جہان وی توں — میڈا حاکم تے سلطان وی توں
میڈا نام وی توں میڈا ننگ وی توں — میڈا رنگ تے ڈھنگ امنگ وی توں
میڈا خویش قبیلہ سنگ وی توں — میڈا واقف جان سنجان وی توں
میڈی قید وی توں اطلاق وی توں — میڈا گھر تے در تے طاق وی توں
میڈا عرشی قرشی پاک وی توں — بوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ وی توں
میڈا باب علوم و مطالب توں — علیؓ اسد اللہ الغالب توں
میڈا شجرۂ چشت دا صاحب توں — میڈا نور تے فخر جہان وی توں
میڈا خواجہ شاہ سلیمانؒ وی توں — خواجہ اللہ بخشؒ پٹھان وی توں
وندی ہستد دا برہان وی توں — اوندا عین عیان بیان وی توں
میڈا مطلب تے مقصود وی توں — میڈا حاضر تے موجود وی توں
میڈا خواجہ شہ محمود وی توں — میڈا ضامن دین ایمان وی توں
میڈی کام وی توں تے مرام وی توں — میڈا مبدا تے اتمام وی توں
میڈا خواجہ شاہ نظام وی توں — ایہیں عبد کریم دا مان وی توں

دیگر اردو

مجھ کو کہتا ہے جہاں اے خواجہ دیوانہ تیرا — اور مستانہ تیرا اور مست پیمانہ تیرا

ہوشیاری اور خودی تجھ میں میری گم ہو گئی
تو ہے میری شمع محفل میں ہوں پروانہ تیرا

تجھ میں گم ہو کر میرے دکھ درد سارے مٹ گئے
کس قدر پر امن ہے اے خواجہ کاشانہ تیرا

بے خودی میں ہوں مجھے بھی ساتھ لیجا اے رحیم
مجھکو کہتا ہے جہاں اک مست میخانہ تیرا

تیری منزل دور ہے اور میں یہاں مجبور ہوں
ہے خمارِ عشق سر میں لب پہ افسانہ تیرا

نیست و نابود ہوں ناچیز ہوں اک ذرہ ہوں
ذرہ پرور ہے مگر دربار شاہانہ تیرا

تشنہ ہوں لب خشک ہوں اے قلزم آبِ حیات
کیوں ترستا ہوں سگِ در ہوں نہ بیگانہ تیرا

اے ہمارے ساقی جام شراب ناب عشق
اس طرف بھی قطرہ بادہ آباد میخانہ تیرا

بد بھی تھا بدکار تھا اور اب بھی ہے عبدالرحیم
جسکو کہتا ہے جہاں اک مست میخانہ تیرا

ایضاً اردو

ہے کھچا آنکھوں میں میری نقشہ میرے پیر کا
غیرتِ سروِ سہی کا رشکِ بدرِ منیر کا

اوسکی نشست و برخاست کا حرکات کا سکنات کا
عادات کا سبحات کا آیات کی تفسیر کا

علم کی گفتار کا گفتار پر اسرار کا
اخبار کا آثار کا آثار کی تاثیر کا

تعلیم کا تفہیم کا تکریم کا تعظیم کا
تقسیم کا تسلیم کا تنظیم کا تدبیر کا

اس حسن راز و نیاز کا اس ناز و انداز کا
اس راز محفل ساز کا اس عجز کی تقدیر کا

اشفاق کا اخلاق کا اعلاق کا اطلاق کا
اشراق کا احراق کا تبشیر کا تنذیر کا

تفرید کا تجرید کا تمجید کا تحمید کا
تسبیح کا تہلیل کا تقدیس کا تذکیر کا

نعت شریف

جہاں دیکھا وہاں نور محمد جلوہ گر دیکھا
ادھر ڈھونڈھا ادھر پایا ادھر جانچا ادھر دیکھا

مکاں میں لامکاں میں کنہ واجب ذات امکانی
قلم میں لوح پر کرسی پہ اس کو عرش پر دیکھا

زمیں کے سبز گلستاں آسماں کے باغ رضوانی
اسے زیب شجر پایا اسے ذوق ثمر دیکھا

حریم دل حریم کعبہ بیت مقدس میں
میان گنبدِ خضراء وہم زیر و زبر دیکھا

عرب میں اور عجم میں ربع مسکوں غیر مسکوں میں
بلاد و قریہ و باغ و براغ و بحر و بر دیکھا

یمین و ہم یسار و ہم امام و خلف تحت و فوق
باول آخر و ظاہر بہ باطن سر بسر دیکھا

اسے نورِ مہ و انجم ضیاءِ شمسِ تاباں ہی
اسے نورِ فواد و قلب اسے نورِ بصر دیکھا

نبیوں اور صدیقوں کا شہیدوں صالحوں کا ہی
اسی کو مقتدا و پیشوا و رہبر دیکھا

فقیروں کا اسے ملجاء ضعیفوں کا اسی ماویٰ
غلاموں کا اسے والی یتیموں کا پدر دیکھا

اسی کو منشائے ایجادِ عالم روزِ اول ہیں
اسی کو باعثِ اجماعِ کل روزِ حشر دیکھا

ضیا ہیں پان میں یاقوت میں لعلِ بدخشاں میں
لبِ لال و شرابِ لال میں اس کا اثر دیکھا

گل و گلزار و سنبل میں کبک طوطی و بلبل میں الٰہی
اسی کا رنگ و بو دیکھا اسی کو جلوہ گر دیکھا

حیات و موت و برزخ میں پلِ میزان و محشر میں
ہمیشہ عبدِ آثم نے اسی کو چارہ گر دیکھا

مرثیہ شہر آشوب بر وفات حسرت آیات قبلۂ دو جہاں محبوب الرحمٰن حضرت چراغ تونسوی خواجہ محمد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(تلاطمِ غم از مسکین و محزون بندہ صالح محمد خان ملتانی)

کیوں فرطِ غم سے آج جہاں تنگ و تار ہے
بزمِ فلک یہ کس کے لئے سوگوار ہے

چشمِ سحاب کس کے لئے اشکبار ہے
ماہِ تمام کس کے لئے داغدار ہے

کیوں دیدۂ عدو بھی ہے خونابہ بار آج
آنکھوں سے سیلِ اشک ہے بے اختیار آج

چشمِ جہاں سے آج وہ نورِ نظر چھپا
وہ آسمانِ حقیقت کا روشن قمر چھپا

وہ آفتابِ ملت خیر البشر چھپا
سرمایۂ حیات وقارِ جگر چھپا

وہ عندلیبِ باغِ سلیماں کا اڑ گیا
وہ رنگِ نو بہار گلستاں کا اڑ گیا

سالارِ کاروانِ حقیقت نہیں رہا
سرتاجِ مہربانِ طریقت نہیں رہا

وہ صورتِ جمالِ نبوت نہیں رہا
وہ سیرۂ کمالِ ولایت نہیں رہا

پیوندِ خاک ہو گیا وہ چشمِ تر لئے
امت کی خستہ حالی کا دردِ جگر لئے

اسلام رو رہا ہے مرا تاجِ سر گیا
تیرِ حوادثات ہیں سینہ سپر گیا

غم ہے کہ آج وارثِ خیر البشر گیا
غازۂ جمالِ چہرۂ دیں سے اتر گیا

شور بپا ہے فتنۂ محشر بپا ہوا
مرقد سے سر اٹھاؤ محمد کہ کیا ہوا

شان سلف کو جی ہیں بٹھا کر چلے گئے
دہرا وہ ذوق و شوق کا گا کر چلے گئے

یارب کیا ہے باقی جہاں ہیں جو تو نہیں
جس نے ہمیں خدا سے ملایا کہاں گیا؟

الفت کا لطف جی ہیں رچایا کہاں گیا
ساقی نہیں وہ بزم نہیں جام جم نہیں

اللہ سے پیام تھا اپنا کلام تھا
دل تھا کلیم اپنا تو سینا مقام تھا

آنکھوں سے دیکھ پاتے تھے چہرہ رسول کا
صورت وہ پاک جس پہ ملک کا یقین ہو

شرمندہ اس کے آگے ہو جتنا حسین ہو
صدق و صفا کا آئینہ پتلا وہ نور کا

چھو جائے گر نسیم تو عارض ہوں داغدار
لپٹیں جدا ہوں اس سے تو ہو بزم مشکبار

مدفون خاک آہ وہ دُرِ یتیم ہو
وہ بزم یار یار کی رنگیں بیانیاں

نکتے وہ بات بات ہیں وہ راز دانیاں
موجیں وہ حسن و عشق کی لہریں پیار کی

نکتے وہ معرفت کے لگیں ہونے جب بیاں
اڑ جائیں دل سے دامن ظلمت کی دھجیاں

قدوسیوں کی بزم نظر آئے سب کی سب
جب علم دیں پہ آئیں تو جھک جائیں سب کے سر

تقریر دلپذیر وہ اسرارِ دیں بہ

جامِ شراب کہنہ پلا کر چلے گئے
آنکھوں ہیں اپنی شان دکھا کر چلے گئے

وہ سیر گل وہ بلبل وہ گفتگو نہیں
جس نے ہمیں رسول دکھایا کہاں گیا

جام شرابِ عشق پلایا کہاں گیا
آنکھیں نہیں وہ دل نہیں باتیں وہ ہم نہیں

حقا کہ حق کا بوالہوسوں ہیں قیام تھا
نعمت تھی فرش خاک پہ اور لطف عام تھا

دنیا کو کیا دکھائینگے اسوہ رسول کا
ایمان و جان کے لئے حصن حصین ہو

یوسف لقا ہو غنچہ دہن مہ جبین ہو
خاکہ ریاض خلد کا نقشہ سرور کا

قطرے گریں جبیں سے تو لولوئے شاہوار
کردیں دماغ و روح کو مست لقائے یار

درج لحد میں ہائے وہ ذات رحیم ہو
منہ سے وہ پھول جھڑتے وہ گوہر فشانیاں

جولانیاں وہ طبع رواں میں روانیاں
یاد آئیگی تو روئینگے یہ بزم یار کی

یہ جائیں ذوق و شوق ہیں آنکھوں سے نہاں
رہ جائے کیوں فریب و گماں کا وہاں نشاں

آنکھوں ہیں ان کی شان سما جائے سب کی سب
گو مجتہد فقیہ ہوں عالم ہوں باخبر

تسلیم و اعتبار سے چارہ نہ کچھ مفر

علامہ زماں بھی ہوں قائل حضور کے
برہان و فکر مبلغ علم و شعور کے

مذکور بزم شعر میں گر آسے دھوم کر
رہ جائے خوش بیانی بھی منہ چوم چوم کر

روح لسان غیب بھی آجائے جھوم کر
غالب کی روح شیفتہ ہو جھوم جھوم کر

جھڑنے لگیں وہ پھول کہ داماں بھی تنگ ہو
اس قوت بیاں پہ انساں بھی دنگ ہو

ہائے وہ نکتہ سنج کہاں تھا کہاں گیا
چھپ کر کہاں وہ طوطی شکر بیاں گیا

شگفتہ جا گیا جہاں غنچہ وہاں گیا
موتی بہا گیا جہاں بحر رواں گیا

خاکی نشان قدسی رفعت نصیب تھا
ہم کو جھلک دکھا کے فلک پردہ جا بسا

باتوں میں حسن و عشق کی تصویر ورد تھے
فرہاد و قیس آپ کے کوچے کی گرد تھے

اس منزل عظیم کے وہ رہ نورد تھے
عشق بزد پیشہ سے مرد بزد تھے

اف تنک سی جگہ بھی جو خوں ہو کے بہ گیا
تا وصل ذات پاک بھی یہ دردرہ گیا

اے مات وادہ بلبل دستاں سرائے را
اے برفلک جہاندہ سمند باد پائے را

چوں بزیر گل کہ توبہ مانبود
بے حلقۂ خدم ہے گہنہ نہا نبود

پہلو میں تیرے دل تھا عجب باوقار دل
آشفتہ دل فریفتہ دل بے قرار دل

ہمدرد خلق مونس جاں غم گسار دل
وہ مہبط جمال خداوندگار دل

طور کلیم معنے حقائق کا راز داں
آئینۂ خیال و تمنا کا ترجماں

اپنوں کو ایک کانٹا لگے تو فگار دل
آشفتہ دل فریفتہ دل بے قرار دل

یاروں کے غم پہ ان سے سوا سوگوار دل
رنج و غم خدم پہ پڑا از انتظار دل

خاموش کیوں ہو نشتر غم دل کے پار ہیں
آنکھوں سے سیل اشک ہیں سینے فگار ہیں

مدہوش جب ہوں بادۂ غفلت پئے ہوئے
اپنے گناہ کندھوں پہ اپنے لئے ہوئے

پہنچے تیری جناب میں اک دل دیئے ہوئے
تیرے جمال چہرہ پہ نظریں کئے ہوئے

غفلت کہاں گئی وہ کہاں خواہشیں رہیں
تیرے پریم میں وہ کہاں کاوشیں رہیں

جب کفر و معصیت کو جھکا نفس بے حیا
غار گنہ میں گرنے لگا نفس بے حیا

یاد ان ہوں میں جا سی گرا نفس بے حیا
تیری گرج سے چونک اٹھا نفس بے حیا

تیرا بیاض چہرہ دلیل ہدیٰ بنا
اے آسماں ستم تیری دیرینہ خو سہی
مکار کار تشنۂ خوں جنگ جو سہی
تیر ستم کی اپنی کشاکش کو دیکھ لے
جو ذات پاک جلوۂ مہر خدا رہے
ہر آرزو جو بندہ کو زیر نگاہ رہے
اس کو بھی ترک و منع پہ مجبور کر دیا
جو ذات پاک رحمتِ حق کا نشان تھی
بزم قدس سے آئی ہوئی مہمان تھی
خفاش وار اس سے بھی بغض فگن رہا
محمود جس کی پشت سے بیٹا فرید سا
صورت میں جو ملک تھا کہ حور جنان تھا
محمود کا یہ لخت جگر اور سعد کا نوہ
احمد وہ جس کے نام سے عالم لرز گیا
مہر و وفا کا آئینہ ہیبت میں شیر سا
محمود کا یہ لختِ جگر اسکے سامنے
جو جانشینِ مجلس علم النبی رہا
جو راز دانِ علم خفی و جلی رہا
اس پر ہزار طرز سے تونے ستم کئے
گردکا اسکو داغ سے پاک آستان سے
اس پر گرائی بجلی کبھی آسمان سے
دید حبیب سے کبھی محروم کر دیا
افلاک کے ستم ہے جور و جفا ہے

بخشش کا وہ سبیل کفیل ہدیٰ بنا
غازہ گر خزینۂ صد آرزو سہی
کم بخت تیری مشقِ ستم سو سو سہی
سب تیر سے تیر خالی ہیں ترکش کو دیکھ لے
جو ذات پاک چشمۂ آبِ بقا رہے
اسکی رہیں منت دستِ دعا رہے
بندِ غم حیات میں محصور کر دیا
جو روح فخر رحمت کون و مکان تھی
جوں آفتاب نیر گشت جہان تھی
آئینہ جلال کا اسکے شکن رہا
تونے قسم ہے تجھ کو نہ دیکھا کبھی صفا
سیرۃ میں جو محاسن فطرت کا آئینہ
دنیا کا یہ سرور کیا تونے چور چور
جسکی گرج سے فتنۂ عالم بھی چھپا دیا
وہ رزم و بزم میں شہ مرداں کا نقش تھا
لائے مرگ عذر بر خاک کیا تونے کاٹ کے
جو یادگار محفل ہسر ہر ولی رہا
جو جانشین بزم سلیماں کبھی نہ رہا
جلا و دار جور ستم دم بہ دم کئے
پابوسی حبیب میں عمر گنوا یہاں سے
بکواس اسکی شان میں گندہ دہان سے
اس چارہ گر کو بیکس و مظلوم کر دیا
بیٹوں کے تیر غم سے ہے کرب و بلا ہے

اللہ کے پیارے تھے ابتلا سے — اف تک نہ کی جو رنج بھی بے انتہا سے
سر اپنا زیرِ خنجرِ تسلیم کر دیا — وقت اپنا ذکرِ خنجر میں تقسیم کر دیا
اس پر دیارِ غیر میں مارا وطن سے دور — پیرِ مغانِ دیر کی بزمِ سخن سے دور
یارانِ بزمِ مہر کی اس انجمن سے دور — اس عندلیبِ زار کی عرضِ سخن سے دور
گو آپ مستِ بادۂ دیدار ہو ہوئے — تیرے غلام بے کس و بے چارہ جو ہوئے
یہ ماتمِ حسین ہے بزمِ عزا نہیں — کرب و بلا ہے تو نہ اگر کربلا نہیں
محشر ہے کیوں یہ فتنۂ محشر بپا نہیں — مرگِ جہاں ہے مرگِ حبیبِ خدا نہیں
لے مژدہ ہم پہ موت کو آسان کر دیا — جنسِ عزیزِ عمر کو ارزاں کر دیا

اظہارِ آرزو

اے آرزو و خونِ ہزار آرزوئے ما — اے جستجو و حسرتِ صد جستجوئے ما
اے آبروئے گم شدۂ آبروئے ما — اے غائب و حاضرِ ہر گفتگوئے ما
دستم بریدۂ و چہ خنجر خلیدۂ — سرگم بخود سپردہ و چشم دو دیدۂ
قدموں میں نہ تیرے ہو مرنا وہ مرنا کیا — تیرے سوا نہ جینا ہو دنیا میں دہر نا کیا
گر تو نہ ہو جہاں میں تو کرنا ہے کرنا کیا — گر تو ملے نہ موت پہ مرنا ہے مرنا کیا
جینا عبث ہے آج تو مرنا بھی ہے عبث — یہ زندگی ہے یا کہ ہے کمتر ز خار و خس
جیتا ہے اپنا سینہ پہ داغوں کیواسطے — حسرت کا خون پینے کو نالوں کیواسطے
جنمیں نہ کچھ اثر ہو ان آہوں کیواسطے — اس ماتمِ سیاہ پہ نوحوں کیواسطے
کیوں اپنے ساتھ ہمکو نہ لیکر جدا ہوئے — خلقِ خدا میں چھوڑ کے ہمکو جدا ہوئے
یاس و غم و فغاں ہے یہ نظارۂ حیات — سیپارۂ الم ہے یہ سیپارۂ حیات
اٹھ کر کے دیکھ لو کہ نہیں چارۂ حیات — آوارۂ جہاں ہوں میں آوارۂ حیات

ہے مر کے تیرے پہلو میں آرامِ زندگی
تیرے قدوم میں ہو مری شامِ زندگی

ئی تو پاس رکھتا ہے کچھ کو نکی راحتیں
کوئی تو مال و نعمتِ دنیا کی لذتیں

ک تیرا دیکھنا تھا مری سو حسرتیں
تری نگاہِ ناز پہ میری تھیں حسرتیں

گر تو نہ ہو تو تو ہی بتا میرا کیا ہے اور
تیرے سوا جہاں میں بھلا میرا کیا ہے اور

مجھ سا نہیں ہے کوئی بھی ناکام آرزو
جب تو ہی آرزو تھا تو کیا نام آرزو

ہے صبح آرزو ہی مری شام آرزو
ڈھونڈھوں وگرنہ ڈھونڈھوں بھی انجامِ آرزو

سو حسرتوں کا نام مری آرزو رہا
اک موت کا پیام مری آرزو رہا

ہر آرزو کہ ہم بغل مدعا رہی
تیری رہیں منتِ دستِ دعا رہی

جو احتیاج تشنۂ آبِ غنا رہی
سیراب تیرے در پہ ز موجِ عطا رہی

بس آرزو ہے مر کے ہو امتحاں مرا
تیرے قدوم پاک میں ہو آشیاں مرا

اپنے سوا نہ ہونا مرا تو قبول کر
پاؤں میں اپنے سونا مرا تو قبول کر

قدموں میں جان کھونا مرا تو قبول کر
ہر صبح شام رونا مرا تو قبول کر

جیسے کرم ترا تھا یہاں پر وہاں بھی ہو
صدقے تھا جیسے ترا یہاں پر وہاں بھی ہو

یہ مرثیہ مولوی صالح محمد صاحب ملغانی خلف مولینا حکیم احمد صاحب ملغانی مرحوم کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔ جو بزمِ محمودی کے ایک درخشاں گوہر اور نہایت ذکی نوجوان ہیں۔ خداوند کریم ان کو فرزند عطا کرے۔ حضرت چراغ تونسوی کی بزم کے پروانہ ہیں۔ اور آبا و اجداد سے علمی مذاق میراث میں پایا ہے سرکاری سکول میں ہیڈ ماسٹر ہیں۔ ان کے برادر مولوی الٰہ بخش حکیم بھی ایک قابل عزت ہستی ہیں۔ اور دونوں میرے دیرینہ دوست ہیں۔

(مؤلف)

نوٹ:۔ ایک نوازشنامہ حضرت قطب اقطاب پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریف کا درج کیا جاتا ہے۔ رموز و نکات اُنہی کو معلوم !۔

(از گولڑہ شریف)

معظمی و مکرمی حفظکم اللہ تعالےٰ

تسلیم و نیاز۔ عنایت نامہ کاشف ما فیہا ہوا۔ بے شک جانبین گو ایسے ہی ہیں۔ جیسا کہ جناب
نے تحریر فرمایا ہے۔ مگر بہ مستغاث منہ ہونے بطریق اصالت کیلئے مستبعد سمجھا جاتا ہے۔ نہ کہ علے
سبیل الوکالۃ کیلئے جیسا کہ عرض کیا گیا تھا۔ کہ آپ روضہ مقدسہ میں حاضر ہو کر استغاثہ پیش کریں
رہا سوال کیوں۔ سو اسکے متعلق جناب اسی عنایت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ (غرض کہ جو کچھ ہو میرا
سوال نہ حسداً ہے نہ طعناً) بنا بریں الحمد للہ کہ ملائکہ کی عصمت تو محفوظ رہی اور پھر اسی عنایت نامہ میں
ہے۔ کہ (ملائکہ کو صغیٰ للہ سے ..... نہ تھا۔ یا ابتک نہیں ہے اب دیکھیئے کہ جب وہ میرے اعمال نامہ
میں کیا الفاظ ثبت فرما رہے ہیں تو اپنے امکان تک کہاں تک سزا دینے یا دلانے میں سعی فرمائینگے"
معروض ہے کہ جب سزا دینے یا دلانے میں حتے الامکان کوشاں ہیں تو برخلاف تصریح جناب
مسطور الصدر ملائکہ حاسد بھی ہوئے اور طاعن بھی مزید براں معاند سزا دلانیوالے ہی۔
رہی عبارت سو وہ بھی موجودہ مروجہ زمانہ کے آداب و مصطلحات کو زیر نظر رکھتے ہوئے محسوس
ہوتی ہے نہ بلحاظ واقع۔ موجودہ زمانہ کے لوگ تُو تَیں کو بُرا سمجھکر لفظ آپ اور جناب۔ استعمال
کرتے ہیں۔ اور عرب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (اانت قلت الخ) سے خطاب کرتے
تھے۔ ایساہی عالم ملائکہ میں کوئی تکلفات و آداب عنوانیہ نہ تھے۔ اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ
فِیْھَا کہنا انکا بطریق اعتراض نہ تھا۔ بلکہ مقصود استفسار وجہ حکمت اور غیبت بنی آدم
بقصد تحقیر و اہانت نہ تھی بلکہ بیان وجہ اشکال کیلئے تھی جو جائز ہے چنانچہ ہند زوجہ ابوسفیان
کا بحضور نبوی منقولہ ہے کہ (ان ابا سفیان رجل شحیح ای بخیل ممسک ولم یمنعہا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن ھند الغیبۃ۔ اور قول ملائکہ (وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ
وَنُقَدِّسُ لَكَ) کا منشا عُجب و تکبر نہ تھا۔ بلکہ اپنے سوال کی معذرت کا اظہار علے بعض المحتملات
تھا یعنے ہمارا سوال اس وجہ سے نہیں کہ ہمکو حکیم مطلق کی حکمت کاملہ میں کسی طرح کا شک ہے
کیونکہ ہمیشہ سے ہمارا وظیفہ تسبیح و تقدیس و تنزیہ باری عز اسمہ ہے۔ موجبات نقص سے بلکہ

ہمارے سوال کا منشأ ازالہ جہل و تحصیل علم ہے منجملہ وجوہ جہل یہ بھی تھی کہ اپنی تسبیح و تقدیس کو
وہ کامل سمجھے ہوئے تھے جو خلاف واقع ہے۔ لہذا (اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ) سے زیر عتاب ہوئے
اس قسم کا بیان غیر واقعی جسکو کوئی غلط فہمی سے بیان کرے۔ از قبیل کذب مذموم نہیں
کہا جاتا۔ البتہ (سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا) سے ظاہر ہے کہ ملائکہ ترک اولی کے
مرتکب ہوئے کیونکہ سوال از تفاصیل وجوہ حکمت و اسرار غامضہ خلاف اولیٰ ہے جو اہل کمال
کے شایان نہیں۔ ھٰذا ما عندی والعلم عند اللہ۔ ملائکہ نے بھی خاکی مخلوق کے بارہ
میں کیا جو کچھ کہ کیا مگر جناب بھی بحیثیت انتقام یا وکالت منجانب خاکیان تعاقب کو چھوڑنیوالے
معلوم نہیں ہوتے۔ میرے خیال میں تعاقب یا انتقام کسی کے خلاف اولیٰ اور (الا علم نہم) آگے
محدود ہونی چاہیئے اور بس۔ مخلصی میاں نور الدین لاہوری کا تار مبارکبادی آمدہ از لاہور
بتاریخ ۱۱ ربیع الثانی کے ملاحظہ پر یہاں سے ارجنٹ تار مبارکبادی قطب پور کو بھیجا گیا تھا۔
جناب کو پہنچا ہوگا۔ اللہ تعالےٰ آپ کو مع اولاد و احفاد الی یوم القیمہ و مع متعلقین مخلصین
شر حساد و اعداء سے محفوظ رکھے۔ بخدمت صاحبزادگان حفظہم اللہ تعالی تسلیمات و دعوات
سب کو واجب سب سے سبکو سب کچھ۔ (نیازمند از گولڑہ)

معذرت مؤلف

معترض نے اعتراض کیا۔ کہ تمام کتاب میں قدوۃ الاولیا عاشق مصطفٰے جناب حضرت محمد موسیٰ صاحب کا تذکرہ نہیں آیا۔ اسکے
متعلق یہ عرض ہے۔ کہ خاکسار مؤلف نے اپنی طرف سے پوری سعی کی۔ کہ کہیں سے حضرت حافظ صاحب کا ملفوظ یا انکی تحریر یا
واقعات میسر ہوں۔ مگر کامیابی نہ ہوسکی۔ ایک موقع پر حضرت سجادہ نشین صاحب کی خدمت میں عریضہ بھیجا گیا جسکی نقل میرے پاس موجود
و ہو ہذا بحضور سراپا نور ادام اللہ فیوضہ و اجلالہ بعرض بندگان عالی مے رساند۔ ایں عقیدت نقش اللہ بخش بلوچ ملتانی
مؤلف خاتم سلیمانی متوطن سوکڑ مدرس مڈل مدرسہ عالیہ ... ضلع مظفرگڑھ۔ کہ در دیباچہ کتاب خاتم سلیمانی
وعدہ کردہ بودم۔ کہ اگر از مکروہات زمانہ فرصتے یافتم۔ انشاء اللہ تعالی جلد ثانی را ترتیب مے دہم۔ الحمد للہ
کہ از عنایات ایزد متعال و بہ برکت خواجگان با اقبال فرصتے دست یافتہ از مسودات خان گل محمد بیروی
کہ از محبی سردار فتح محمد خان تنگوانی حاجی مستعار گرفتم۔ کتاب مستطاب آئینہ نورانی اعنی جلد ثانی
خاتم سلیمانی را قلمبند کردہ ام۔ اگر ملفوظات حضرت حافظ صاحبؒ در کتب خانہ عالیہ باشند عطا فرمایند

تاآں جواہر آبدار و در ہائے تابدار دریں آئینہ نورانی مندرج ساختہ سعادت دنیا و عقبیٰ حاصل کنم۔ یا اگر ارشاد شود۔ کتابے دیگر تالیف کردہ از آب زلال مقالات و ملفوظات حضرت حافظ صاحب تشنگی اشتیاق مریدان وطالبان رفع کردہ شود۔ بیرنگ جواب آیا۔ کہ ہمارے پاس کوئی ملفوظ نہیں۔

امتحان محبت

ایک دن حضرت رسول کریم صلعم فرمانے لگے۔ کہ ازواج مطہرات سے پہلے مجھے بہشت میں وہ آکر ملیگی۔ جس کے ہاتھ لمبے ہونگے۔ اسوقت تو کسی کی جرأت نہ ہوئی۔ کہ اس بات کا امتحان اور آزمائش کرتیں۔ مگر بعد ازاں ظاہری الفاظ پر محمول کرکے ہاتھوں کا موازنہ ہونے لگا۔ لیکن ازواج مطہرات میں سب سے پہلے حضرت بی بی ......کا انتقال ہوا۔ اور اس بات کا مطلب بخوبی معلوم ہوگیا۔ کہ لمبے ہاتھوں سے مراد سخاوت ہے۔ کیونکہ بی بی.....صاحبہ سب سے زیادہ سخی اور رحمدل تھیں۔

ہمارے حضرت چراغ تونسویؒ کے بعد دائرہ احباب سے پہلے میاں احمد وصاحب وزیر کا انتقال ہوا۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ جس شخص نے حضرت چراغ تونسوی کی مہربانی سے سارے سنگھڑ پر حکومت کی۔ ملازمین کا عزل و نصب سب کچھ جس کے اختیار تھا۔ اب حضرت کی وفات کے بعد وہ حکومت اور عیش وعشرت کہاں۔ خدا بخشے۔ عجب وفادار انسان تھا۔ اور محرم راز۔

دوسرا نمبر اخلاص میں حضرت مولینا مولوی گوہر علی صاحبؒ کا تھا۔ جو نہ صرف خواجہ صاحب کے پیش امام تھے۔ بلکہ زہد و اتقا۔ خلق وصفا۔ علم وحلم میں لاثانی۔ نہایت کم سخن۔ سچے مسلمان تھے ایسے عالم پاک ریا بہت کم دیکھنے میں آئینگے۔ نماز ظہر کی امامت کی۔ اور اسی دن داعی اجل کو لبیک کہا۔

تیسرے۔ وفاشعار۔ عالم باعمل مولینا احمد صاحب ملغانی تھے۔ جو حکیم حاذق ہونے کے علاوہ آپ کے دربار کی زینت اور ہونہار تن شمار کئے جاتے تھے۔ دیکھئے۔ اب کس کی باری ہے۔

حریفان بادہا خوردند و رفتند
تہی خمخانہ ہا کردند و رفتند

ــــــ

اللّٰہم اغفر لہم واغفر لنا انک انت غفور رحیم

حضرت حاجی خواجہ محمد محمود صاحب چراغ تونسوی رح

ع دین و دنیا کے بادشاہ محمود ابرِ رحمت ہے گویا تیرا وجود

نوبہار الیکٹرک پریس ملتان شہر

تفرق رستن ازیں پردہ کہ برجان تست … بے مدو پیر نہ امکان تست

…یر دانائے مرشد شہاب … دو اندرز فرمود بر روئے آب
…آنکہ بر خویش خود بیں مباش … دوم آنکہ بر غیر بد بیں مباش
…باش در پئے آزار و ہر چہ خواہی کن … کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست
…خوش گفت فردوسی پاک زاد … کہ رحمت برآں تربت پاک زاد
…آزار مورے کہ دانہ کش است … کہ جاں دارد و جاں شیریں خوش است
…سیاہ اندروں باشد و سنگ دل … کہ خواہد کہ مورے شود تنگ دل
…زن بر سر ناتواں دست زور … کہ روزے بپایش درافتی چو مور
…فتم ز تو ناتواں تر بسے است … توانا تر از تو ہم آخر کسے است
…تیسے بازکے بباز بے گفت در دشت … حکایت کہ تا کے کوہ و صحرا مے تواں گشت
…بیا تا سوئے شہر آریم پرواز … کہ با شہزادگاں باشیم و مساز
…شبہا شمع کافوری گذاریم … بروزاں با شہاں نخچیر باریم
…جوابش داد آں باز نکو رائے … کہ اے نادان دُوں ہمت سراپا

صلح کی گفتگو

…امر اطمینان اور خوشی کا موجب ہے۔ کہ حضرت خواجہ حامد صاحبؒ کی وفات کے بعد نوجوان …صاحبزادگان ہیں جو سب معاملہ فہم۔ علم دوست اور حلیم الطبع ہیں۔ صلح کی گفتگو شروع ہو گئی ہے۔ …گرچہ بعض پہلکے توڑا اصحاب اور زرکش و کلا میچ میں روڑے اٹکا رہے ہیں۔ مگر ہم کو توقع ہے۔ کہ دو …سجادہ نشینوں میں صلح و آشتی کیطرف قدم بڑھایا جائیگا۔ کیونکہ مسجد اور خانقاہ علیحدہ بن جانے سے بظاہر ہر ایک اختلاف …ع و قمع ہو چکا ہے۔ خدا وہ دن جلد دکھائے۔ کہ باہم میل ملاپ ہو جائے۔ خاکسار نے ایک دفعہ یہ چند شعر لکھے تھے۔

…یا الٰہی کیا خوب عید ہووے … سنگھڑ کے خواجگان میں صلح پدید ہووے
…جائیں دونو حضرت از راہ مہر و الفت … آنکھیں ہماری دیکھیں روز سعید ہووے
…دری توجہ ہووے اپنی اگر تمنا … پھر شاعری کا میرے دور جدید ہووے
…شاہ روہ لکھوں میں تعریف ہووے ہر جا … آوازہ خلائق ھل من مزید ہووے
…ل جائیں دونو حضرت وہ پاک ذات ایسے … بصرہ میں مل گئے ہیں دجلہ فرات جیسے

مؤلف کی آخری التماس

کسی بزرگ کی سوانح عمری جسے انگریزی بایوگرفی کہتے ہیں۔ لکھنا آسان کام نہیں ہے اس کتاب کے مطالعہ سے اصحاب بلنشین و دانش اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ کسقدر محنت اور جانفشانی مضامین کی تیاری میں کی گئی ہے۔ اور آپ جانتے ہیں۔ کہ ایسی کتابوں پر سینکڑوں لکھائی چھپائی میں خرچ ہوتے ہیں۔ اور یہ درسی کتاب نہیں۔ کہ مدارس میں منگائی جاوے۔ محض پیر برادران کے شوق اور جذبہ کے بھروسہ پر یہ بارگراں اٹھایا گیا ہے۔ امید کہ آپ اپنے احباب کے وسیع دائرہ میں اس کی خریداری اور اعانت کو اپنا فرض تصور کرینگے۔ اور مؤلف و مہتمم کی مالی امداد فرماکر اس قرض سے سبکدوش کرینگے۔ جو اس کتاب کی طباعت و اشاعت کیواسطے لیا گیا ہے۔ فقط والسلام۔

(ناچیز مؤلف)

کتاب خاتم سلیمانی جلد اول بمعہ چار عدد فوٹو بقیمت عہ اور یہ کتاب سیرۃ المحمود بقیمت عہ اور کاغذ درجہ اول والی بقیمت عاز پتہ ذیل سے طلب کرنے پر عام دستیاب ہو سکتی ہیں۔

محمد خیر الدین صابر منیر منزل اندرون بوہڑ دروازہ شہر ملتان

حافظ شمس الدین و منورالدین تاجران کتب اندرون بوہڑ دروازہ شہر ملتان

مولوی الٰہ بخش خانصاحب منشی فاضل ہیڈماسٹر مؤلف کتاب کروڑ لعل عیسن ضلع مظفر گڑھ

قطعہ تاریخ کتاب سیرۃ المحمود مصنفہ صابر ملتانی

ملفوظ خاص خواجہ محمود باصفا	یعنی کتاب سیرت محمود تونسوی
ایسی کتاب جامع حالات چھپ گئی	ہے جس میں سب حقیقت محمود تونسوی
رہتے تھے محو تزکیۂ نفس و ذکر حق	کیا حق نما تھی صورت محمود تونسوی
صابر عجیب مصرع تاریخ و سال طبع	لکھ یہ چھپی ہے سیرت محمود تونسوی ۱۳۴۰

تمام شد

السلام و علیکم
امید کرتا ہوں آپ خیریت سے ہوں گے
اس کتاب کو پی ڈی ایف کرنے کا مقصد
فی سبیل اللہ فراہم کرنا ہے لہذا اس سے
تجارتی مقصد نہیں ہے اس کو پڑھ کر
آگے سنڈ کریں اور اس بندہ ناچیز کو
اپنی دعاوں میں یاد رکھیں

pdf by
خلیفہ مدنی تونسوی
تحصیل تونسہ شریف ضلع ڈیرہ غازی
خان پاکستان
+923321717717